استادِ گرامی

مولانا عطاء اللہ حنیف بھوجیانی رحمہ اللہ

www.KitaboSunnat.com

مولانا محمد اسحاق بھٹی

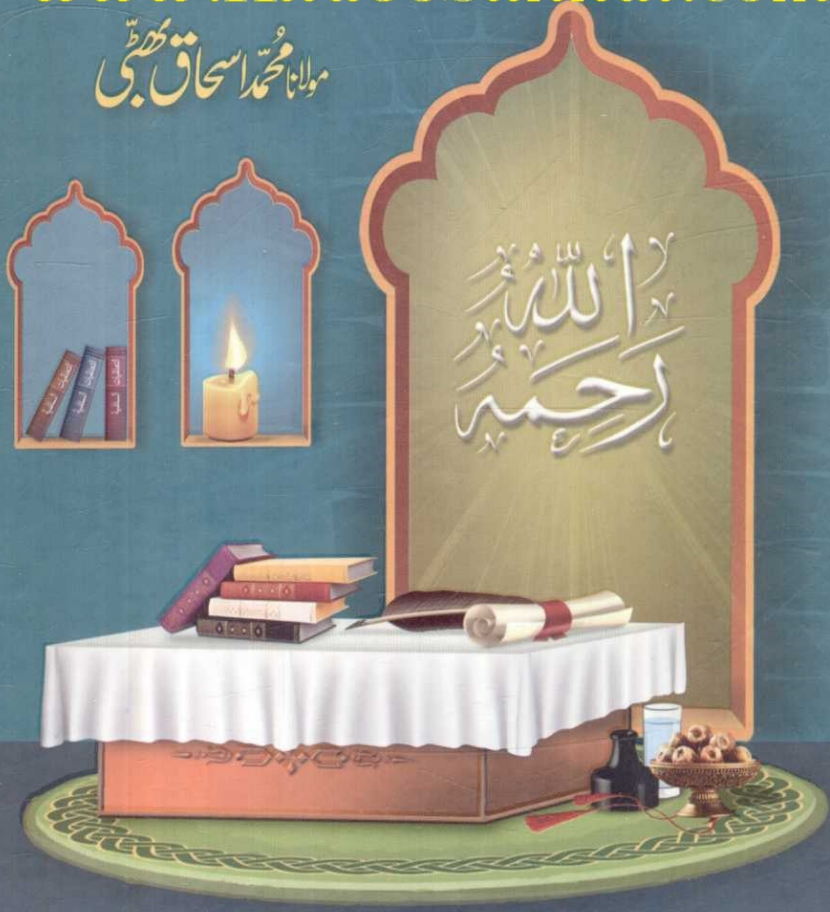

محمد اسحاق بھٹی ریسرچ انسٹی ٹیوٹ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

قُلْ أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ

مجلس التحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام

محدث لائبریری

کتاب وسنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

معزز قارئین توجہ فرمائیں

- کتاب وسنت ڈاٹ کام پر دستیاب تمام الیکٹرانک کتب ...عام قاری کے مطالعے کیلئے ہیں۔
- مجلس التحقیق الاسلامی کے علمائے کرام کی باقاعدہ تصدیق واجازت کے بعد (Upload) کی جاتی ہیں۔
- دعوتی مقاصد کیلئے ان کتب کو ڈاؤن لوڈ (Download) کرنے کی اجازت ہے۔

تنبیہ

ان کتب کو تجارتی یا دیگر مادی مقاصد کیلئے استعمال کرنے کی ممانعت ہے

کیونکہ یہ شرعی، اخلاقی اور قانونی جرم ہے۔

اسلامی تعلیمات پر مشتمل کتب متعلقہ ناشرین سے خرید کر تبلیغ دین کی کاوشوں میں بھرپور شرکت اختیار کریں

PDF کتب کی ڈاؤن لوڈنگ، آن لائن مطالعہ اور دیگر شکایات کے لیے درج ذیل ای میل ایڈریس پر رابطہ فرمائیں۔

KitaboSunnat@gmail.com

www.KitaboSunnat.com

www.KitaboSunnat.com

بسم اللہ الرحمن الرحیم

استاد گرامی

مولانا عطاء اللہ حنیف بھوجیانی رحمہ اللہ

مولانا محمد اسحاق بھٹی

www.KitaboSunnat.com

ناشر

محمد اسحاق بھٹی ریسرچ انسٹی ٹیوٹ

20S13 جناح سٹریٹ، اسلامیہ کالونی ساندہ، لاہور

Ph 0301-4768918، 042-37143677

mishaqbhattiri2002@gmail.com

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جملہ حقوق محفوظ ہیں

نام کتاب: ________ مسند گرمی مولانا عطاء اللہ حنیف بھوجیانی

مصنف: ________ مولانا محمد اسحاق بھٹی

ناشر: ________ سعید احمد بھٹی

محمد اسحاق بھٹی ریسرچ انسٹی ٹیوٹ

حروف خوانی: ________ حافظ محمد حسان سعید

کمپوزنگ: ________ محمد لقمان سعید

صفحات: ________ ۲۵۶

سن اشاعت: ________ ۲۰۱۷ء

مطبع

ثوبان نعمان پرنٹنگ پریس، لاہور
0300-8661763

کتاب ملنے کا پتہ:

محمد اسحاق بھٹی ریسرچ انسٹی ٹیوٹ
20S13 جناح سٹریٹ، اسلامیہ کالونی سانده، لاہور
Ph 0301-4768918، 042-37143677
mishaqbhattiri2002@gmail.com

مکتبہ اسلامیہ

لاہور: G/F-26 بادیہ حلیمہ سینٹر غزنی سٹریٹ اردو بازار لاہور
042-37244973 - 37232369

فیصل آباد: بالمقابل شیل پٹرول پمپ کوتوالی روڈ، فیصل آباد
041-2631204 - 2641204

Ph 0300-8661763 ، 0321-8661763
www.facebook.com/maktabaislamia1
maktabaislamiapk@gmail.com
www.maktabaislamiapk.com
www.maktabaislamiapk.blogspot.com

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

فہرست

- حرفے چند (سعید احمد بھٹی)---------- 5
- تقریظ (مولانا ابوبکر صدیق السّلفی) ---------- 9
- مقدمہ (مولانا حافظ صلاح الدین یوسف) ---------- 11
- ذہبی دوراں مورخ العصر علامہ محمد اسحاق بھٹی رحمۃ اللہ علیہ (مولانا حافظ عبدالعزیز علوی) - 19
- اُستادِ گرامی مولانا عطاء اللہ حنیف بھوجیانی رحمہ اللہ ---------- 48
- مرکزی جمعیت اہل حدیث کے قیام میں مولانا محمد عطاء حنیف رحمہ اللہ کا حصہ --- 223
- مولانا محمد عطاء اللہ حنیف رحمہ اللہ کی وفات پر تعزیتی خطوط ---------- 232

1۔ مولانا عبدالمالک مجاہد، چیئرمین دارالسلام ---------- 232

2۔ حکیم اجمل خاں، مدیر مجلّہ ''اہل حدیث''، دہلی---------- 233

3۔ حکیم عبدالرحمٰن آزاد، ناظم سیاسیات، مرکزی جمعیت اہل حدیث، پاکستان-------- 235

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

4۔ مولانا حافظ عزیز الرحمٰن لکھوی، رینالہ خورد ---------- 236

5۔ مولانا عبدالواحد، جدہ، سعودی عرب ---------- 237

6۔ حاجی محمد اسماعیل، مولانا محمد شفیع ودیگر ---------- 238

◈ حرف شناسی سے لفظ شناسی تک (حافظ احمد شاکر) ---------- 239

◈ سال بیت گیا! (قدیسہ سعید) ---------- 249

◈ مولانا بھوجیانیؒ کا مولانا بھٹی صاحبؒ کے نام ایک مراسلہ بمعہ عکس ------ 256

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

حرفے چند

۱۹۵۳ء میں جب ہمارے نانا حکیم محمد رمضان کا انتقال ہوا تو میری عمر چار سال تھی۔ ابو جی (مولانا محمد اسحاق بھٹی صاحبؒ) لاہور سے جڑاں والا ان کے جنازے میں شرکت کے لیے گئے۔ تیسرے دن واپسی پر میں نے ان کے ساتھ لاہور آنے کی ضد کی۔ فرمانے لگے کچھ دنوں تک بھائی محمد حسین نے لاہور آنا ہے آپ ان کے ساتھ لاہور آجانا۔ جب بھائی محمد حسین کو چند دن بعد کسی کام کے سلسلے میں لاہور آنا ہوا تو میں ان کے ساتھ آ گیا۔ مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ ہم دربار چوک کے سٹاپ پر بس سے اترے۔ سڑک کو کراس کرنے پر لال رنگ کی ایک اونچی عمارت دکھائی دی جس کے گیٹ کے اوپر کالے رنگ کا ایک بورڈ لگا ہوا تھا جس پر ''تقویۃ الاسلام مدرسہ غزنویہ'' کے الفاظ مرقوم تھے۔ اس وقت مولانا عطاء اللہ حنیف بھوجیانیؒ مکتبۃ السلفیہ کے باہر کرسی پر بیٹھے کسی کتاب کے مطالعے میں مصروف تھے۔ بھائی محمد حسین مجھ سے پوچھنے لگے یہ کون صاحب ہیں؟ میں نے فوراً جواب دیا: مولوی صاحب۔ میں نے بھائی کے ساتھ مولانا کو سلام کیا، مولانا نے والد محترم میاں جی اور اہل خانہ کی خیریت دریافت کرنے کے بعد پوچھا کب آئے ہو؟ میں نے ٹوٹی پھوٹی زبان میں جواب دیا: ابھی۔ فرمانے لگے: لاہور کی سیر کرنے اور لائبریں دیکھنے کے لیے آئے ہو؟ میں نے کہا: جی۔ (اس وقت کہاں یہ گمان تھا کہ میں اب لاہور کا ہی ہو کر رہ جاؤں گا۔)

مولانا عطاء اللہ حنیف بھوجیانیؒ کو پہلے سے جاننے کی وجہ یہ تھی کہ مولانا اکثر ہمارے گاؤں میں آتے رہتے تھے اور جب بھی گاؤں آتے رات کو ہمارے گھر ہی ٹھہرتے۔ ہمارے گاؤں کے کئی لوگوں نے آپ سے باقاعدہ دینی تعلیم حاصل کی تھی جن میں مولانا محمد رفیق زبیدی، مولانا حافظ علی محمد، محمد علی جھنگ والے، میاں محمد صدیق، حاجی محمد علی کراچی والے اور میاں محمد زکریا کے نام قابل ذکر ہیں۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

لاہور آنے کے بعد راقم نے چند روز قاری غلام محی الدین سے ناظرہ قرآن مجید پڑھا، جو اس وقت ''مدرسہ تقویۃ الاسلام'' (جہاں اب مدرسے کا دفتر ہے) میں تدریس کے فرائض سرانجام دیتے تھے۔ مولانا بھوجیانیؒ کے فرزند ارجمند حافظ احمد شاکر صاحب اور حافظ عبدالرؤف قریشی صاحب (ان کا اسلام پورہ، لاہور میں ایک میڈیکل سٹور ہے) ان دنوں ان سے قرآن مجید حفظ کر رہے تھے۔ نور محلہ اندرون بھاٹی گیٹ میں ہمارے گھر کے سامنے کارپوریشن پرائمری سکول تھا، جہاں مجھے داخل کرا دیا گیا۔

اس کتھا کو سنانے کا مقصد یہ تھا کہ جب راقم سب سے پہلے لاہور آیا تھا تو مولانا محمد اسحاق بھٹی صاحبؒ سے پہلے ان کے استاد گرامی اور محدث کبیر مولانا عطاء اللہ حنیف بھوجیانیؒ سے ملاقات ہوئی تھی۔

زیر نظر کتاب ''استاد گرامی مولانا عطاء اللہ حنیف بھوجیانیؒ'' دراصل ''الاعتصام'' کے خاص نمبر ''مولانا عطاء اللہ حنیف بھوجیانیؒ'' میں مولانا بھٹی صاحبؒ کے دو مضامین ''استاد گرامی'' اور ''مرکزی جمعیت اہل حدیث میں مولانا عطاء اللہ حنیف بھوجیانیؒ کا حصہ'' پر مشتمل ہے۔ بھٹی صاحب کے بعض قریبی دوستوں نے بار ہا ان کے سامنے اس خواہش کا اظہار کیا کہ آپ نے ان دو مضامین میں صرف استاد گرامی کے حالات ہی بیان نہیں کیے بلکہ برصغیر کی پوری صدی کی مذہبی اور سیاسی تاریخ سمو دی ہے۔ اس لیے ان دونوں مضامین کو علیحدہ کتابی شکل میں شائع ہونا چاہیے۔

دوستوں کی اس خواہش پر مولانا بھٹی صاحب نے اپنی نگرانی میں ان دونوں مضامین کو کمپوز کروایا لیکن اپنی دیگر تصنیفی وتالیفی مصروفیات کی وجہ سے وہ ان مضامین کی پروف ریڈنگ اور مقدمہ نہ لکھ سکے۔ جب انھوں نے مختصر علالت کے بعد ۲۲۔ دسمبر ۲۰۱۵ء کو وفات پائی تو یہ کمپوز شدہ مضامین ان کی میز پر پڑے ہوئے تھے۔ مولانا کی وفات کے بعد میرے چھوٹے بیٹے حافظ محمد حسان سعید (ایم فل اسلامیات سٹڈیز، پنجاب یونیورسٹی) نے اس کتاب کی پروف ریڈنگ کی اور اب جب ہم اسے کتابی شکل میں آپ کے سامنے پیش کر

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

رہے ہیں تو دل خون کے آنسو رو رہا ہے۔ اس لیے کہ اگر بھٹی صاحب زندہ ہوتے تو یقیناً اپنے استادِ گرامی کی عقیدت میں ایک طویل مقدمہ تحریر کرنے کے ساتھ ان مضامین میں کانٹ چھانٹ بھی کرتے۔ لیکن یہ بات ہمارے لیے باعث تسکین ہے کہ ہم نے ان کی اس خواہش کو ان کے اس دنیا سے رخصت ہونے کے بعد بھی اپنے ذہنوں سے محو نہیں ہونے دیا۔ جس سے قارئین کرام بھٹی صاحب سے اور ان کے کام سے ہماری محبت کا اندازہ لگا سکتے ہیں۔

حضرت مولانا عطاء اللہ حنیف بھوجیانیؒ کے فرزند ارجمند حافظ احمد شاکر صاحب جو ہفت روزہ ''الاعتصام'' کے مدیر مسئول اور دارالدعوۃ السلفیہ شیش محل روڈ کے سیکرٹری جنرل ہونے کے ساتھ ساتھ کتب دینیہ کی نشر واشاعت میں مصروف عمل المکتبۃ السلفیہ بھی چلا رہے ہیں۔ مولانا بھٹی صاحب جن دنوں ''چمنستان حدیث'' لکھ رہے تھے اس وقت حافظ احمد شاکر صاحب سے اپنے حالات زندگی لکھ کر دینے کو کہا جس پر حافظ صاحب نے ''حرف شناسی سے لفظ شناسی تک'' کے عنوان سے اپنی خاندانی، علمی اور تدریسی زندگی کے بارے ایک تفصیلی مضمون لکھ کر بھیجا تھا، جو بھٹی صاحب نے مختصر نوٹ کے ساتھ اسی طرح کتاب میں لگا دیا تھا۔ ہم نے بھی اس مضمون کو اسی عنوان سے زیر نظر کتاب میں شامل کیا ہے اور اس مضمون کے آخر میں قارئین کے لیے حافظ صاحب کی اولاد کا مختصر تعارف بھی کرا دیا گیا ہے۔

مولانا عطاء اللہ حنیف بھوجیانیؒ کا جب انتقال ہوا تو اس وقت مولانا محمد اسحاق بھٹی ''اہل حدیث'' اخبار کے ایڈیٹر تھے۔ اس وقت بحیثیت ایڈیٹر معروف اہل علم ودانش کے جو خطوط ان کے نام آئے تھے ان میں سے چند خطوط کو اس کتاب کا مستقل حصہ بنا دیا گیا ہے۔

مولانا عطاء اللہ حنیف بھوجیانیؒ کے دو مشہور ومعروف اور نامور تلامذہ مولانا ابوبکر صدیق السلفی صاحب (صدر۔ دار الدعوۃ السلفیۃ) اور مولانا حافظ صلاح الدین یوسف (مفسر قرآن) کے شکر گزار ہیں جنھیں اس کتاب پر بالترتیب تقریظ اور مقدمہ لکھنے کی درخواست کی گئی تو انھوں نے بخوشی اس کو قبول کیا اور ہماری حوصلہ افزائی فرمائی۔ دعا گو ہیں اللہ تعالیٰ ہماری جماعت کے ان دونوں محسنوں کو صحت والی لمبی زندگی دے اور دین حق کا زیادہ سے زیادہ کام لے۔ آمین

جامعہ سلفیہ، فیصل آباد نے مولانا محمد اسحاق بھٹی صاحب کی وفات کے بعد

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

''ترجمان الحدیث'' کا خاص نمبر شائع کیا۔ جس میں جماعت کے جید علمائے کرام نے اپنے اپنے انداز سے مولانا بھٹی صاحب کی خدمات جلیلہ کا تفصیلی ذکر کیا ہے۔ مولانا عبدالعزیز علوی صاحب (شیخ الحدیث۔ جامعہ سلفیہ) نے جامعہ کے اس خاص نمبر کے لیے ''ذہبی دوراں، مورخ العصر، علامہ محمد اسحاق بھٹیؒ'' کے عنوان سے بھٹی صاحب کی خاندانی، دینی اور علمی زندگی کو بہترین انداز سے قلم بند کیا ہے۔ مدرس جامعہ سلفیہ وایڈیٹر ''ترجمان الحدیث'' مولانا حافظ فاروق الرحمٰن یزدانی صاحب کی خصوصی اجازت اور مشورے سے اسے اس کتاب میں شامل کیا گیا ہے۔

''محفل دانش منداں'' کی اشاعت کے بعد اندرون وبیرون ملک دینی، علمی اور ادبی حلقوں نے جس طرح ہمارے کام کی تحسین کی اور ہمارے حوصلے کو بڑھایا ہے اور ہمارے عزم کو سراہا ہے اس پر ہم ان کے شکر گزار ہیں اور امید رکھتے ہیں کہ وہ آئندہ بھی ہماری حوصلہ افزائی جاری رکھیں گے۔

کئی اہل علم نے ''محفل دانش منداں'' کے مطالعہ کے بعد خط یا ٹیلی فون کے ذریعے پوچھا آپ کے پاس مزید کتنی کتب کے مسودات ہیں؟ یہاں ہم یہ بات واضح کرنا چاہتے ہیں کہ بھٹی صاحب کی تحریر کا ایک ایک لفظ ان سے محبت کرنے والوں تک پہنچانا ہمارے اوپر فرض بھی ہے اور قرض بھی۔ اس لیے اللہ تعالیٰ کی توفیق اور آپ دوستوں کی دعاؤں اور مشوروں سے ہم اسے ہر صورت پورا کریں گے۔ ان شاء اللہ۔

زیر نظر کتاب اپنے آخری مراحل میں تھی کہ مولانا بھٹی صاحب کے سوانح نگار اور بہترین دوست مولانا محمد رمضان یوسف سلفی صاحب بھی ۷۔ دسمبر ۲۰۱۶ء کو اللہ کو پیارے ہوگئے۔ مولانا بھٹی صاحب کی وفات کے بعد تقریباً ہر ہفتے ہمیں فون کرتے اور بہترین انداز سے ہماری علمی راہنمائی فرماتے۔ دعا ہے اللہ تعالیٰ ان کی بشری لغزشوں کو معاف کرتے ہوئے انھیں جنت الفردوس میں اعلیٰ ترین مقام عطا فرمائے۔ آمین

۲۲۔ دسمبر ۲۰۱۶ء

سعید احمد بھٹی

0301-4768918, 042-37143677

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تقریظ

مولانا ابوبکر صدیق السلفی
(صدر دارالدعوۃ السلفیہ)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

برصغیر پاک وہند میں مسلک صحابہ کرام اور تابعین عظام اور ان کے پیروکاروں کے مسلک (حق) کی ترویج واشاعت میں فحول علما نے بڑی محنت اور کوششیں کیں۔ اس راہ میں انھیں تالی اور بدنی مصائب سہنے پڑے ان پاک باز ہستیوں نے اپنے اپنے دور میں اشاعت اسلام کی قابل قدر خدمات انجام دیں۔ یہ ہمارے محسن اور شکریے کے لائق ہیں۔ بیسویں سن عیسوی کے ممتاز علماے اہل حق میں شیخ الحدیث حضرت مولانا ابوالطیب محمد عطاء اللہ حنیفؒ کا اسم گرامی نمایاں نظر آتا ہے۔ آپ اسلامی علوم وفنون کے ماہر اور جید عالم تھے آپ کی تدریسی وتربیتی محنت سے علماے کرام کا ایسا گروہ تیار ہوا، جس نے مختلف شعبوں میں گراں قدر کارنامے انجام دیئے۔ اس کی ایک جھلک ہفت روزہ ''الاعتصام'' کے ''مولانا عطاء اللہ حنیف نمبر'' میں دیکھی جاسکتی ہے، آپ کے ارشد تلامذہ میں مولانا محمد اسحاق بھٹیؒ بھی ہیں آپ نے تصنیفی اور صحافتی میدان میں بڑا کام کیا، مسلک اہل حدیث کے جن علما کے تدریسی وتبلیغی محاذ پر اونچے درجے کے کارنامے نظر آتے ہیں اور ان سے ایک دنیا مستفید ہوئی اور انصاف پسند لوگ اس کے معترف ہیں، کے سوانح پر بہت سی تحقیقی کتابیں تصنیف کیں جن کی تفصیل ان کی خودنوشت (گزر گئی گزران) سے معلوم ہوسکتی ہے۔

میری خوش قسمتی ہے کہ میں بھی مولانا محمد عطاء اللہ حنیفؒ کے تلامذہ میں ہوں میں نے آپ سے بہت فیض حاصل کیا۔ جو کچھ معمولی سا تدریسی، تحریری کام مجھ سے ہوا، وہ آپ کی

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

راہنمائی میں ہوا۔

میں ہر نماز میں آپ کے لیے دعا کرتا ہوں۔ میرے مولانا محمد اسحاق بھٹیؒ کے ساتھ لڑکپن سے بڑھاپے تک قریبی مخلصانہ تعلقات رہے وہ جنت نصیب ہوگئے تو یہ بات اطمینان کے لائق ہے کہ مولانا بھٹی کے ورثا میں ان کے برادر اصغر جناب سعید احمد بھٹی اور ان کے لائق صاحب زادگان آپ کے زیر تکمیل کام کو مکمل کرنے میں لگے ہوئے ہیں۔

اللہ تعالیٰ ان کی کوششوں کو بارآور فرمائے اور ہم سب کو ان سے مستفید ہونے کی توفیق فرمائے آمین۔

راقم عاجز

ابوبکر صدیق سلفی عفا اللہ عنہ

۲۲۔نومبر ۲۰۱۶ء

مطابق ۲۱۔صفر ۱۴۳۸ھ

☆.....☆.....☆

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مقدمہ

مولانا حافظ صلاح الدین یوسف
(مفسر قرآن، سابق ایڈیٹر ''الاعتصام'' و
مدیر تحقیق وتصنیف دارالسلام، لاہور)

مولانا محمد اسحاق بھٹی رحمہ اللہ تعالیٰ جماعت اہل حدیث کی ایک عظیم شخصیت تھے جو حسب ذیل خصوصیات کی وجہ سے اپنے اقران واماثل میں نہایت ممتاز تھے۔

۱۔ قیام پاکستان کے بعد جب مغربی پاکستان میں جماعت اہل حدیث کی اولین تنظیم مرکزی جمعیت اہل حدیث مولانا سید محمد داؤد غزنویؒ کی سیادت میں قائم ہوئی۔ مولانا بھٹی اس وقت سے تادم واپسیں نہ صرف اس سے وابستہ رہے بلکہ اس کے اولین ناظم دفتر بننے کا شرف بھی انھیں حاصل ہوا۔ پھر مرکزی جمعیت اہل حدیث کے ترجمان ہفت روزہ ''الاعتصام'' کے، مولانا محمد حنیف ندویؒ کے بعد، دوسرے ایڈیٹر بنے اور سالہا سال تک اس کی ادارتی ذمے داری سنبھالے رہے۔

۲۔ مرکزی جمعیت اہل حدیث جن نشیب وفراز سے گزری۔ جو مدوجزر اس میں آتے رہے، جو اکھاڑ پچھاڑ ہوتی رہی، جو فصل ووصل ہوتا رہا، اس کے وہ عینی شاہد تھے۔ اور اس کے ابتدائی دور میں، جب کہ یہ تنظیم غنچۂ نودمیدہ تھی، اور اسے وسائل کی وہ فراوانی اور آمدورفت اور سفر کی وہ سہولتیں بھی حاصل نہیں تھیں جو آج اس تنظیم کی قیادت اور اس سے وابستہ اکابر واصاغر کو میسر ہیں، اس کے باوجود بھٹی صاحب اپنے ہم راہیوں کی معیت میں گاؤں گاؤں پھرے، قریہ قریہ گئے، شہر شہر گھومے اور اس تنظیم سے لوگوں کو متعارف کروایا اور اس سے وابستگی کی تلقین کی کہ

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

موج ہے دریا میں اور بیرون دریا کچھ نہیں

اور ذریعۂ سفر کیا تھا؟ ٹانگیں، تانگے اور مسافروں سے کھچا کھچ بھری ہوئی کھٹارا لاریاں۔ آج ان صعوبتوں اور راہ کی ان کٹھنائیوں کا اندازہ کرنا بھی مشکل ہے جن سے مرحوم اوران جیسے جماعت کے دیگر اصحاب درد اور اہل جنوں گزرے۔

بنا کردند خوش رسمے بہ خاک وخون غلطیدن

خدا رحمت کند ایں عاشقان پاک طینت را

بعض مراحل میں اس تنظیم کے قافلہ سالاروں میں اقتدار کی رسہ کشی بھی ہوئی، یہ اپنوں اور بیگانوں کی تختۂ مشق بھی بنی، اس میں باہم اختلاف وانشقاق کے جھکڑ بھی چلے لیکن بھٹی صاحب سبک ساران ساحلہا کی طرح، موجوں سے کھیلنے والوں کا کنج عافیت ہی میں بیٹھے نظارہ کرتے رہے اور دیگر ہمدردان جماعت کی طرح خیرواصلاح کی دعا ہی کرتے رہے۔ نہ حریفانہ کیمپ میں کبھی شامل ہوئے اور نہ حلیفانہ مدح سرائی کا نغمہ ہی الاپا۔

۳۔ اللہ نے تحریر وانشا کا سلیقہ بحظ وافر عطا فرمایا تھا جس سے انھوں نے خوب خوب کام لیا، بالخصوص شخصیت نگاری اور احوال ووقائع کی منظر کشی میں ایک نمایاں مقام حاصل کیا اور برصغیر پاک وہند کی ممتاز علمی، دینی، سیاسی شخصیات کی خدمات اور ان کی امتیازی خوبیوں کو اپنے شگفتہ قلم سے اس طرح صفحات قرطاس پر منتقل کیا کہ وہ بھی ملی اور مسلکی تاریخ میں امر ہوگئے اور ساتھ موصوف بھی امر ہوگئے۔

ہر گز نہ میرد آنکہ دلش زندہ شد بہ عشق

ثبت است برجریدۂ عالم دوام ما

۴۔ طبیعت بڑی باغ وبہار پائی تھی، مزاج میں ظرافت اور بذلہ سنجی کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔ جس محفل میں بیٹھتے، اسے زعفران زار بنائے رکھتے، ان کی گفتگو میں لطیفے، چٹکلے، بزرگوں کے دلچسپ واقعات کا ایسا تسلسل ہوتا کہ طلسم ہوش ربا یا داستان الف لیلہ کا سماں بندھ جاتا۔ گویا بقول غالب

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

پھر دیکھیے انداز گل افشانی گفتار
رکھ دے کوئی پیمانہ وصہبا مرے آگے

۵۔ ان کی قوت حافظہ بھی نہایت قابل رشک تھی، بایں سن وسال، یعنی نوے سال کی عمر کے باوجود اپنی حیات گزشتہ کے دوران میں سیاسی تحریکوں، استخلاص وطن میں سرگرم پارٹیوں اور ان کے قائدین اور کارکنوں کی پکڑ دھکڑ اور داروگیر کے واقعات اور دیگر سماجی سرگرمیوں کی تفصیلات ماہ وسال کی تاریخوں کے ساتھ اس طرح بیان کرتے گویا یہ چند ہی دن پہلے کی باتیں ہیں۔

اسی قوت حافظہ اور مضبوط یادداشت کی وجہ سے انھیں شخصیات نگاری میں بھی بڑی مدد ملی اور لطائف وظرائف اور دلچسپ تاریخی واقعات کے ذریعے سے محفلوں کی روح رواں بنے رہنے کے مواقع بھی خوب میسر آئے۔

۶۔ مزاج وطبیعت کے مرنجاں مرنج ایسے تھے کہ اختلافی باتوں سے بالعموم گریزاں اور دل آزارانہ لہجے سے نا آشنا اور سادگی بھی ایسی انتہا کی کہ فقر ودرویشی بھی بلائیں لے۔

یہ تھے مولانا محمد اسحاق بھٹی جو اہل حدیث شخصیات نگاری کی وجہ سے مورخ اہل حدیث کے لقب سے ملقب ہوئے۔ ابھی ان سے مزید توقعات وابستہ تھیں اور لوگ بہت سے تاریخی اور سوانحی خلاؤں کے پُر ہونے کے منتظر تھے کہ

آں قدح بشکست وآں ساقی نماند

زمانہ بڑے شوق سے سن رہا تھا   ہمی سو گئے داستاں کہتے کہتے

غفر اللہ لہ ورحمہ واجزل جزاءہ وجعل الجنۃ مثواہ۔

ویرحم اللہ عبداً قال آمینا

کچھ زیرِ نظر کتاب کے بارے میں:

زیرِ نظر کتاب، دراصل وہ مضمون ہے جو مولانا بھٹی صاحب نے ''استاذ گرامی'' کے عنوان سے مولانا محمد عطاء اللہ حنیف بھوجیانیؒ کے بارے میں ہفت روزہ ''الاعتصام'' کی

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اشاعت خصوصی کے لیے لکھا اور وہ اس کی زینت ہے۔

یہ مضمون بھٹی صاحبؒ نے آج سے تقریباً ۲۲،۲۰ سال قبل تحریر کیا تھا، جو ۱۹۳۳ء اور اس کے مابعد کے احوال وکوائف پر مشتمل ہے۔ لکھتے وقت ان یادوں پر ۵۸ برس گزر چکے تھے جیسا کہ انھوں نے وضاحت کی ہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کو جو بے مثال حافظہ عطا فرمایا تھا کہ نصف صدی سے زیادہ عرصے کے واقعات اور احوال وکوائف اور ان کی جزئیات تک اس طرح بیان فرمائی ہیں کہ پڑھنے والا ان کی یادداشت پر حیران بھی ہوتا ہے اور انداز بیان بھی اتنا دلچسپ کہ آدمی اس کے سحر میں کھو جاتا ہے۔ اور بقول خود بھٹی صاحب یہ تفصیلات اگرچہ ''اوراق پارینہ'' ہیں لیکن ان کے لیے یہ ''اوراق تازہ'' ہی ہیں۔

یہ ان کی خداداد قوت یادداشت اور اس پر اعتماد ہی کا اظہار ہے جس کا اظہار ان ہی کے قلم سے ہوا ہے۔

مولانا بھٹی صاحب اور راقم کے درمیان کئی چیزیں قدر مشترک کی حیثیت رکھتی ہیں، ان میں سے بعض تو ایسی ہیں جو صرف ہم دونوں ہی کا امتیاز بھی ہیں اور سرمایۂ افتخار بھی۔

ایک تو یہ کہ مخدومی المحترم حضرت الاستاذ مولانا بھوجیانیؒ سے جس طرح مولانا بھٹی صاحب نے خوب خوب کسب فیض کیا، اسی طرح راقم کو بھی ایک ربع صدی سے زیادہ عرصہ تک ان کی زیرنگرانی تربیت کا موقع ملا، ان کے وسعت مطالعہ سے فیض اٹھایا اور مسلک سلف سے ان کی شدید وابستگی اور ان کے علوم ومآثر کی حفاظت اور نشرواشاعت کے جذبے نے بھی بہت متاثر کیا۔ بالخصوص ان کی فکر میں سلفیت کی پابندی کے ساتھ دوسرے اہل علم کے معاملے میں توازن اور اعتدال، ان کا ایسا طرۂ امتیاز تھا کہ راقم کو اس سے بھی بڑی رہنمائی ملی۔

رحمه الله رحمة واسعة۔

دوسری قدر مشترک، الاعتصام کی ادارت ہے۔ مولانا بھٹی صاحب ایک عرصے تک (غالباً ۱۶،۱۵ سال) ''الاعتصام'' کے مدیر رہے۔ راقم بھی مفت روزہ ''الاعتصام'' کی ادارت

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سے طویل عرصے تک وابستہ رہا، جس کا دورانیہ تقریباً ۲۳ سال ہے۔

تقبل اللّٰہ جھودنا واجزل اللہ ثوابنا۔ آمین

تیسری قدر مشترک مسلک سلف، یعنی اہل حدیثیت ہے۔ بھٹی صاحب کی زندگی میں ''الاعتصام'' سے علیحدگی کے بعد ایک خطرناک موڑ (ادارہ ثقافت اسلامیہ سے وابستگی) آیا، یہ ادارہ اس وقت بعض گم کردہ راہ اہل علم کی آماجگاہ تھا اور اس کی فکری ترکتازیاں اسلام پر شب خوں مارنے کے مترادف تھیں۔ تاہم بھٹی صاحب بہت حد تک اس سے محفوظ رہے۔ اس دور میں انھوں نے ابن الندیم کی ''الفہرست'' کا اردو ترجمہ کیا اور ''فقہائے ہند'' کے نام سے دس جلدوں میں برصغیر پاک و ہند کے اہل علم کے حالات مرتب کیے۔

تاہم ادارہ ثقافت سے (جس کو اس دور میں کثافت سے بھی تعبیر کیا جاتا تھا) علیحدگی کے بعد اللہ تعالیٰ نے نامور علمائے اہل حدیث اور زعمائے جماعت اور دیگر بہت سے اہل علم وفکر کے حالات اور سوانح لکھنے کی توفیق عنایت فرمائی۔ اور یوں ان کو ''سلفیت'' کی خدمت کی توفیق سے نوازا۔ راقم کو بھی اللہ تعالیٰ نے مسلک سلف کی ترجمانی کی کچھ توفیق عطا فرمائی اور ''اہل حدیث کا منہج اور احناف سے اختلاف کی حقیقت ونوعیت''، ''اہل حدیث اور اہل تقلید''، ''ایک مجلس کی تین طلاقیں''، ''حلالہ'' اور ''تفویض طلاق'' اور ''خلع''، ''کیا مرد اور عورت کی نماز میں فرق ہے؟''، ''خلافت وملوکیت کی تاریخی وشرعی حیثیت''، ''رسومات محرم اور سانحۂ کربلا''، ''مفرور لڑکیوں کا نکاح اور ہماری عدالتیں''، ''نفاذ شریعت، کیوں اور کیسے؟''، ''اجتہاد اور تعبیر شریعت کے اختیار کا مسئلہ''، ''حد رجم کی شرعی حیثیت''، ''فتنۂ غامدیت'' وغیرہ تالیفات اور مقالات کے ذریعے سے مسلک سلف کی خدمت اور ترجمانی کی سعادت سے نوازا۔

اور آج کل راقم اسی سلفی جذبے کے تحت فکر فراہی پر، جو انکار حدیث پر مبنی ہے، تفصیلی نقد میں مصروف ہے، بعون اللہ تعالیٰ وتوفیقہ۔ اور فکر فراہی کے سب سے بڑے شارح مولانا امین احسن اصلاحی کی ''شرح صحیح بخاری'' (دو جلدیں) اور تفسیر ''تدبر قرآن''

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

(۹ جلدیں) کی فکری گمراہیوں کا، جو حدیث اور مسلمات اسلامیہ کے انکار پر مبنی ہیں، جائزہ لے رہا ہے۔

وبیة الله التوفیق والتکمیل .

چوتھی قدر مشترک مرکزی جمعیت اہل حدیث سے غیر متزلزل وابستگی ہے۔ تاہم اس میں غلو کی آمیزش نہیں ہے، یعنی اس کی غلطیوں پر بھی اسی کی تحسین کرتے رہنا۔ یہ بات احقاق حق اور ابطال باطل کے خلاف ہے۔ اسلوب کا طرۂ امتیاز ہر صورت میں حق کی طرف داری اور باطل سے بیزاری رہا ہے۔ یہی پالیسی سلفیت کی عکاس اور مظہر ہے۔

اسی عدم غُلُوّ کا ایک مظہر یہ بھی کہ ہم دونوں جماعت کے الحمدللہ تنظیمی عصبیت سے پاک اور سلفی عصبیت میں ثابت قدم رہے۔ تنظیمی عصبیت سے مراد جماعت کے ایک ہی دھڑے کی ہر صورت میں حمایت اور دوسرے دھڑوں سے لاتعلقی یا مخالفت۔ بدقسمتی سے اہل حدیث کی کئی تنظیمیں ہیں جو کہ شرعاً نہیں ہونی چاہئیں تھیں۔ لیکن بہرحال دوسرے مکاتب فکر کی طرح یہ خرابی اہل حدیث کے اندر بھی در آئی ہے حالانکہ سب کی فکر، مقصد اور منزل ایک ہے۔ پھر یہ الگ الگ امتیاز کیوں؟ بہرحال یہ ایک المیہ ہے۔ کاش اہل حدیث تنظیموں کے سربراہ اور قائدین اس کو سمجھ سکیں۔

الحمدللہ راقم اور بھٹی صاحبؒ نے مرکزی جمعیت سے ذہنی وابستگی کے باوجود جماعت کے ہر گروہ سے تعلق رکھا اور جس نے بھی بلایا، ان کے اجتماعات میں جانے سے گریز نہیں کیا۔ اس تنظیمی عصبیت کا کوئی جواز نہیں ہے کہ ایک گروہ کے اسٹیج پر دوسرے باطل گروہوں کے سرکردہ افراد تو رونق افروز ہوں لیکن اہل حدیث ہی کے دوسرے گروہ کے قائدین یا علما وکارکنان کے لیے وہاں جانا شجر ممنوعہ کی حیثیت رکھے۔ بلکہ اس پالیسی کی حمایت میں قراردادیں پاس کی جائیں۔

ان هذا لشیٌ عجاب .

پانچویں قدر مشترک، مزاج وطبیعت کی سادگی ہے جس میں مولانا بھٹی صاحب اپنے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

گرامی قدر استادِ محترمؒ کی طرح ممتاز تھے۔ راقم بھی الحمدللہ اس ظاہری پھوں پھاں سے پاک ہے۔

چھٹی قدر مشترک، تحریر وانشاء کے ذوق اور تصنیف وتالیف کی توفیق کا میسر آنا ہے۔ الحمدللہ اللہ تعالیٰ کی توفیق سے ہم دونوں نے تحریری کاوشیں کی ہیں اور جماعت میں ان کوششوں کو سراہا گیا ہے اور ان کی قدر افزائی کی گئی ہے۔ اور ان قلمی خدمات کی وجہ سے برصغیر پاک وہند کے علما اور اہل قلم کے نزدیک تحسین وآفرین کے سزاوار ٹھہرے ہیں۔

اگرچہ دونوں کا دائرہ تصنیف وتالیف ایک دوسرے سے مختلف ہے۔ بھٹی صاحب کا موضوع شخصیات رہا اور شخصیت نگاری کے ذریعے سے انھوں نے اہل حدیث کے اکابر اور زعما کو زندہ جاوید بنا دیا۔ جب کہ راقم کا موضوع مسلک سلف کی خدمت رہا اور اللہ تعالیٰ نے اس کی خصوصی توفیق عطا فرمائی اور مسلک اہل حدیث اور اس کے حاملین کا دفاع یہ بھی ایک نہایت اہم خدمت ہے جس کی توفیق سے اللہ نے راقم کو نوازا۔ اللہ تعالیٰ ان خدمات کو قبول فرمائے اور میزان حسنات میں ان کو شمار کر لے۔

بہرحال یہ اقدار مشترکہ کا ذکر تو غیر ارادی طور پر استطراداً نوک قلم پر آ گیا۔ بات تو اس کتاب کی تھی جو اس وقت قارئین کرام کے ہاتھوں میں ہے۔ یہ آج سے تقریباً پون صدی قبل کے حالات وواقعات پر مشتمل ہے جس میں حضرت الاستاذ مولانا محمد عطاء اللہ حنیف بھوجیانیؒ (متوفی ۱۹۸۷ء) کے حالات، ان کے درس وتدریس کا انداز، ان کے کتابوں سے شغف اور مطالعے کی وسعت، ان کے رہن سہن کا انداز، ان کے احباب وتلامذہ کا ذکر اور اس دور کے سیاسی حالات اور استخلاص وطن کی تحریکوں اور لیڈروں کی سرگرمیاں اور بہت سی دلچسپ باتیں اور پُر لطف حقائق۔ یادوں کی ایک کہکشاں ہے جو ان صفحات میں سجا دی گئی ہے اور جو ''حکایت لذیذ بود دراز ترگفتم'' کی آئینہ دار ہے۔ پھر مولانا بھٹی صاحب کا شگفتہ نگار اور بہار آفریں قلم۔ گویا بقول غالبؔ

ذکر اس پری وش کا اور پھر بیاں اپنا
بن گیا حریف آخر تھا جو راز داں اپنا

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

پھر دیکھیے انداز گل افشانی گفتار
رکھ دے کوئی پیمانہ وصہبا مرے آگے

ایک بزرگ کے ذکر کے ضمن میں کئی بزرگوں کی یادیں سمٹ آئی ہیں جن میں دلچسپ حقائق بھی ہیں، پُر لطف واقعات بھی، دروس وعبر بھی ہیں اور مواعظ وحکم بھی۔ ایک دھندلے اور مٹتے دور کے انمٹ نقوش بھی ہیں اور عظمت رفتہ کی لٹک کھٹک بھی اور اس کے حصول اور بازیابی کی وارفتگیاں اور بے تابیاں بھی۔ استادِ محترمؒ ہی کا ذکر نہیں ہے بلکہ داستان الف لیلہ یا طلسم ہوش ربا کا سا منظر ہے۔

میں بزم میں کیا گیا گویا دبستان کھل گیا
وے ہستیاں الٰہی کس دیس بستیاں ہیں
اب جن کے دیکھنے کو آنکھیں ترستیاں ہیں

صلاح الدین یوسف
۱۲۴/۴۰ شاداب کالونی، علامہ اقبال روڈ۔
گڑھی شاہو، لاہور۔
0321-4133675

۸۔ ربیع الاول ۱۴۳۸ھ (۸۔ دسمبر ۲۰۱۶ء)

☆.....☆.....☆

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ذہبی دوراں مورخ العصر

علامہ محمد اسحاق بھٹی رحمۃ اللہ علیہ

مولانا حافظ عبدالعزیز علوی
(شیخ الحدیث۔ جامعہ سلفیہ)

نام:

محمد اسحاق بھٹی

لقب:

ذہبی دوراں، مورخ اہل حدیث

ولدیت ونسب:

محمد اسحاق بن عبدالمجید بن محمد بن دوست محمد

ددھیال:

بھٹی صاحب کے دادا محمد بن دوست محمد چار بھائی تھے۔ بڑے محمد ان سے چھوٹے محمد شریف ان سے چھوٹے محمد رمضان یہ تینوں بھائی حکیم تھے ان سے چھوٹے حافظ محمد کریم جو نابینا تھے۔ اور حافظ قرآن تھے۔

ننھیال:

''ڈھانیں'' کے باشندے بابا امام دین تھے۔ ان کے تین بیٹے میاں نور جمال، میاں جلال دین اور میاں عنایت اللہ تھے۔ اور تین بیٹیاں مراد بی بی، نور بھری اور راج بی بی تھیں۔ مراد بی بی کی شادی حکیم محمد رمضان سے ہوئی جو بھٹی صاحب کے دادا محمد کے بھائی تھے۔ اور بھٹی صاحب کے والد عبدالمجید کی شادی ان کے چچا حکیم محمد رمضان کی بیٹی فاطمہ سے ہوئی۔ اور یہ

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہنڈائیہ وسابق ریاست پٹیالہ مشرقی پنجاب میں رہتے تھے۔

مراد بی بی کی ہمشیرہ نور بھری کی شادی مولانا کریم بخش سے ہوئی جو بڈھیمال میں رہتے تھے اور ان کے بیٹے شیخ الشیوخ استاذ الاساتذہ حافظ عبداللہ بڑھیمالوی ہیں۔ اس طرح حضرت حافظ صاحبؒ بھٹی صاحب کی والدہ کے خالہ زاد بھائی تھے۔ اور میاں جلال دین جو مراد بی بی کے بھائی ہیں۔ ان کے بیٹے مولوی عبدالعزیز ہیں جن کے لخت جگر معروف ومشہور شیخ الحدیث مولانا عبداللہ امجد چھتوی ہیں۔

تاریخ پیدائش اور مقام پیدائش:

بھٹی صاحب ۱۵۔ مارچ ۱۹۲۵ء بمطابق ۱۹۔ شعبان ۱۳۴۳ھ بروز اتوار اپنے ننھیال ہنڈائیہ میں پیدا ہوئے کیونکہ عام رسم و رواج کے مطابق پہلا بچہ اپنے ننھیال کے ہاں پیدا ہوتا ہے۔ ان کے نانا حکیم محمد رمضان نے ان کا نام عبدالرشید رکھا۔ اور جب اپنے ددھیال آئے تو ان کے دادا حکیم محمد نے نام محمد اسحٰق رکھا اور یہی معروف ہوا۔

تعلیم وتربیت:

تعلیم کا آغاز بہت چھوٹی عمر میں اپنے دادا حکیم محمد سے کیا جو انتہائی متقی، پرہیز گار، دیانت و ذہانت سے متصف، متدین انسان تھے۔ گھر میں پڑھنا شروع کیا ناظرہ قرآن مجید پڑھا آخری پارہ کی چند سورتیں یاد کیں۔ مولانا رحیم بخش کی کتاب جو چودہ حصوں پر مشتمل ہے ابتدائی چار حصے، حافظ محمد لکھوی کی انواع محمدی، زینت الاسلام اور احوال الاخرت ان سے پڑھیں۔ اس طرح شہاب الدین نامی پٹواری سے تختی پر لکھنے کی مشق کر لی، اس تعلیم سے انھیں اردو عبارت لکھنی پڑھنی آ گئی تو انھیں ۱۹۳۳ء میں جبکہ ان کی عمر آٹھ سال تھی سرکاری مڈل سکول کی چوتھی جماعت میں داخلہ مل گیا اور ۱۹۳۴ء میں پانچویں جماعت کر لی۔

مولانا عطاء اللہ حنیفؒ کی کوٹ کپورہ میں آمد:

مولانا عطاء اللہ حنیفؒ کے بڑے بھائی قاری حافظ محمد عبداللہ بھوجیانیؒ کوٹ کپورہ کی مسجد اہلحدیث کے امام تھے۔ اس لئے وہاں کی انجمن اصلاح المسلمین نے ۱۹۳۳ء کو مولانا

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

عطاء اللہ کو بطور خطیب اور مدرس بلا لیا۔ اس وقت حافظ عبداللہ بڈھیمالوی بھی کوٹ کپورہ کی ایک مسجد میں جو حاجی نورالدین کی مسجد کہلاتی تھی۔ درس نظامی کی تعلیم دیتے جو بھٹی صاحب کی والدہ کے خالہ زاد بھائی تھے۔ بھٹی صاحب کے والد انھیں جبکہ وہ چوتھی جماعت میں پڑھتے تھے، صبح صبح حافظ صاحب کے پاس لے گئے کہ سکول جانے سے پہلے اور واپسی پر شام تک ان کے پاس پڑھا کرو۔ اس وقت بھٹی صاحب کی والدہ کے ماموں زاد بھائی عبدالرشید بھی وہاں پڑھتے جو مولانا عبداللہ امجد چھتوی کے چچا ہیں۔

حافظ صاحب نے بھٹی صاحب کو فارسی قواعد کی ابتدائی کتاب فیوض نامہ شروع کرائی اور فرمایا مجھے قرآن مجید کے دو رکوع روزانہ سنایا کرو تھوڑے عرصہ کے بعد ان کے گھر کی قریب کی مسجد میں مولانا عطاء اللہ حنیف بھوجیانی آ گئے تو پھر وہاں جانا چھوڑ دیا۔ کیونکہ حافظ صاحب والی مسجد گھر سے دو ڈھائی فرلانگ کے فاصلہ پر تھی۔

بھوجیانی صاحب جنوری ۱۹۳۳ء میں کوٹ کپورہ آئے تھے جو فرید کوٹ ریاست کا ایک قصبہ تھا فرید کوٹ ریاست پنجاب کی آٹھ ریاستوں میں ایک تھی جو پنجاب کے قلب میں واقع تھی۔ بھٹی صاحب کے دادا، ان کو مولانا بھوجیانی کی خدمت میں لے گئے اور کہا اس کو پڑھا دیا کریں، مولانا بھوجیانی وہاں ۱۹۳۳ء سے ۱۹۳۶ء تک چار سال رہے اس دوران انھوں نے ترجمہ القرآن، رحمۃ للعالمین سنن نسائی، قدوری شرح نخبۃ الفکر، نور الانوار، شرح مائۃ عامل، ہدایۃ النحو، فصول اکبری، مقامات اور مرقاۃ کا درس لیا۔

۱۹۳۵ء میں ریاست فرید کوٹ کے نواب نے ایک مسجد پر قبضہ کر کے اسے شہر کی میونسپل کمیٹی کا دفتر بنا دیا اس واقعہ پر مسلمانوں کی طرف سے شدید احتجاج ہوا اور مولانا بھوجیانی نے کوٹ کپورہ کی جامع مسجد اہلحدیث کے خطیب کی حیثیت سے جمعہ کے خطبات میں والئی ریاست کے اس اقدام کو سخت تنقید کا نشانہ بنایا۔ جس پر حکومت نے انھیں گرفتار کر لیا اور انھیں جیل میں بند کر دیا۔ لیکن مسلمانوں کے شدید احتجاج کی بنا پر چار دن کے بعد ان کو رہا کرنا پڑا۔ لیکن اب ایسے حالات پیدا ہو گئے کہ ان کا وہاں رہنا بہت مشکل ہو گیا۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

۱۹۳۶ء کے آخری دنوں میں مولانا محمد علی لکھوی کوٹ کپورہ تشریف لائے اور انجمن اہل حدیث کے افراد وارکان سے گفتگو کی کہ اب مولانا بھوجیانی کا یہاں رہنا ممکن نہیں ہے اس لئے آپ اجازت دیں میں انھیں اپنے مرکز الاسلام لے جاؤں اور یہ مرکز لکھوکی سے کچھ فاصلہ پر بنایا گیا تھا۔ ان سے میرے بیٹے محی الدین اور معین الدین کسب فیض کریں گے۔ اور دوسرے طلبہ کو بھی استفادہ کا موقعہ میسر آئے گا، اراکین جمعیت (انجمن) نے اس شرط پر اجازت دے دی کہ ان کے دوشاگرد محمد اسحٰق اور محمد رفیق بھی ان کے ساتھ جائیں گے اس طرح یہ تینوں حضرات یکم جنوری ۱۹۳۷ء کو مرکز الاسلام پہنچ گئے۔

جب تک بھٹی صاحبؒ کوٹ کپورہ میں رہے تو ان کی دادی رمضان خاتون جن کو وہ انبو کا نام دیتے تھے ان کی والدہ سے کہتیں فاطمہ منڈا پڑھ کے آیا ہے۔ اس کو چھنے میں دودھ پلاؤ اور اس میں گھی اور کھانڈ بھی ڈال دو بھٹی صاحب کانسی کے چھنے میں بڑے مزے سے دودھ سے لطف اندوز ہوتے اور فراغت کے بعد ماں اور دادی سے لپٹ جاتے، ان کی دادی ان کے ہوش سنبھالنے سے پہلے ہی نابینا ہوگئی تھی، سردیوں کے موسم میں وہ سب بہن بھائیوں کو اپنے لحاف میں اپنے ساتھ سلاتیں اور اس دور کے رواج کے مطابق انھیں عجیب وغریب قصے اور کہانیاں سناتیں، وہ چونکہ انتہائی سستا زمانہ تھا دمڑی، دھیلہ کے پیسے کا سکہ رائج الوقت تھا ان کے والد جنہیں یہ میاں جی کہتے تھے سکول جاتے وقت انھیں ایک پیسہ دیتے تھے جس کی یہ دوقسطوں میں مختلف چیزیں خرید لیتے۔

۱۹۳۷ء میں جب یہ مرکز الاسلام چلے گئے اور وہاں مولانا محمد علی لکھوی کے دونوں بیٹوں کے ساتھ سنن نسائی کے درس میں شریک ہو گئے اس طرح دونوں بھائیوں کے ساتھ دوستانہ مراسم قائم ہو گئے اور وہاں ایک سال رہے اور مولانا بھوجیانی سے مختلف کتابیں پڑھیں۔ ۱۹۳۷ء کے آخر میں فیروز پور شہر کی جماعت اہلحدیث کے چند افراد مولانا محمد علی لکھوی کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ان سے درخواست کی فیروز پور ضلع کا مرکزی شہر ہے اور وہاں گنبداں والی مسجد جس کا کوئی مستقل خطیب نہیں ہے۔ اور نہ ہی کوئی دینی مدرسہ ہے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

فیروز پور چھاؤنی کی صورت حال بھی یہی ہے آپ از راہ کرم مولانا بھوجیانی کو وہاں جانے کی اجازت مرحمت فرمائیں تاکہ دونوں کام ہوسکیں اس طرح مولانا بھوجیانی ۱۹۳۸ء میں فیروز پور گنبداں والی مسجد تشریف لے آئے اور وہاں دارالحدیث نذیریہ کے نام سے مدرسہ شروع کیا جس کا افتتاح حافظ عبداللہ بڈھیمالوی نے کیا۔

ایک خواب اور اس کی تعبیر:

کوٹ کپورہ میں مولانا بھوجیانی سے حصول تعلیم کے دوران بھٹی صاحب کے ایک طالب علم ساتھی کو خواب آیا کہ بھٹی صاحب کنویں میں گر گئے ہیں اس کی تعبیر کوٹ کپورہ کے ایک انتہائی نیک بلکہ ولی اللہ حاجی نورالدین نے یہ بتائی کہ یہ بچہ تعلیم حاصل کرے گا اور ایسے ہی ہوا۔

مدرسہ دارالحدیث نذیریہ میں مولانا بھوجیانی سے ۱۹۳۸ء تا ۱۹۴۰ء تک تین سال میں مندرجہ ذیل کتب پڑھیں۔ کتب تفسیر میں جامع البیان اور تفسیر جلالین کا کچھ حصہ، کتب حدیث میں بلوغ المرام اور صحاح ستہ، کتب فقہ میں حنفی فقہ کی شرح الوقایہ اور کنز الدقائق، اصول فقہ میں نور الانوار اور توضیح تلویح، اصول حدیث میں مقدمہ ابن الصلاح، صرف ونحو میں کافیہ، شرح جامی، شافیہ، مراح الارواح اور زنجانی، ادب میں سبعہ معلقہ اور دیوان متنبی، علم المعانی والبیان میں مختصر المعانی اور مطول، علم العروض میں محیط الدئرہ، منطق میں شرح تہذیب قطبی، میر قطبی، سلم العلوم اور رسالہ میر زاہد فلسفہ میں ہدیہ سعیدیہ، علم الفرائض میں سراجی، علم المناظرہ میں رشیدیہ اور فنون کی بعض کتابیں مولانا محمد شفیع ہوشیاری اور مولانا ثناء اللہ ہوشیار پوری سے پڑھیں۔ مولانا ثناء اللہ کافی عرصہ جامعہ سلفیہ فیصل آباد میں استاد رہے اور یہیں ان کی وفات ہوئیں۔

ایک حادثہ فاجعہ:

۱۹۳۷ء میں جبکہ بھٹی صاحب مرکز الاسلام لکھوکے میں پڑھنے چلے گئے تو ان کی والدہ بیمار ہوگئیں مرض استسقا تھا بھٹی صاحب کے دادا خود حکیم تھے جڑی بوٹیوں سے ہر طرح علاج کیا مگر افاقہ نہ ہوا۔ اور وہ مئی ۱۹۳۷ء میں وفات پا گئیں۔ یہ چار بھائی بہن تھے سب سے بڑے بھٹی صاحب تھے جن کی عمر اس وقت بارہ سال تھی، ان سے چھوٹی بہن کی عمر نو

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سال، اس سے چھوٹی چھ سال اور چھوٹا بھائی محمد حسین بہت کم عمر تھا جسے فوت ہوئے عرصہ دراز گزر چکا ہے۔ دادا بوڑھا تھا اور دادی بوڑھی اور نابینا تھی۔ اور والد کی عمر چھتیس سنتیس سال تھی۔ اس لئے دادے کو بیٹے کی دوسری شادی کی فکر لاحق ہوئی تا کہ گھر کا نظم ونسق صحیح طور پر چل سکے۔ بچوں کی پرورش اور تربیت ہو سکے۔ ان کے دادا نے اپنے بھائی حکیم محمد رمضان سے اپنی خواہش کا اظہار کیا کہ وہ اپنی چھوٹی بیٹی آسیہ کا رشتہ دے کیونکہ خالہ ماں کی طرح ہی بچوں سے پیار ومحبت کرتی ہے۔ لیکن اس نے معذرت کی کہ میری بیٹی اپنے بھانجے، بھانجیوں کو سنبھال نہیں سکے گی۔

بھٹی صاحب کی ذہانت وفطانت:

بھٹی صاحب نے دادا سے درخواست کی کہ آپ مجھے نانا جان سے بات کرنے کی اجازت دیں اجازت ملنے کے بعد وہ اپنے نانا کے ہاں گئے اور ان سے انتہائی موثر انداز سے انتہائی مودبانہ طریقہ سے گفتگو کی کہ نانا جان آپ جانتے ہیں میں بڑا ہوں باہر ساتھیوں سے گھل مل کر وقت گذارلوں گا، لیکن بچیاں کیسے گذارہ کریں گی ان کو تکلیف اور پریشانی لاحق ہوگئی تو آپ ہی کو صدمہ ہوگا، اس لئے آپ دیکھ لیں یہ صدمہ برداشت کر لیں گے؟ اس طرح ان کے نانا رشتہ دینے کیلئے آمادہ ہو گئے کہ جس طرح بچہ کہتا ہے اسی طرح کرلو۔ اس طرح ۱۹۳۸ء میں ان کی خالہ آسیہ سے ان کے والد کی دوسری شادی ہوگئی اور گھر کے حالات استوار ہو گئے۔ ان کے دادا نماز فجر سے قبل مسجد میں جاتے اور بھٹی صاحب کو بھی جگا کر اپنے ساتھ لے جاتے۔ اور بسا اوقات فجر کی اذان بھٹی صاحب سے کہلواتے اس طرح بھٹی صاحب کو فجر سے پہلے جاگنے کی عادت پڑ گئی۔

گوجراں والا میں داخلہ:

۱۹۴۰ء میں مولانا عطاء اللہ حنیف بھوجیانی نے بھٹی صاحب کو گوجراں والا میں حضرت شیخ الشیوخ اور محدث العصر حافظ محمد گوندلوی اور حضرت علامہ مولانا محمد اسماعیل سلفی سے تحصیل علم کرنے کا مشورہ دیا اور حضرت سلفی کے نام رقعہ بھی دیا اس طرح وہ گوجراں والا آ گئے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اور مولانا محی الدین لکھوی بھی مزید علم کی پیاس بجھانے چلے آئے۔ اس طرح حضرت الاستاذ الشیخ الفاضل حافظ محمد گوندلوی صاحب سے دوبارہ صحیح بخاری، صحیح مسلم، ترمذی اور موطا امام مالک پڑھیں اور حضرت مولانا اسماعیل سلفی سے دوبارہ تفسیر بیضاوی اور تفسیر جلالین کا سبق لیا اور ان کے ساتھ حضرت شیخ الجلیل مولانا محی الدین لکھوی بھی شریک تھے۔ مولانا اسماعیل سلفی سے حماسہ، متنبّی، ہدایہ، میر قطبی وغیرہ بھی پڑھیں۔

ملازمت:

۱۹۴۲ء میں بھٹی صاحب درس نظامی کی تکمیل کر کے گھر واپس آ گئے تو ان کے محترم و مشفق چودھری برکت علی جو ہیڈ سلیمان کی میں بہ حیثیت اکاؤنٹس آفیسر خدمات سرانجام دیتے تھے، نے انھیں اپنے پاس بلا لیا اور کہا آج سے تم یہاں ملازم ہو اور دفتر میں بطور کلرک کام کرو گے، چودھری صاحب نے ان کے مزاج کے مطابق ایسی جگہ ڈیوٹی لگائی جہاں وہ پورے شوق و ذوق سے مطالعہ کا شغل جاری رکھ سکیں، اسی طرح ان کو مختلف موضوعات کی کتابوں کے مطالعہ کا وافر وقت میسر آ جاتا وہاں کی اونچے گنبد والی شان دار مسجد کے قریب ایک بہترین رہائش بھی مل گئی جہاں وہ پانچوں نمازوں کی امامت کرواتے اور جمعہ پڑھاتے اور نماز فجر کے بعد درس قرآن کا سلسلہ بھی شروع کر دیا۔ درس اور خطبہ جمعہ میں انھوں نے انتہائی مثبت انداز اختیار کیا جس سے نمازی بہت متاثر ہوئے اور ان کے کہے بغیر بہت سے نمازیوں نے رفع الیدین اور آمین بالجہر کہنا شروع کر دیا لیکن بھٹی صاحب وہاں بمشکل ایک سال ہی گزار سکے حالانکہ وہاں ان کا شوق مطالعہ بھی پورا ہو رہا تھا اور ہر طرح عزت و احترام بھی میسر تھا۔

دہلی آگرہ اور دیگر مقامات کی سیر و تفریح:

ملازمت چھوڑ کر بھٹی صاحب اپنے گھر چلے گئے۔ ان کی برادری کے بہت سے لوگ ٹرانسپورٹ کے شعبہ سے منسلک تھے اور آپ کے والد محترم کا تعلق بھی اس شعبہ سے تھا۔ لہٰذا بھٹی صاحب نے بھی یہی شعبہ اختیار کر لیا۔ محترم قاضی محمد اسلم سیفؒ کے پھوپھا حاجی محمد علی صاحب بھٹی صاحب کو اپنے ساتھ بس پر لے جاتے اس طرح چند دنوں کے بعد وہ

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اسٹیرنگ پر بیٹھ گئے اور ڈرائیور بن گئے اور چار ماہ تک ان کے ساتھ رہے اور ٹرک کی ڈرائیوری بھی آنے لگی۔ اس ڈرائیوری کے دوران مختلف علاقوں کی سیر وتفریح بھی کر لی۔ لیکن بعض لوگوں نے سمجھایا کہ تمہیں اتنا عرصہ تعلیم حاصل کرنے کا کیا فائدہ؟ یہ کام تو جاہل بھی کر لیتے ہیں تو انھوں نے یہ کام چھوڑ دیا۔ سیر وتفریح کی تفصیلات اپنی کتاب ''گزر گئی گزران'' کے ساتویں باب میں بیان کی ہیں۔

مرکز الاسلام میں تدریس کے فرائض:

یکم مارچ ۱۹۴۳ء میں اپنے استادمحترم مولانا عطاء اللہ حنیف بھوجیانی کو ملنے فیروز پور کی مسجد گنبداں والی میں گئے جہاں وہ خطابت وتدریس کے فرائض سرانجام دیتے تھے۔ وہ بھٹی صاحب کی صلاحیت واستعداد کے معترف اور شناسا تھے۔ اسی لئے انھوں نے فرمایا کہ اچھا ہوا تم آ گئے ہو کل ہی مولانا معین الدین تشریف لائے تھے۔ اور تمہارے بارے میں پوچھ رہے تھے فوراً مرکز الاسلام پہنچ جاؤ اور وہاں تدریس کا فریضہ سرانجام دو، لکھوی خاندان سے بھٹی صاحب کے بزرگوں کے عرصہ دراز سے عقیدت وارادت کے تعلقات تھے اور بھٹی صاحب بھی چونکہ ایک سال مرکز الاسلام میں تحصیل علم کیلئے گزار چکے تھے اس لئے مولانا معین الدین لکھویؒ سے دوستانہ روابط ومراسم تھے۔ اس لئے چند روز کے بعد مرکز الاسلام پہنچ گئے اور ۱۹۴۳ء سے ۱۹۴۷ء جولائی تک وہاں تدریس کے فرائض سرانجام دیتے رہے۔

شادی خانہ آبادی:

تدریس کے دوران ۱۹۴۵ء یا ۱۹۴۷ء میں ہوئی ان کی شادی بڈھیمال میں حضرت حافظ عبداللہ بڈھیمالوی کے چچا محی الدین کی لڑکی سے ہوئی جو محترم مولانا عبداللہ چھتوی حفظہ اللہ کے والد محترم مولوی عبدالعزیزؒ کی بیوی کی بہن تھی لہٰذا بھٹی صاحب مولانا چھتوی حفظہ اللہ تعالیٰ کے والد کے ہم زلف بن گئے اور مولانا صاحب کے خالو ٹھہرے۔ ہندوستان میں ان کے ہاں ایک بیٹی پیدا ہوئی جو اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے پوتوں اور نواسوں والی ہے۔

سیاست اور قید وبند:

بھٹی صاحب چونکہ حضرت مولانا ابوالکلام آزاد سے بہت متاثر تھے۔ ان کے ہفتہ وار

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

الہلال اور البلاغ کی فائلیں پڑھ چکے تھے اور ان کے علی پور جیل کے تحریری بیان، ''قول فیصل'' سے بہت متاثر ہوئے چوں کہ مولانا کانگریس کے صدر تھے اس لئے ابتدا میں بھٹی صاحب لباس اور ڈاڑھی کی تراش خراش میں انہی کی تقلید کرتے تھے۔ ان کے استاد مولانا بھوجیانی بھی کانگریسی تھے۔ اس سے بھٹی صاحب بھی کوٹ کپورہ کی سیاسی جماعت پرجامنڈل یعنی عوامی جماعت میں حصہ لینے لگے جس کے جنرل سیکرٹری ان کے عزیز قاضی عبیداللہ تھے۔ پھران کی جگہ یہ جنرل سیکرٹری بن گئے۔ اس طرح انھیں جیل کی یاترا کرنی پڑی۔

۱۴۔اگست ۱۹۴۷ء (۲۷۔رمضان المبارک ۱۳۶۶ھ) کو پاکستان کا قیام عمل میں آیا۔

بھٹی صاحب ۲۱۔ اگست کو اپنے ایک سوتیں عزیز و اقارب کے ساتھ صبح کوٹ کپورہ سے قصور روانہ ہوئے اور رات آٹھ بجے پہنچے ان لوگوں کے پاس نہ کوئی برتن تھا اور نہ کوئی اور چیز صرف وہ کپڑے تھے جو پہنے ہوئے تھے وہ مولانا محمد علی قصوری ایم اے کینٹب سے ملے ان سے اپنے حال احوال بیان کئے انھوں نے انھیں شہباز روڈ پر کتھونی والی حویلی جو دو منزلہ تھی اور بارہ تیرہ کمروں پر مشتمل تھی دے دی اور انھیں کھانے پینے کی ضروریات مہیا کیں، کچھ دنوں کے بعد یہ قصور سے لاہور آ گئے اور چار پانچ دن وہاں ٹھہرنے کے بعد جڑاں والا کے قریب چک نمبر ۵۳ گ ب منصور پور ڈھیسیاں آ گئے۔ اس طرح کوٹ کپورہ سے یہاں تک پہنچنے میں تقریباً ڈھائی ماہ لگ گئے۔

ایک عجیب واقعہ:

جب یہ لوگ لاہور سے جڑاں والا کیلئے روانہ ہوئے تو بھٹی صاحب کے والد کے پاس پانچ سو روپے تھے اور بھٹی صاحب کے پاس بیس روپے۔ بھٹی صاحب کے والد کی رقم کسی نے لاہور ریلوے اسٹیشن پر نکال لی، جس کی بنا پر انھیں نہایت مشکل حالات میں گزارہ کرنا پڑا۔

جمعہ کا خطبہ:

پاکستان آ کر بھٹی صاحب نے جمعہ کا خطبہ دینا شروع کیا۔ چونکہ یہ سب لوگ ایک شہر سے آئے تھے۔ سب ایک دوسرے سے شناسا تھے۔ لیکن بھٹی صاحب کا یہاں دل نہیں لگ

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

رہا تھا۔ ہر وقت بے چین رہتے تھے۔ ایک دن انھیں پتہ چلا کہ مولانا معین الدین لکھوی اپنے خاندان سمیت اوکاڑہ سے آ گئے ہیں۔

اوکاڑہ روانگی:

چوں کہ مولانا لکھوی سے دوستانہ مراسم تھے۔ اور اوکاڑہ شہر تھا، اس لئے بھٹی صاحب اوکاڑہ تشریف لے گئے اور کچھ دن وہاں رہنے کے بعد واپس اپنے گاؤں آ گئے۔

گاؤں واپسی کے بعد معمول:

انھوں نے حکومت کی طرف سے الاٹ کردہ زرعی زمین میں ایک کٹیا یا جھگی بنا لی اور وہاں چار پائی پر بستر بچھا لیا۔ وہاں قرآن مجید اور ہیر وارث شاہ رکھ لی۔ اپنے پرانے معمول کے مطابق صبح اٹھ کر قرآن مجید کی تلاوت کرتے، پھر تھوڑا بہت کھیت کا کام کرتے تھک جانے کے بعد یہ ہیر وارث شاہ سے دل بہلاتے، آمدنی کا کوئی ذریعہ نہ تھا، اس کے باوجود مطالعہ کا چسکا پورا کرنے کیلئے جڑاں والا سے دو آنے کا اخبار امروز منگوا کر اسے دو دن پڑھتے۔

برف کا کاروبار:

آمدنی کا کوئی ذریعہ نہ ہونے کی وجہ سے سخت پریشانی میں مبتلا ہو کر اپنے پھوپھی زاد عزیز احمد کے ساتھ مل کر جڑاں والا سے برف لا کر بیچنی شروع کر دی، بھٹی صاحب روزانہ سائیکل پر ایک من برف لاتے اور اس کو فروخت کرتے۔

گندم کا کاروبار:

بیس پچیس دن برف کا کاروبار کیا، پھر کسی نے یہ مشورہ دیا مختلف دیہات سے گندم لا کر گاؤں میں فروخت کی جائے تو زیادہ نفع حاصل ہو گا گدھے ایک دوست کے پاس تھے۔ اس طرح گندم کی خرید و فروخت میں کچھ عرصہ بھوسے کی خرید و فروخت میں گزار دیا اور یہ عسرت کا دور انتہائی خودداری حمیت اور غیرت سے بسر کیا۔ پھر گندم کی کٹائی کے موسم میں اپنی زرعی زمین سے وافر گندم میسر آ گئی اپنی ضرورت کی گندم گھر رکھ کر باقی جڑاں والا کی غلہ منڈی میں فروخت کر دی۔ اور اب اللہ تعالیٰ کی مہربانی سے حالات روز بروز بہتر ہونے لگے گویا

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بعد عُسر یسراً کی صورت حال پیدا ہوگئی۔

مرکزی جمعیت اہل حدیث سے وابستگی:

۲۴۔ جولائی ۱۹۴۱ء کو حضرت مولانا سید محمد داؤد غزنوی احمدؒ کی صدارت میں مغربی پاکستان کے تقریباً اڑھائی سو علماے کرام کا اجلاس ہوا جس میں مرکزی جمعیت اہل حدیث مغربی پاکستان کے قائم کرنے کا فیصلہ ہوا۔ اس اجلاس میں جن لوگوں کو ضلع لائل پور (موجودہ فیصل آباد) سے دعوت شرکت دی گئی، ان میں بھٹی صاحب بھی شریک تھے۔

لاہور روانگی:

اکتوبر ۱۹۴۸ء میں مولانا عطاء اللہ حنیف چک نمبر ۵۳ گ ب میں تشریف لائے اور بھٹی صاحب سے کہا، مجھے مولانا سید محمد داؤد غزنوی اور مولانا محمد اسماعیل سلفی نے بھیجا ہے کہ مغربی پاکستان کے مختلف مقامات کی جماعتوں سے خط و کتابت کے ذریعے رابطہ رکھنے کیلئے مرکزی جمعیت کے دفتر میں آفس سیکرٹری کی ضرورت ہے تاکہ جماعت کے نظم و نسق کو مربوط کیا جائے، اس سے جماعت مضبوط ہوگی، تم میرے ساتھ لاہور چلو۔ مولانا غزنوی اس سلسلہ میں بات کریں گے۔ اس طرح تیسرے دن رات کو وہ نئی منزل کی طرف روانہ ہوگئے اور ان کا کارروان حیات نئی منزل یعنی گاؤں سے نکل کر شہر میں داخل ہوگیا۔

مولانا سید محمد داؤد غزنویؒ کی خدمت میں حاضری:

جب بھٹی صاحب مولانا غزنوی کی خدمت میں حاضر ہوئے تو انھوں نے چند سوالات کیے بھٹی صاحب نے جوابات دیئے۔ مولانا بھوجیانی بھی موجود تھے۔ جب بھٹی صاحب اجازت لے کر کمرے سے نکلے تو غزنوی صاحب نے مولانا بھوجیانی سے فرمایا، معقول نوجوان ہے، محنت سے کام کرے گا۔ اسے بطور آفس سیکرٹری رکھ لینا چاہئے، اب مولانا بھوجیانی سید صاحب کے فرمان کے مطابق بھٹی صاحب کو مرکزی جمعیت کے ناظم اعلیٰ پروفیسر عبدالقیوم کے پاس لے گئے انھوں نے فرمایا میں ایک بجے کالج سے فارغ ہوکر آپ کے پاس جمعیت کے دفتر پہنچوں گا۔ چنانچہ وہ ایک بجے دفتر تشریف لائے۔ علیک سلیک اور

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

خیر و عافیت پوچھنے کے بعد دفتر کی تمام اشیاء بھٹی صاحب کے حوالے کر دیں اور نوے روپے تنخواہ مقرر ہوئی جو اس زمانے کے لحاظ سے بہت معقول اور مناسب تھی۔

کام کی رفتار:

بھٹی صاحب چند دن گھر رہ کر واپس آئے اور باقاعدہ کام شروع کر دیا۔ کام بہت محنت اور انہماک سے شروع کیا، تمام ذیلی جمعیتوں سے بذریعہ خط و کتابت رابطہ قائم کیا، سب لوگ ان کے طریق کار پر مطمئن تھے۔

مرکزی جمعیت کی پہلی کانفرنس:

۱۹۴۹ء میں مئی کے آخر میں لاہور میں ہوئی تو اس کیلئے بھٹی صاحب نے بہت بھاگ دوڑ کی۔ کچھ مدت کے بعد جمعیت کی رکن سازی کا مرحلہ پیش آ گیا، تو اس کے انتظامات اور نشر و اشاعت کیلئے بڑی تگ و دو کی۔ بھٹی صاحب نے یہ کام انتہائی خوش اسلوبی کے ساتھ نہایت سلیقے سے سرانجام دیا اور اس زمانے کی مختلف مقامات کی انجمنوں اور جمعیتوں سے مرکز کی طرف سے رابطہ رکھا۔ مرکزی جمعیت کے ابتدائی دور میں کام کی کثرت تھی اور جمعیت کے سربراہ بھی اونچے مرتبہ کے حامل لوگ تھے۔ جو کام کرنے والوں کی حوصلہ افزائی کرتے تھے اس لئے بھٹی صاحب ہمہ وقت مصروفیت میں رہ کر خوش رہتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ ہمیشہ کی مصروفیت ان کی عادت ثانیہ بن گئی جو زندگی کے آخری ایام تک برقرار رہی۔

ہفتہ وار الاعتصام سے وابستگی:

۱۹۔ اگست ۱۹۴۹ء کو گوجرانوالہ سے ہفت روزہ الاعتصام جاری ہوا۔ جس کا ڈیکلریشن مولانا عطاء اللہ حنیف نے لیا تھا۔ اس کا مدیر مولانا محمد حنیف ندوی کو مقرر کیا گیا اور اخراجات کی ذمہ داری گوجراں والا کی انجمن اہلحدیث نے قبول کی اور اخبار لاہور سے چھپتا تھا۔ چونکہ بھٹی صاحب میں لکھنے پڑھنے کا شوق و ولولہ ۱۹۳۷ء میں مرکز الاسلام میں مولانا عبدالحلیم شرر کے چند ناول اور مولانا ابوالکلام آزاد کی تحریریں پڑھنے سے پیدا ہو چکا تھا خاص کر ان کے مضمون ''قول فیصل'' جو ادب و انشاء اور معلومات کا شاہکار تھے۔ اس سے بہت

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

متاثر ہوئے تھے اس طرح مختلف قسم کی کتابوں اور اخبارات کے مطالعہ کا چسکا بھی پیدا ہو گیا تھا تو وہ الاعتصام میں کبھی کبھار لکھنے کا شوق پورا کر لیتے تھے۔ چار پانچ ماہ گزرنے کے بعد انھیں الاعتصام کا معاون مدیر بنا دیا گیا اس طرح فروری ۱۹۵۰ء سے چار دن گوجراں والا جانے لگے، اور تین دن لاہور میں نظامت دفتر کے فرائض سرانجام دیئے۔

کام کرنے کا سلیقہ:

جب گوجراں والا اخبار کے دفتر میں گئے تو وہاں نہ خریداری کیلئے رجسٹر تھا نہ ہی اخبارات و جرائد سے تبادلوں کا نہ ان لوگوں کا جن کو اخبار اعزازی طور پر بھیجا جاتا تھا۔ بھٹی صاحب نے دن رات محنت کر کے یہ تینوں رجسٹر الگ الگ بنائے اور سب کے نام اور پتوں کا اندراج کیا اور انھیں اخبار کے ایڈیٹر ندوی صاحب، ناظم اعلیٰ سلفی صاحب اور دفتر میں کام کرنے والے قاضی عبدالرحیم کو دکھایا۔ سب نے اس خدمت کی خوب تحسین فرمائی۔ اور بھٹی صاحب خاکروب، چپڑاسی، کلرک، مینجر، نائب مدیر اور مدیر سب عہدوں پر فائز تھے۔ بقول بھٹی صاحب، فرد واحد پورے دفتر پر قابض تھا۔ اور یہ تمام کام میرے لئے نہایت خوشی کا باعث تھے، نہ میں کام سے گھبراتا تھا نہ اکتاتا تھا۔ نہ تھکاوٹ کا احساس ہوتا تھا۔ مجھے کچھ سیکھنے کا لالچ تھا اور اس لالچ کا مجھ پر اتنا غلبہ تھا کہ جی چاہتا تھا میرے ایڈیٹر مولانا محمد حنیف ندوی اخبار کے چھوٹے بڑے ہر کام کی ذمہ داری مجھ پر ڈال دیں۔ خود کچھ نہ کریں۔ مجھے ہدایات دیتے رہیں اور میں ان کی ہدایات کے مطابق کام کرتا رہوں۔

مولانا ندوی اور بھٹی صاحب:

مولانا ندوی صاحب نے تحریری معاملہ میں بھٹی صاحب کی بہت رہنمائی کی اور انھیں بہت کچھ سکھایا۔ ندوی صاحب کے فرمان کے مطابق سید نواب صدیق حسنؒ کی کتاب "اتحاف النبلاء" سے متعدد محدثین وفقہاء کرام کے حالات فارسی سے اردو میں منتقل کئے مختلف اہل علم کے حالات بھی لکھنا اور چھاپنا شروع کئے۔ اداراتی شذرات بھی بنام اور بلا نام لکھے، مولانا ندوی بھٹی صاحب کا ہر چھوٹا بڑا مضمون دیکھتے اور ضروری ہدایات دیتے، اللہ تعالیٰ نے ان کو وافر علم

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سے نوازا تھا اور الفاظ کا بے پناہ ذخیرہ عطا فرمایا تھا۔ الفاظ کے محل استعمال سے خوب آگاہی بخشی تھی اور جو شخص ان سے کچھ سیکھنا چاہتا۔ اس کے ساتھ وہ نہایت ہمدردی سے پیش آتے تھے۔

نقد وتبصرہ:

بھٹی صاحب الاعتصام میں اپنے مضامین اور شذرات تو لکھتے تھے لیکن ابھی تک کسی رسالے یا کتاب پر تبصرہ نہ کیا تھا، تنقید وتبصرہ کا اپنا ایک الگ اسلوب اور انداز ہے اور یہ مستقل فن ہے جب پہلی دفعہ ایک ہندوستانی رسالہ ''الہدیٰ'' دربھنگا پر تبصرہ کرنا پڑا جو مسلک اہل حدیث کا ترجمان تھا۔ بھٹی صاحب نے بار بار تبصرہ لکھا اور پھاڑا اور آخر کار چار گھنٹوں کی محنت شاقہ سے پندرہ سولہ سطریں لکھیں اور مولانا سلفی اور مولانا ندوی کو دکھانے کے بعد انھیں چھاپا، اس طرح انھیں اس کام کا ڈھنگ اور انداز آ گیا اور قلم رواں ہو گیا۔

اہل علم وفضل اور اصحاب خطبہ وتدریس کے لیے ایک انتہائی عبرت انگیز تبصرہ:

مولانا مسعود عالم ندوی جو عربی زبان کے انتہائی فاضل ادیب تھے۔ گوجراں والا میں انھوں نے دارالعروبہ کے نام سے عربی پڑھانے کیلئے ایک ادارہ قائم کر رکھا تھا۔ وہ مولانا محمد حنیف ندوی کے دیرینہ دوست تھے۔ ظہر اور عصر کی نماز عام طور پر جامع مسجد اہل حدیث میں پڑھتے تھے، اور بھٹی صاحب پر بزرگانہ شفقت کا اظہار کرتے تھے، انھوں نے ایک مرتبہ اسلامی ممالک کا دورہ کیا اور اس دورے کے تاثرات ''دیار عرب میں'' کے نام سے شائع کئے۔ دیار عرب کے طویل سفر میں انھیں سب سے زیادہ پذیرائی سعودی عرب میں ملی۔ اہل علم کے علاوہ اصحاب اقتدار نے بھی انھیں احترام کا مستحق جانا۔ لیکن انھوں نے سعودی عرب اور وہاں کی حکومت کو تنقید کا نشانہ بنایا۔ بھٹی صاحب نے فاضل مصنف کے حسن تحریر کا تذکرہ کیا۔ ان کی تصنیفی خدمات کو اجاگر کیا اور ان کی علمی سرگرمیوں کی تفصیل بیان کی زیر تبصرہ کتاب کے مشمولات کی وضاحت کی اس کے بعد مصنف کو بتا کر اور اجازت لے کر سعودی عرب کے بارے میں انھوں نے جو لکھا تھا۔ اس کی نشان دہی کی لیکن مولانا کے خلاف کچھ نہ لکھا نہ ان پر تنقید کی، صرف اتنا لکھا کہ جن لوگوں نے ان کی سب سے زیادہ

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

پذیرائی کی اور ان کو احترام دیا انھوں نے انہی کو ہدف تنقید بنایا۔ محترم مصنف یہ تبصرہ پڑھ کر بہت خوش ہوئے اور تبصرہ کو صحیح قرار دیا لیکن چند دن بعد ان کا رویہ بگڑ گیا اور بے رحمی اور عدم توجہی کا مظاہرہ شروع ہو گیا۔ یہ ۱۹۵۰ء کی بات ہے بعد میں یہ عقدہ کھلا کہ جماعت اسلامی کے دفتر اچھرہ کے کسی عہدہ دار نے انھیں بھڑکایا۔ اب بھٹی صاحب نے ایک دن نماز کے بعد حسب معمول سلام کیا اور انھوں نے بے دلی سے جواب دیا تو بھٹی صاحب نے آگے بڑھ کر ادب سے عرض کیا مجھے مصنفوں اور مقالہ نگاروں کی نفسیات کا علم نہیں۔ لیکن میرے خیال میں کتاب جب چھپ کر قاری تک پہنچ جاتی ہے تو اس کے متعلق قاری کو اپنی رائے ظاہر کرنے کا حق حاصل ہو جاتا ہے۔ پھر اگر خود مصنف کسی کو تبصرے کیلئے کتاب دے تو تبصرہ نگار کو اس پر مصنف کی طرف سے اظہار رائے کی باقاعدہ سند مل جاتی ہے۔ اس کے ساتھ ہی یہ عرض کرنے کی اجازت چاہتا ہوں کہ اگر مصنف کسی پر تنقید اور اظہار رائے کا حق رکھتا ہے تو اسے بھی اپنی کسی تحریر اور تحقیق پر کسی اور کی طرف سے اظہار رائے کا خوش دلی سے سامنا کرنا چاہئے۔ یہ تو انصاف نہیں کہ مصنف خود تو جس پر جی چاہے اور جس انداز سے چاہے تنقید کرے لیکن کسی سلسلے پر اس کے متعلق کچھ کہا جائے تو خفگی کا اظہار کرنے لگے۔ یہ لینے اور دینے کے دو پیمانے آخر کیوں؟ مصنف کو کمزور دل نہیں ہونا چاہئے۔ اس میں قوت برداشت ہونی چاہئے۔

لیکن آج کا سکہ رائج الوقت یہ دوہرا معیار ہی ہے ہر کوئی دوسرے پر نقد و تبصرہ کرتا ہے لیکن اپنے اندر قوت برداشت نہیں رکھتا۔ اس پر مولانا ندوی مسکرائے اور بھٹی صاحب سے بغل گیر ہوئے اور اعتراف حقیقت کرتے ہوئے فرمایا: تم نے بالکل ٹھیک بات کی۔ پھر پہلے والا رویہ بحال ہو گیا۔

الاعتصام کی توسیع اشاعت کے سلسلہ میں تگ و دو:

جون ۱۹۵۰ء میں مولانا سلفی اور مولانا ندوی کے حکم پر الاعتصام کی اشاعت کی توسیع کیلئے جنوبی پنجاب کے مختلف علاقوں کی موثر شخصیات سے جون کے مہینے کی شدید گرمی کے موسم میں رابطے کئے اور کئی سو سالانہ خریدار بنائے۔ یہ اس دور کی بات ہے جب سڑکوں کا

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

دور دور تک نام ونشان نہ تھا بلکہ تصور بھی نہ تھا۔ اس وقت کچے راستوں پر پیدل چلنا پڑتا تھا۔ پھر جنوبی پنجاب کے علاقوں کے علاوہ بہت سے دوسرے شہروں کا بھی سفر کیا اور حسن نیت اور اخلاص کی دولت کے باعث جہاں بھی گئے اللہ تعالیٰ نے کامیابی سے نوازا۔

نائب مدیر سے مدیر:

ڈاکٹر خلیفہ عبدالحکیم نے حکومت کی اعانت سے لاہور میں کلب روڈ پر ادارہ ثقافت اسلامیہ کے نام سے ایک تحقیقی ادارہ قائم کیا تھا۔ ۱۵ مئی ۱۹۵۱ء کو مولانا محمد حنیف ندوی ریسرچ فیلو کی حیثیت سے ادارہ ثقافت اسلامیہ سے وابستہ ہو گئے، تو ادارے سے وابستگی کے بعد وہ کچھ عرصہ تک الاعتصام کے مدیر بھی رہے نیز الاعتصام کا ڈیکلیریشن بھی گوجراں والا سے ختم کر کے لاہور کا لے لیا گیا تھا اور بھٹی صاحب کو اس کا مدیر بنا دیا گیا۔ اس طرح ان کی خدمات کا دائرہ وسیع ہو گیا اور ذمہ داریاں بڑھ گئیں مضامین کے لیے اہل علم سے رابطہ رکھنا، اشاعت کیلئے اخبار کی پالیسی کے مطابق ان میں ردوبدل کرنا، اور زبان کی تصحیح کرنا، اداریہ لکھنا، ادارتی شذرات لکھنا، کتابوں پر تبصرے کرنا، سیاسی نقطہ نظر سے جماعت کی پالیسی کی وضاحت کرنا، اپنے مسلک کی اشاعت کیلئے کوشاں رہنا اور کسی سلسلے میں دوسروں سے اختلاف یا اتفاق کے دائرے کا تعین کرنا اور قلم کو ان حدود کے اندر رکھنا یہ سب انتہائی اہم امور تھے۔ جن کو بھٹی صاحب کو پیش نگاہ رکھنا پڑتا تھا۔ یہ سب کام بھٹی صاحب اکیلے سرانجام دیتے تھے۔ ان فرائض کی ادائیگی میں کوئی ان کا معاون نہ تھا۔ کام کی کثرت کے باوجود وہ یہ سب امور انتہائی مسرت سے سرانجام دیتے تھے۔ پندرہ سال سے کچھ زیادہ عرصہ وہ الاعتصام کے مدیر رہے۔ اس عرصہ میں ہر فقہی مسلک اور ہر نقطہ نظر کے اصحاب علم سے میل جول کے مواقع میسر آئے اور بہت سے لوگوں سے مسلکی اور سیاسی بحثیں ہوئیں لیکن بحث وتمحیص میں انھوں نے کبھی راہ اعتدال کو نہیں چھوڑا، ذہن وفکر کا رجحان ہمیشہ ایسا رہا کہ جس سے بھی بحث ہوئی اس کا احترام ملحوظ خاطر رکھا اور اسے عالم ثابت کرنے کی کوشش کی، کیونکہ جن لوگوں سے انھوں نے تربیت لی تھی یعنی مولانا عطاء اللہ حنیف، مولانا محمد حنیف

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ندوی، مولانا سید داؤد غزنوی، مولانا سلفی رحمہم اللہ اجمعین یہ حضرات جب کسی کے متعلق اظہار رائے کرتے تو اس کے مقام و مرتبہ کو ملحوظ خاطر رکھتے تھے لیکن آج عجیب دور آ گیا ہے کہ رسائل و جرائد اور اخبارات اور زبانی بیانوں میں نہ سیاست دان اپنے سے اختلاف کرنے والوں کا احترام کرتے ہیں اور نہ ہی مجموعی طور پر دینی اور مذہبی علماے کرام اسے کوئی اہمیت دیتے ہیں۔ زبان اور قلم کا انتہائی بے رحمی اور بے دردی سے استعمال کرتے ہیں۔

الاعتصام کے خصوصی نمبر:

بھٹی صاحب کے زمانہ ادارت میں الاعتصام کے کئی خاص نمبر چھپے جن میں ایک حجیت حدیث نمبر ہے جو بڑے سائز کے ایک سو صفحات پر مشتمل تھا، حجیت حدیث نہایت نازک اور اہم موضوع ہے یہ بھی بھٹی صاحب نے ترتیب دیا۔ بہت سے اصحاب سے مضامین لیے اور ہر مضمون کے آغاز پر فاضل مضمون نگار کا تعارف کروایا یہ نمبر فروری ۱۹۵۶ء میں شائع ہوا۔ اس کے چودہ ماہ بعد مئی ۱۹۵۷ء میں ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کی مناسبت سے ''۱۸۵۷ء نمبر'' شائع کیا جو خاصہ ضخیم تھا۔ جو برصغیر کے متعدد اہل علم کے مضامین پر محیط تھا۔ اور اکیلے بھٹی صاحب نے مرتب کیا تھا جس کی اخبارات میں بہت تحسین کی گئی تھی۔

الاعتصام سے علیحدگی:

دسمبر ۱۹۴۹ء تا ۱۹۶۳ء تک بھٹی صاحب کا واسطہ حضرت سید غزنوی کے ساتھ رہا۔ ۱۶۔دسمبر ۱۹۶۳ء کو ان کا انتقال ہو گیا تو حالات بدل گئے۔ بھٹی صاحب کے اخبار کی انتظامیہ سے حالات کشیدہ ہو گئے۔ آہستہ آہستہ حالات شدت اختیار کرتے گئے تو بھٹی صاحب نے ۳۔مئی ۱۹۶۵ء کو الاعتصام کی ادارت سے استعفیٰ دے دیا۔ مجموعی طور پر وہ تقریباً سترہ سال الاعتصام سے منسلک رہے چونکہ انھوں نے الاعتصام کے ابتدائی دور سے لے کر اپنے زمانہ ادارت کے اختتام تک اس کیلئے بڑی تگ و دو کی تھی۔ اس لئے مستعفی ہونے کے بعد بھی یہ اخبار ان کے دل کی گہرائیوں میں راسخ رہا۔ کیونکہ ان کے بقول انھوں نے اسی اخبار میں قلم پکڑنا سیکھا اور یہ ان کی اولین درس گاہ تھا۔ اس لئے وہ اس کو اپنا بڑا محسن سمجھتے تھے۔ اب تو یہ اخبار ان کے محسن

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

استاد مولانا عطاء اللہ حنیف بھوجیانی کے لختِ جگر حافظ احمد شاکر حفظہ اللہ کی ادارت میں آ چکا ہے۔ اور وہی اس کے مالک ہیں۔ اس لئے بھٹی صاحب اس کی مجلس ادارت کے اہم رکن تھے.....

سہ روزہ منہاج:

جنوری ۱۹۵۸ء میں چند دوستوں کے ساتھ مل کر بھٹی صاحب نے سہ روزہ منہاج کا تجربہ کیا جو کامیاب نہ ہو سکا۔ اپریل ۱۹۵۹ء کو وہ بند ہو گیا اتنا عرصہ وہ الاعتصام کی ادارت سے علیحدہ رہے اور پھر واپس آ گئے۔

جولائی ۱۹۶۵ء میں الاعتصام کی ادارت سے استعفیٰ کے بعد بھٹی صاحب نے مولانا سید داؤد غزنوی کے گرامی قدر صاحبزادہ پروفیسر سید ابو بکر غزنوی کے ساتھ مل کر لاہور سے ہفت روزہ توحید جاری کیا، لیکن ڈھائی ماہ کے دوران ہی حالات نے ایسا رخ اختیار کیا کہ ستمبر ۱۹۶۵ء کو انھوں نے اس اخبار سے علیحدگی اختیار کر لی۔ ادارت کے دوران بھٹی صاحب کئی سال تک روزنامہ ''امروز'' میں مضمون نویسی اور کالم نگاری کرتے رہے اسی طرح مجیب الرحمٰن شامی صاحب کے زیر ادارت شائع ہونے والے ماہنامہ ''قومی ڈائجسٹ'' میں ایک عرصہ تک شخصیات پر لکھتے رہے اور کچھ عرصہ روزنامہ پاکستان میں بھی لکھا۔

ادارہ ثقافت اسلامیہ سے انسلاک:

۲۰۔اکتوبر ۱۹۶۵ء کو مولانا محمد حنیف ندوی، مولانا محمد رئیس احمد اور اسماعیل ضیاء بھٹی صاحب کے گھر آئے لیکن وہ گھر پر موجود نہ تھے۔ ان کے چھوٹے بھائی سعید احمد جو ایک سکول کے طالب علم تھے گھر پر موجود اور ان کی دوسری اہلیہ جو ان کے سگے ماموں میاں عبدالغنی کی صاحبزادی تھی چند دن کیلئے گاؤں گئی ہوئیں تھیں۔ اس لئے یہ حضرات گھر پر نہیں ٹھہرے۔ کھڑے کھڑے یہ کہہ کر چلے گئے کہ کل سے آپ کے بھائی ادارہ ثقافت اسلامیہ میں ملازم ہو گئے ہیں۔ ان سے کہیں کہ کل نو بجے صبح آپ رئیس احمد جعفری سے ان کے گھر مل لیں۔ اس طرح بغیر ان کی رغبت و چاہت اور بلا کسی درخواست کے گھر پر بیٹھے بیٹھے ۲۱۔اکتوبر ۱۹۶۵ء سے ادارہ کے ریسرچ فیلو بن گئے۔ یہ ایوب خاں کا دور حکومت تھا۔ وزیر قانون ایس ایم ظفر

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تھے اور اس نے ادارہ ثقافت اسلامیہ کے ماتحت ایک لیگل کمیٹی بنائی تھی جس کا مقصد قانونی نوعیت کے بعض اسلامی مسائل پر غور کرنا تھا۔ جس کے چیئرمین شاہ محمد جعفر پھلواری تھے اور دو ارکان تھے۔ ادارہ کے اکیڈمک ڈائریکٹر میاں محمد شریف تھے۔ جو ایک طویل عرصہ تک علی گڑھ یونیورسٹی میں فلسفے کے پروفیسر اور صدر شعبہ رہے تھے۔ انھوں نے بھٹی صاحب سے کہا ہمیں لیگل کمیٹی کیلئے ایک رکن کی ضرورت تھی۔ میں نے اس کا تذکرہ اپنے رفقائے کار مولانا محمد حنیف ندوی، شاہ محمد جعفر پھلواری اور رئیس احمد جعفری سے کیا تو ان سب نے آپ کا نام لیا۔ آپ میری گذارش قبول فرمائیں۔ میں آپ کا شکر گزار ہوں کہ چونکہ یہ علمی کام تھا اور بھٹی صاحب کے ذوق کے مطابق تھا۔ اس لئے انھوں نے شوق سے قبول کر لیا۔ تو میاں صاحب نے شکریہ کے ساتھ دفتر کے ہیڈ کلرک کو بلا کر پروانہ تقرری دے دیا۔ اس طرح ۲۱۔ اکتوبر ۱۹۶۵ء کو ادارہ میں ان کی تقرری ہوئی۔ لیگل کمیٹی کے رکن کی حیثیت سے انھیں بہت فائدہ پہنچا۔ لائبریری اس وقت تقریباً چودہ ہزار کتابوں پر مشتمل تھی تفسیر، حدیث، فقہ، تاریخ ادبیات اور لغت وغیرہ کی تمام کتب موجود تھیں۔ بھٹی صاحب نے تمام سے استفادہ کیا اور انھیں لائبریری سے اس قدر تعلق اور انس پیدا ہو گیا کہ اتنی کتابوں میں سے کوئی ریکارڈ دیکھے بغیر اپنی ضرورت کی کتاب الماری سے نکال لیتے اور دوسرے ساتھیوں کو بھی اس تعلق اور انس کا علم تھا۔ مولانا محمد حنیف ندوی، رئیس احمد جعفری، شاہ محمد جعفر پھلواری اپنی دلچسپی کے موضوع کی کتاب لانے کا بھٹی صاحب کو کہتے۔ اور وہ نہ صرف متعلقہ کتاب بڑی مسرت سے لا کر دیتے بلکہ موضوع کی اصل عبارت بھی نکال کر دیتے۔ ظاہر ہے اس سے انھیں فائدہ پہنچتا اور ان کی معلومات میں اضافہ ہوتا۔ اس طرح ان کی علمیت کے جواہر حقیقت میں یہیں آ کر کھلے اور ان کے اشہب نے خوب چوکڑیاں بھریں اور ان کے عطر بیز قلم سے بے شمار کتابیں نکلیں، آغاز الفہرست ابن ندیم کے ترجمہ اور علمی حواشی اور تعلیقات سے ہوا۔

مجلّہ ثقافت سے المعارف تک:

بھٹی صاحب جب ادارے سے وابستہ ہوئے اس وقت (اکتوبر ۱۹۶۵ء) اس کا مجلّہ

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ثقافت کے نام سے شائع ہوتا تھا۔ جس کے ایڈیٹر رئیس احمد جعفری تھے۔ ۱۹۶۷ء میں اس کا نام ادارے کے ڈائریکٹر شیخ محمد اکرام کی تجویز سے المعارف رکھا گیا اس کے مختلف ایڈیٹر رہے۔ پھر بھٹی صاحب کو اس کا ایڈیٹر بنا دیا گیا اور ایڈیٹری کی مدت بائیس سال پر مشتمل ہے وہ پہلے ثقافت اور المعارف میں مضمون لکھتے رہے اور اب مضامین کے ساتھ اداریہ، کتابوں پر تبصرہ اور ایک حدیث کے عنوان سے ہر ماہ ایک مضمون باقاعدگی سے لکھنا شروع کر دیا۔ اس طرح المعارف میں چھپنے والے خالص تحقیقی مقالات کم از کم تین ہزار صفحات پر مشتمل ہوں گے۔

المعارف جنوری ۱۹۶۸ء کو جاری ہوا۔ اور اس کا پہلا شمارہ بیس سالہ نمبر تھا۔ کیوں کہ پاکستان کو بنے ہوئے بیس سال ہو گئے۔ اس کیلئے مضامین جمع کرنا، مقالہ نگاروں سے رابطہ کرنا، اور اس شمارے کو مرتب کرنے کی ذمہ داری بھٹی صاحب کے سپرد تھی جو اس بات کی بین دلیل ہے کہ ڈائریکٹر شیخ محمد اکرام اور دوسرے احباب کو آپ کی صلاحیتوں اور قوت کار پر مکمل اعتماد تھا اور بھٹی صاحب نے یہ شمارہ نہایت محنت سے مرتب کیا اور محنت کرنا ان کی عادت ثانیہ تھی۔

اس کے علاوہ پانچ کتابوں کی ایڈیٹنگ کی جو ادارہ کی طرف سے شائع ہوئیں سب کے شروع میں وقیع مقدمات تحریر کیے اور بھٹی صاحب کے دور میں ادارہ کے چھ ڈائریکٹر بنے اور آپ نے سب کے دور میں بطور ریسرچ فیلو تصنیفی خدمات سرانجام دیں اور ان سب کے ساتھ ان کے تعلقات نہایت خوش گوار رہے۔ اس طرح ادارے میں جن سکالروں اور مصنفوں کے ساتھ تصنیفی خدمات سرانجام دیتے رہے سب کے ساتھ اچھے مراسم رہے۔

ادارہ ثقافت اسلامیہ سے علیحدگی:

اس ادارے میں بھٹی صاحب نے تیس سال بہت سے علمی اور تحقیقی کام مکمل کیے اور آخر کار ۱۶۔ مارچ ۱۹۹۶ء کو ادارے سے علیحدگی اختیار کر لی۔

ادارے سے علیحدگی کے بعد بھی اللہ کے فضل و کرم سے بھٹی صاحب کا سیال قلم بڑھاپے کے باوجود جواں سال رہا اور انھوں نے بے شمار تحریری کام کیے۔ ادارہ ثقافت اسلامیہ کی ملازمت کے دوران مختلف روزناموں اور ماہناموں میں لکھتے رہے۔ ۱۹۷۸ء میں سیرت کمیٹی

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بنائی گئی تو اس کا رکن بھی انھیں بنایا گیا سیرت کے طریق تعلیم کے لیے ہر رکن کو اپنی تحریری رپورٹ پیش کرنی تھی۔ بھٹی صاحب نے اپنی تفصیلی رپورٹ مقررہ مدت کے اندر کمیٹی کے صدر ڈاکٹر سید عبداللہ کو پیش کر دی۔ تو ڈاکٹر صاحب نے کمیٹی کے اجلاس میں اس رپورٹ کا خصوصی طور پر تذکرہ کیا اور انتہائی تعریفی کلمات کہے جو بھٹی صاحب کیلئے انتہائی حوصلہ افزا تھے۔

اسی دوران ۸۸۔۱۹۸۷ء میں گیارہ ماہ ہفتہ روزہ اہلحدیث کی ادارت کا فریضہ سرانجام دیا اور اخبار کا اڑھائی سو صفحات کا ''حرمین شریفین نمبر'' ترتیب دیا جو متعدد مشہور اہل قلم کے مضامین کا ایسا تحقیقی اور تاریخی دستاویز پر مبنی مجموعہ ہے جس کی مثال ملنا مشکل ہے۔

ریڈیو اور ٹیلی ویژن پر تقریریں:

ریڈیو پاکستان پر پہلی تقریر یکم رمضان ۱۳۸۵ھ بمطابق ۲۵۔دسمبر ۱۹۶۰ء کو ہوئی۔ سحری کے پروگرام کے تین منٹ کے دورانیہ میں جمعۃ المبارک کو ہوئی۔ اس کے بعد ریڈیو کی تقریروں کا طویل سلسلہ چلا۔ ایک ایک دن میں تین تین تقریریں ہوئیں کبھی پنجابی کی سوہنی دھرتی کا پروگرام، کبھی صراط مستقیم، کبھی آیات بینات، کبھی فوجی بھائیوں کا پروگرام کبھی کتابوں پر تبصرے، کبھی کسی صحابی رسول ﷺ کے حالات، کبھی کسی مذاکرے میں شمولیت، ان تقریروں کا سلسلہ ۱۹۹۷ء کے آخر تک جاری رہا۔ اس کے بعد بھٹی صاحب نے معذرت کر لی۔

ریڈیو پروگرام کے بارے میں تین باتیں خصوصی طور پر قابل ذکر ہیں:

۱۔ ایک مرتبہ ریڈیو پاکستان لاہور کی طرف سے ہفتہ حدیث منایا گیا اس کیلئے ارباب انتظام نے مختلف سات موضوعات کا انتخاب کیا اور اس کیلئے سات مقرر منتخب کئے گئے۔ ہر تقریر کا دورانیہ ۳۵ منٹ تھا بھٹی کا موضوع حدیث اور اسماء الرجال تھا۔ بھٹی صاحب نے کہا میں اپنی بات ۳۵ منٹ میں مکمل نہیں کر سکتا تو پروڈیوسر نے کہا کہ آپ زیادہ وقت لے لیں تو بھٹی صاحب نے ایک گھنٹہ تقریر کی جو متعدد بار ریڈیو سے نشر ہوتی رہی۔

۲۔ ایک مرتبہ ربیع الاول کے مہینہ میں ریڈیو پاکستان کی فرمائش پر علامہ قاضی محمد سلیمان منصور پوری کی تصنیف رحمۃ اللعالمین کی تین جلدوں کی تلخیص پندرہ دنوں میں پیش کی

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہر روز کا دورانیہ پندرہ منٹ تھا۔ پھر یہ تلخیص ربیع الاول کے مہینہ میں کئی سال نشر ہوتی رہی۔ پھر کچھ عرصہ اس طرح کی تلخیص ریڈیو کے پروگرام میں پنجابی زبان میں بیان کی۔

۳۔ ایک مرتبہ ریڈیو پاکستان سے ''زندہ تابندہ'' کے عنوان سے ایک پروگرام شروع ہوا جس میں فوت شدہ اہل علم کے علمی، عملی، تدریسی اور تصنیفی کارنامے بیان کئے جاتے۔ جن کی وجہ سے وہ ہمیشہ زندہ رہیں گے ریڈیو کے اصحاب انتظام نے کہا۔ آپ اس عنوان پر ہر ماہ پندرہ شخصیات کے حالات بیان کیا کریں۔ انھوں نے اپنی تصنیفی مصروفیات کی وجہ سے اس سے معذرت کی۔ ریڈیو والوں کے اصرار پر یہ سلسلہ شروع کیا اور ریڈیو پر ۴۵ علماے کرام پر تقریریں کیں۔ جن کا تعلق برصغیر کے علمائے اہل حدیث سے تھا۔ ریڈیو پر دیوبندی، بریلوی، شیعہ اہل علم کے کوائف حیات تو بیان ہوتے تھے لیکن اہل حدیث اہل علم کا اس کثرت سے تذکرہ پہلی دفعہ ہوا۔

ٹیلی ویژن پر پہلا پروگرام:

۲۷۔ جولائی ۱۹۷۳ء میں ہوا اور یہ بصیرت کے نام سے تھا جس کا دورانیہ پانچ منٹ تھا۔ اس کے بعد مختلف موضوعات پر بہت سے پروگرام کئے بھٹی صاحب نے اپنی تحریروں، ریڈیو اور ٹیلی ویژن پروگراموں میں ہمیشہ اپنے مسلک کو ملحوظ خاطر رکھا اور کبھی بھی مداہنت سے کام لیتے ہوئے لچک نہیں دکھائی، پوری جرات وبسالت سے اپنے اہل حدیث ہونے کا تذکرہ کیا بھٹی صاحب نے اپنی تحریری خدمات کی تلخیص کرتے ہوئے لکھا:

۱۔ تصانیف وتراجم

۲۔ اخباری مضامین ومقالات

۳۔ اخباری اداریے اور شذرات

۴۔ بے شمار کتابوں پر تبصرہ

۵۔ بہت سی کتابوں پر مقدمات

۶۔ ریڈیو اور ٹی وی، پر تقریریں

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تصنیف و تالیف اور اخبارات و جرائد کے مضامین و مقالات کے علاوہ بے شمار طلبہ اور طالبات کو ایم۔ اے، ایم فل اور پی ایچ ڈی کے مقالات لکھنے میں مدد دی۔ بھٹی صاحب نے اپنے ساٹھ سال سے زائد عرصہ سے قلم و قرطاس کے شعبے سے تعلق کا خلاصہ یوں بیان کیا ہے ۔میں نے پندرہ سال ہفتہ روزہ الاعتصام پر خدمت ادارت سرانجام دی۔ بتیس سال ادارہ ثقافت اسلامیہ میں تصنیف و تالیف میں مصروف رہا۔ متعدد جماعتی اور غیر جماعتی رسائل و جرائد میں لکھا۔ طویل عرصے تک اپنے دور کے مشہور اخبار روزنامہ امروز میں کالم نگاری اور مضمون نویسی کی لیکن اس طویل مدت میں ایک لفظ بھی میں نے کسی اہل حدیث عالم یا مصنف کے خلاف نہیں لکھا کبھی کسی صاحب علم اہل حدیث پر تنقید نہیں کی۔ میرے قلم کی تربیت اور طرز نگارش کی پرورش اللہ کے فضل سے ایسے ماحول میں ہوئی ہے کہ اپنی جماعت کے کسی عالم اور مصنف کی مخالفت وتنقید کے مکروہ فعل میں نہ کبھی ملوث ہوا اور نہ ان شاء اللہ ہوگا۔ بعض اوقات البتہ لطیفے ہو جاتے ہیں اور لطیفہ بیانی ہر صاحب ذوق کی ذہنی غذا ہے لطیفے کو لطیفہ ہی سمجھنا چاہئے۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ اگر کسی غیر اہل حدیث نے میرے مسلک، میری جماعت یا میری جماعت کے کسی عالم کو ہدف تنقید ٹھہرایا یا کسی اسلوب پر نشانہ طنز کیا تو میں نے اسے ہرگز معاف نہیں کیا ایسے موقع پر خاموش رہنا میری ذہنی افتاد اور میرے قلم کی فطرت کے خلاف ہے۔ لیکن یہاں بھی میں نے اپنے مخاطب کا پورا احترام کیا اور اس کے علم و تحقیق کے ہر پہلو کو ملحوظ رکھا''۔

بھٹی صاحب نے ہمیشہ اپنے لکھنے پڑھنے کے مشاغل کو ہر کام پر ترجیح دی۔ ایک مرتبہ ان سے پوچھے بغیر ہائی کورٹ کے ایک دوست جج نے ان کا نام عدالت کے مشیر کے طور پر لکھا اور اس کی تقرری کی اطلاع ان تک پہنچ گئی۔ پھر تھوڑی دیر بعد جج صاحب کا ٹیلی فون بھی آ گیا۔ بھٹی صاحب نے اس کرم نوازی پر شکریہ ادا کیا اور کہا میں تصنیف و تالیف کے کاموں میں مصروف ہوں اور وہ کسی اور کام کی طرف توجہ نہیں ہونے دیتے انھوں نے سمجھانے کی بہت کوشش کی۔ اور یہ بھی کہا یہ آمدنی کا ایک ذریعہ ہے لیکن بھٹی صاحب نے متعلقہ دفتر میں شکریہ کا خط لکھ کر معذرت کر لی۔ اسی طرح ایک دفعہ اسلامی نظریاتی کونسل کے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

چیئرمین اور بھٹو دور کے وفاقی وزیر مولانا کوثر نیازی مرحوم جو بھٹی صاحب کے دیرینہ دوست تھے نے کونسل کی رکنیت قبول کرنے کیلئے ادارہ ثقافت اسلامیہ میں ان کے دفتر میں آ کر اصرار کیا تو بھٹی صاحب نے جواب دیا میں آپ کا شکر گزار ہوں لیکن یہ خدمت میرے اصل کام میں رکاوٹ کا باعث ہوگی مجھے دینی کام کرنا چاہیے جو میں کر رہا ہوں۔ علاوہ ازیں نظریاتی کونسل کے کاروبار سے مجھے زیادہ اتفاق ہی نہیں۔ وہ یہ سن کر مسکرائے اور خاموش ہو گئے۔

ذوق مطالعہ:

بھٹی صاحب کو مطالعہ کا شوق زندگی کے ابتدائی دور سے ہی ہو گیا تھا۔ اور یہ شوق دن بدن ترقی کرتا گیا۔ وہ ۱۹۴۸ء میں جب لاہور آئے تو ان کی تنخواہ ۹۰ روپے تھی۔ وہ سستا زمانہ تھا اور کتابوں کی قیمتیں بہت کم تھیں کسی کی چار آنے کسی کی آٹھ آنے زیادہ سے زیادہ روپیہ ڈیڑھ روپیہ۔ بھٹی صاحب ہر ماہ پانچ چھ روپے کی کتابیں خریدتے جن کی تعداد پندرہ سولہ تک پہنچ جاتی۔ پھر جب تنخواہ ایک سو پچیس روپے ہوئی تو دس بارہ روپے کی ماہانہ خریداری ہونے لگی کبھی پندرہ بیس کی بھی ہو جاتی۔ تبصرے کے لئے آنے والی کتابیں بھی ملتیں۔ پھر جیسے جیسے تنخواہ بڑھتی گئی کتابوں کی خریداری بھی بڑھتی گئی اور یہ سلسلہ زندگی کے آخر تک رہا۔ بعض دفعہ ۶ ہزار تک کی خریداری کی۔ لیکن اس کے ساتھ ساتھ مختلف بڑی لائبریریوں سے استفادہ جاری رہا۔ جب تک ادارہ ثقافت اسلامیہ رہے اس کی کتابوں سے بھرپور فائدہ اٹھاتے رہے۔ جب وہاں سے الگ ہو گئے تو پنجاب یونیورسٹی لائبریری جانے لگے اور وہاں کے عملے کے تمام ارکان سے دوستانہ مراسم قائم ہو گئے۔ اس لائبریری میں کئی لاکھ مطبوعہ اور تیس پینتیس ہزار غیر مطبوعہ کتب موجود ہیں دوسری لائبریری جہاں ان کی آمدورفت رہی وہ پنجاب پبلک لائبریری ہے۔ یہاں بعض ایسی قلمی کتب ہیں جو پنجاب یونیورسٹی میں نہ تھیں۔

تیسری لائبریری دیال سنگھ لائبریری ہے جہاں ان کا آنا جانا رہا اور جہاں انھیں متعدد حوالے کی کتابوں کے مطالعہ کا موقع ملا۔ چوتھی لائبریری، عجائب گھر کی ہے۔ جہاں لاہور کے دو مشہور سکالروں اور ممتاز مصنفوں کی لائبریریاں منتقل ہوئیں ہیں مولانا غلام رسول مہر

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اور ڈاکٹر خواجہ عبدالرشید۔ اس سے بھی انھوں نے فائدہ اٹھایا۔

پانچویں لائبریری جو حضرت مولانا عطاء اللہ حنیف بھوجیانی کی لائبریری ہے جو دارالدعوۃ السّلفیہ کے نام سے موسوم ہے اور شیش محل چوک روڈ لاہور پر واقع ہے بعض نے اس کو مولانا عطاء اللہ حنیف لائبریری کا نام دیا ہے جہاں بھٹی صاحب کو ہر کتاب ہر وقت مل سکتی تھی۔ اس میں پرانے ماہانہ اور ہفت روزہ رسائل بھی موجود ہیں جو کم و بیش بیس ہزار صفحات علمی کتابوں کا مجموعہ ہے۔

چھٹی لائبریری جناب محمد عالم مختارحق کی انفرادی لائبریری ہے ان سے بھی اپنی ضرورت کی کتاب جب چاہتے ٹیلی فون کر کے منگوا لیتے۔ عالم صاحب خود کتاب بھجوا دیتے یا خود ہی لے کر حاضر ہو جاتے۔ اگر بھٹی صاحب ان کی لائبریری میں جانا چاہتے تو وہ لینے کیلئے اپنی گاڑی بھجوا دیتے۔

ساتویں لائبریری محترم و مکرم پروفیسر عبدالجبار شاکر کی بیت الحکمت ہے جو بہت بڑی لائبریری ہے جو عربی، فارسی، اردو، انگریزی اور دیگر متعدد زبانوں کی ایک لاکھ سے زیادہ مطبوعہ اور غیر مطبوعہ کتب پر مشتمل ہے۔ اس سے بھی بوقت ضرورت استفادہ کیا۔ اسی طرح گوجرانوالہ میں جناب ضیاء اللہ کھوکھر صاحب کی لائبریری لاکھوں کتب اور رسائل و جرائد کا احاطہ کیے ہوئے۔ ان سے بھی بوقت ضرورت منگوائیں اور آپ نے اپنی ضرورت کے مطابق تقریباً تین ہزار کتابیں جمع کیں۔ ان انتہائی وقیع اور متنوع لائبریریوں سے استفادہ کرنے کی وجہ سے ان کا مطالعہ غیر معمولی طور پر وسیع اور متنوع تھا۔ عربی فارسی، اردو اور پنجابی کے اشعار، محاورے، ضرب الامثال اور کہاوتیں یاد تھیں اور ان سے فائدہ اٹھاتے اور ان کے پاس جو کتب، رسائل و جرائد اور اخبارات تھے روزنامے، سہ روزہ، ہفتہ وار، سہ ماہی، ششماہی اور سالانہ سب کا مطالعہ کرتے اور واقف کاروں کو بھی مطالعہ کرنے کا شوق دلاتے۔ اس طرح بھٹی صاحب نے پڑھا، خوب پڑھا اور متنوع اور گوناں گوں پڑھا۔

دعوت دین اور اس کا انداز واسلوب:

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بھٹی صاحب نے اپنی ملازمت کے آغاز کے ساتھ ۱۹۴۴ء میں خطبہ جمعہ اور نماز فجر کے بعد درس قرآن شروع کیا تھا اور اس کا انداز مثبت تھا۔ کیوں کہ ان کے بقول'' میری تربیت جن علماے کرام میں ہوئی نہایت اونچی شخصیات اور بے حد معتدل مزاج تھے۔ اپنی بات مثبت انداز میں کرتے تھے۔ منفی نقطہ نظر سے کوسوں دور تھے۔ ان میں سے کسی نے کفر وشرک، اور بے دینی کے فتویٰ جاری نہیں کیے وہ لوگوں کو مسلمان بنانے کے خواہاں تھے اور اس کیلئے کوشاں رہتے تھے۔ ان میں سے کسی نے نہ الحاد کی دکان لگائی نہ کفر کی، نہ کفر کی تقسیم کیلئے کوشاں ہوئے۔ نہ لوگوں کو مشرک بنانے کا دھندہ کیا، نہ کسی کو جنت سے نکالنے اور جہنم میں داخل کرنے کی کوشش کی''۔

تقسیم ہندوستان کے بعد پاکستان کے قیام کے شروع میں ہجرت کر کے چک نمبر ۵۳ گ ب میں آ بسے تو یہاں بھی خطبہ جمعہ اور درس قرآن مجید شروع کر دیا۔ جب یہ لاہور آئے تو پھر کچھ عرصہ مسجد دارالسلام باغ جناح میں مستقل خطبہ دیا۔ پھر گاہے بگاہے خطبہ دیتے رہے۔

سحر خیزی اور تلاوت قرآن:

بھٹی صاحب کے دادا نے ان کی تربیت اپنی نگرانی میں انتہائی اخلاص اور پورے اہتمام سے کی تھی۔ وہ انھیں نماز فجر سے پہلے جگا دیتے اور انھیں اپنے ساتھ لے جاتے اور اس طرح یہ ان کا مستقل معمول بن گیا کہ گرمی ہو یا سردی، سفر ہو یا حضر کیسی بھی حالت اور کیسا بھی موسم ہو وہ بالعموم فجر کی اذان سے پہلے اٹھتے، پھر دو چار رکعتیں پڑھنے کے بعد قرآن مجید کا آدھا پارہ بالالتزام پڑھتے۔ اگر کسی وجہ سے نہ پڑھ سکتے تو اندیشہ رہتا کہ معلوم نہیں دن کیسا گزرے گا۔

پھر دن کو جب بھی موقعہ ملتا تلاوت کر لیتے۔ تاہم وہ اطمینان قلب نہ مل سکتا جو نماز فجر سے پہلے تلاوت کرنے سے ملتا اس طرح انھیں قرآن مجید سے انتہائی انس پیدا ہو گیا۔ اور

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

انھوں نے بہت سے مرد اور عورتوں کو ترجمہ قرآن پڑھایا۔

صلہ رحمی:

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے:

من احب ان یبسط له فی رزقه وان ینساله فی اثره فیلصل رحمه

بھٹی صاحب اس کا چلتا پھرتا نمونہ تھے۔ انھوں نے واقعی صلہ رحمی کا صحیح حق ادا کیا حتیٰ المقدور سب بھائیوں اور بہنوں کا خیال رکھا۔ ان کی تعلیم و تربیت اور کاروبار یا ملازمت کا انتظام کیا اور اپنی دولت و ثروت کو ان پر نچھاور کیا۔ ان کی والدہ سے یہ دو بھائی اور دو بہنیں تھیں۔ سب سے بڑے بھٹی صاحب تھے اور سب سے چھوٹے محمد حسین صاحب تھے۔ اس بھائی کی تعلیم کا انتظام کیا اور کاروبار کیلئے معقول رقم بھی دی۔

۲۷۔ اگست ۲۰۰۷ء کو جب چھوٹے بھائی محمد حسین فوت ہوئے تو اس پر بہت رنجیدہ ہوئے اور زندگی کے آخر تک اس کے اثرات ان کے قلب و ذہن سے محو نہ ہو سکے۔ اس کی وفات پر الاعتصام کے دو شماروں میں طویل مضمون لکھا۔ پھر اس کے بیٹے سلطان ناصر محمود کی تعلیم و تربیت کا انتظام کیا۔ لیکن وہ بھی ان کی زندگی میں زندگی کی بازی ہار گیا۔

انا للّٰه وانا الیه راجعون

ان کی دونوں بہنیں بھی ان کی زندگی میں وفات پا گئیں۔ دوسری والدہ جوان کی حقیقی خالہ ہیں اس کے چار بیٹے اور ایک بیٹی ہے، پہلا محمد حنیف، دوسرا سعید احمد ہے جس کو چار سال کی عمر میں ہی اپنے پاس لے آئے تھے میٹرک کے بعد اس کو بھی کاروبار کروایا۔ تیسرا طارق محمود اس کو بھی میٹرک کے بعد اپنے پاس لے آئے۔ B.A کے بعد ان کے ایک دوست نے جو واپڈا کے ایک شعبہ کے ڈائریکٹر تھے اسے کلرک بھرتی کروا دیا اب وہ اپنے شعبے کا سپرنٹنڈنٹ ہے اور چوتھا سب سے چھوٹا حکیم حامد محمود ہے اور جڑاں والا میں اپنی حکمت کا دواخانہ چلاتا ہے اللہ کے فضل سے یہ سب زندہ ہیں۔ (حکیم حامد محمود

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

۲۵۔رمضان ۱۴۳۷ھ بمطابق یکم جولائی ۲۰۱۶ء کو حرکت قلب بند ہونے سے اللہ کو پیارے ہو گئے ہیں۔حسان سعید)

بھٹی صاحب عزیز و اقارب کی غمی خوشی میں شریک رہے، وفات شدگان کی نماز جنازہ میں حتی الوسع شرکت کی۔ سب پر احسان تو کیا لیکن کسی کے احسان مند نہیں ہوئے اس صلہ رحمی کی برکت سے اللہ تعالیٰ نے طویل زندگی دی اور آخر تک اپنی علمی مصروفیات میں مگن رہے اور اپنے کام سے جنون کی حد تک وابستہ رہے۔

خودداری اور غیرت:

آپ انتہائی خود دار اور باغیرت انسان تھے۔ اپنے کام سے کام رکھا کسی کی چاپلوسی نہیں کی نہ کسی کے رعب دبدبے کو برداشت کیا کسی نے دھونس جمانے کی کوشش کی تو اسے قبول نہیں کیا اس کی خاطر ملازمت سے الگ ہونا پڑا تو بلا پس و پیش الگ ہو گئے۔ اور ضرورت و حاجت کے وقت بھی کسی کے سامنے دست سوال دراز نہیں کیا حتی کہ اپنے بھائیوں سے بھی کبھی ادھار نہیں مانگا۔ ان کو دیا ضرور لیکن کسی صورت میں لیا نہیں، گویا وہ ایک سایہ دار شجر تھے جو خود دھوپ جھیل کر دوسروں کو سایہ فراہم کرتا ہے۔تحمل و برداشت، عجز وانکسار، فروتنی اور تواضع کا پتلا تھے تکبر وغرور اور گھمنڈ ان سے کوسوں دور تھا۔

ہر ایک چھوٹے بڑے سے انتہائی محبت و پیار سے پیش آتے اور ہر ملنے والا یوں سمجھتا وہ مجھے ہی پیار کرتے ہیں اگر کسی نے ان پر طعن وتشنیع کے تیر برسائے تو انھیں برداشت کیا اور اس کا جواب تک نہیں دیا۔

روابط وتعلقات:

ان کے ہر طبقہ کے لوگوں سے تعلقات تھے غریب سے غریب تر سے لے کر امیر سے امیر تک، سیاست دان، صحافی، تجار، وکیل جج، وزراء، حکمران لیکن کسی سے ذاتی فائدہ نہیں اٹھایا نہ ان کے سامنے جی حضوری کی نہ ان سے مرعوب ہوئے لیکن ہر ایک کا اس کی حیثیت کے مطابق احترام ملحوظ خاطر رکھا۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مقبولیت وشہرت:

اللہ تعالیٰ نے انھیں انتہائی مقبولیت اور شہرت ناموری سے نوازا اور دنیا کے ہر بڑے ملک میں ان کے چاہنے والے اور عقیدت مند موجود تھے۔ اور ان کی موت پر ہر جگہ سوگ منایا گیا اور ہر جگہ سے تعزیتی پیغامات آئے۔

ہر جگہ ان کی زندگی پر مضمون لکھے جا رہے ہیں، بلکہ ان کی زندگی میں ہی لکھے گئے اور انھیں ان کی خدمات کے اعتراف میں اعزازات سے نوازا گیا۔ ہر جگہ انھیں بلایا گیا ان سے انٹرویو کئے گئے اور ان کی زندگی کے مختلف گوشوں کو نمایاں کیا گیا اسی سلسلہ میں ان کے اعزاز میں مورخہ ۳۔مئی ۲۰۱۵ء کو جامعہ سلفیہ فیصل آباد میں ایک استقبالیہ ترتیب دیا گیا جس میں انھیں شیلڈ اور گراں قدر اعزازیہ سے ان کی خدمات کا اعتراف کیا گیا۔

وفات اور جنازہ:

کل نفس ذائقة الموت

ایک ہمہ گیر اور دائمی اٹل ضابطہ ہے جس سے کسی کو مفر نہیں ہے یہ دنیا تو عارضی ٹھکانہ ہے اصل جگہ تو آخرت ہے جس کی پہلی سیڑھی موت ہے۔ اس لئے آپ بھی چند روز بیمار رہ کر عالم جاوداں کو سدھار گئے۔ اللہ ان پر کروڑوں رحمتیں برسائے اور ان کی بشری لغزشوں سے صرف نظر فرمائے۔ آمین صد بار آمین۔

آپ ۲۲۔دسمبر ۲۰۱۵ء بمطابق ۱۰۔ربیع الاول ۱۴۳۷ھ بروز منگل صبح کو فوت ہوئے۔ پہلا جنازہ لاہور ناصر باغ میں محترم ڈاکٹر محمد حماد لکھوی نے دوبارہ مکرم حافظ احمد شاکر نے پڑھایا۔ تیسرا جنازہ ان کے آبائی گاوں چک نمبر ۵۳ گ ب ڈھیسیاں میں نماز عشاء کے بعد ساڑھے آٹھ بجے شیخ الحدیث حافظ مسعود عالم نے پڑھایا، ہر جگہ، ایک جم غفیر نماز جنازہ میں شریک ہوا اور ہر جگہ اہل علم اور دیندار طبقہ کی کثرت تھی۔

اللھم اغفر له وارحمه

☆.....☆.....☆

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اُستادِ گرامی

مولانا عطاء اللہ حنیف بھوجیانی رحمہ اللہ

کہا جاتا ہے کہ پرانے لوگ پرانی باتوں سے زیادہ دلچسپی لیتے ہیں، ممکن ہے یہ صحیح ہو اور ہمیں پرانی باتوں سے اس لیے زیادہ تعلق ہو کہ ہم ''پرانے لوگ'' ہیں۔ لیکن واقعہ یہ ہے کہ جب ہم بالکل ''نئے لوگ'' تھے اور کبھی دل میں یہ خیال نہیں گزرا تھا کہ کسی زمانے میں پرانے بھی ہو جائیں گے، اس وقت بھی ہمیں پرانی باتوں اور پرانے واقعات سے دلچسپی تھی بلکہ بہت دلچسپی تھی۔ بڑے غور سے اپنے بزرگوں سے پرانی باتیں سنتے اور بڑے شوق سے کتابوں میں پرانے واقعات پڑھتے تھے۔ اب آہستہ آہستہ صورت حال یہ ہوگئی ہے اور یادداشتوں کے خزانے میں بفضلِ خدا اتنی تعداد میں پرانے واقعات اور قدیم دور میں گزرے ہوئے کوائف جمع ہو گئے ہیں کہ ذہن ایک مستقل محکمۂ آثارِ قدیمہ کی شکل اختیار کر گیا ہے۔ اگر آپ اسے یہ حیثیت دینے کو تیار نہ ہوں تو پھر اس میں تو کوئی اختلاف نہیں ہونا چاہیے کہ واقعات کے سلسلے میں ہمارا ذہن ایک اچھے خاصے کباڑ خانے کا منظر پیش کر رہا ہے جس میں ہر قسم کے لوگوں کی (جن سے تھوڑا بہت تعلق رہا ہے۔) ہر قسم کی باتیں موجود ہیں۔ بس ذہن کو تھوڑا سا حرکت دینے اور اس کا رخ ذرا ادھر کو موڑ دینے کی ضرورت ہے۔

پھر دیکھیے اندازِ گل افشانیِ گفتار
رکھ دے کوئی پیمانہ وصہبا مرے آگے

حالات نے کچھ ایسا پلٹا کھایا ہے کہ طویل مدت سے میں اپنی جماعت سے روپوش ہوں۔ نوبت بایں جا رسید کہ ان میں سے کتنے ہی لوگ میرے لیے اجنبی ہیں اور میں ان

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کے نزدیک بیگانہ..... ستائیس برس پہلے اپنا آشیانہ ان سے بالکل الگ بنا لیا تھا اور اللہ کا شکر ہے کہ اس میں نہایت سکون کی زندگی بسر کر رہا ہوں۔

گوشے میں قفس کے مجھے آرام بہت ہے

آج آپ کی خدمت میں اپنے مشفق ومحترم اُستاد حضرت مولانا محمد عطاء اللہ حنیف بھوجیانی سے متعلق اپنی یادداشتوں کے چند اوراق پیش کرنے کے لیے حاضر ہوا ہوں۔ قارئین کرام! انھیں بے شک ''اوراقِ پارینہ'' قرار دیں گے، لیکن میرے لیے ان کی حیثیت ''اوراقِ تازہ'' کی ہے۔ ان کی یاد نے بہت سی باتیں سطحِ ذہن پر ابھار دی ہیں۔ ان میں زیادہ تر وہ باتیں ہوں گی جنھیں اس بندۂ عاجز کے سوا کوئی دوسرا شخص بیان نہیں کر سکتا۔ ان کا صرف ایک ہی راوی ہے اور وہ ہے یہ خاکسار۔

فخر ومباہات کے طور پر نہیں۔ تحدیثِ نعمت کے طور پر یہاں یہ عرض کر دوں کہ بات صرف مولانا عطاء اللہ صاحب کی نہیں گزشتہ چالیس بیالیس برس میں پاکستان کے جو علمائے کرام بالخصوص علمائے اہل حدیث سفرِ آخرت پر روانہ ہو گئے ہیں، ان کے ان حالات کی جو چھوٹے چھوٹے واقعات پر مشتمل ہیں اور جن سے ان کی ذاتی، معاشرتی اور جماعتی زندگی کے نشیب وفراز کا صحیح علم ہو سکتا ہے اس عاجز کے سوا کوئی ان کی نقاب کشائی نہیں کر سکتا۔ بہ الفاظ دیگر ان کی تعزیت کا حق میرے سوا کوئی نہیں جو ادا کر سکے۔ غالبؔ کی زبان میں کہنا چاہیے۔

غم میں مرتا ہوں کہ اتنا نہیں دنیا میں کوئی
کہ کرے تعزیت مہر و وفات میرے بعد
آئے ہے بیکسیٔ عشق پہ رونا غالبؔ
کس کے گھر جائے گا سیلابِ بلا میرے بعد

تھوڑی دیر کے لیے اگر آپ میرا ساتھ دیں اور میرے رفقائے سفر بننے کی زحمت گوارا فرمائیں تو میں آپ کو آج سے اٹھاون برس پیچھے ۱۹۳۳ء کے دور میں لے چلوں، لیکن آغازِ سفر سے پہلے یہ عرض کر دوں کہ اپنے اپنے ماحول وحالات کے مطابق ہر شخص کا ''دور''

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

الگ الگ ہوتا ہے، اگر کسی کو ماضی سے دلچسپی ہو اور اس کا حافظہ گزشتہ واقعات کو محفوظ رکھنے کا ڈھنگ جانتا اور زبانِ قلم ان کو بیان کرنے کے سلیقے سے آشنا ہو تو وہ دور اس کے نزدیک انتہائی حسین قرار پاتا ہے، اور جن راہوں سے اس کا کاروانِ حیات گزرا ہوتا ہے، ان راہوں کو وہ بے حد عزیز گردانتا ہے۔ دوسرا شخص اسے کوئی اہمیت دے یا نہ دے لیکن وہ اپنی یادوں کے کسی گوشے سے دست بردار ہونا گوارا نہیں کرتا، اسے جب موقع ملتا تھے ماضی کو آواز دیتا اور دورِ گزشتہ کی یاد سے دل بہلانے کی سعی کرتا ہے.....تو آیئے حافظے کے کواڑ کھولتے ہیں اور آپ کو اٹھاون برس پیچھے لے جا کر مولانا عطاء اللہ حنیف بھوجیانی سے ملانے کی کوشش کرتے ہیں۔ اس موقعے پر عزیز لکھنوی کا یہ شعر ذہن میں گھومنے لگا ہے۔

غزل اُس نے چھیڑی مجھے ساز دینا
ذرا عمر رفتہ کو آواز دینا

۱۹۳۳ء میں میری عمر آٹھ سال کی تھی اور میں چوتھی جماعت میں پڑھتا تھا۔ گھر میں دادا مرحوم میاں محمد سے ناظرہ قرآن مجید پڑھ لیا تھا اور مولوی رحیم بخش کی ''اسلام کی کتاب'' کے (جو کئی حصوں پر مشتمل ہے) چند ابتدائی حصے پڑھ لیے تھے۔ اس کے علاوہ حضرت حافظ محمد لکھوی کی بعض کتابیں جو پنجابی نظم میں ہیں۔ اس وقت کے پنجاب میں عام طور سے پڑھائی جاتی تھیں وہ بھی دادا مرحوم نے پڑھا دی تھیں۔

اس زمانے میں مولانا حافظ عبداللہ بڈھیمالوی (وفات ۷۔مئی ۱۹۸۷ء) کا سلسلۂ تدریس ہمارے شہر (کوٹ کپورہ) کی ایک مسجد میں جاری تھا۔ مقامی طلبا کے علاوہ بیرونی علاقوں کے بھی کئی طالب علم ان سے مروجہ درس نظامیہ کی مختلف کتابیں پڑھتے تھے۔ مجھے بھی میرے دادا ایک دن ان کے پاس لے گئے کہ میں ان سے استفادہ کروں۔ میں صبح کو سکول جانے سے پہلے اور پھر سکول سے آنے کے بعد دن کے پچھلے پہر ان کی خدمت میں حاضر ہوتا تھا اور انھوں نے فارسی کی ایک ابتدائی کتاب پڑھانا شروع کر دی تھی۔ اسی زمانے میں مجھے پتہ چلا کہ سالوں کی گنتی کے لیے ''سن'' کا لفظ بولا اور لکھا جاتا ہے۔ یعنی ۱۹۳۳ء یا ۱۹۳۴ء۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

انہی دنوں کی بات ہے کہ ایک دن میں اپنے گھر کے سامنے چوک میں (جسے ہم ''ستھ'' کہا کرتے تھے) اپنے ہم عمر لڑکوں کے ساتھ کھیل رہا تھا کہ ہمارے ایک بزرگ حاجی محمد کریم نے (جنھیں ہم بابا جی کہا کرتے تھے) مجھے آواز دی۔

میں دوڑتا ہوا گیا اور عرض کیا: فرمایئے۔

پوچھا: تم صبح اور دوپہر کے بعد کہاں پڑھنے جاتے ہو؟

جواب دیا: حافظ عبداللہ کے پاس۔

ایک صاحب کی طرف اشارہ کرتے ہوئے جو ان کی بیٹھک میں ان کے پاس چارپائی پر بیٹھے تھے۔ اُنھوں نے کہا: آئندہ تم ان مولوی صاحب سے پڑھا کرو۔ یہ جامع مسجد میں پڑھایا کریں گے۔

ہم جامع مسجد کو ''جمعہ مسیت'' کہا کرتے تھے یعنی وہ مسجد جس میں جمعہ پڑھا جاتا ہے۔ اسی دن میرے دادا کو بھی حاجی صاحب نے کہہ دیا تھا، چنانچہ دوسرے دن وہ مجھے جامع مسجد میں ان کے پاس چھوڑ آئے۔

یہ مولانا عطاء اللہ حنیف بھوجیانی تھے۔ اس وقت ان کی عمر چوبیس پچیس برس کی ہوگی۔ دُبلے پتلے، پکا سا رنگ، اونچا اُبھرا ہوا ناک، ٹھوڑی پر مختصر سی چھوٹی چھوٹی ڈاڑھی، ٹخنوں سے اونچا سفید کھدر کا تہبند، کھدر کی قمیص اور کھدر ہی کا عمامہ، آنکھیں کچھ موٹی، سر بڑا اور قد نکلتا ہوا۔

جامع مسجد کے خطیب اور مدرس کے تقرر و تعین کا تعلق انجمن اصلاح المسلمین سے تھا اور انجمن کے صدر حاجی محمد کریم تھے۔ حاجی صاحب کو مسلمانوں میں بھی قدر و منزلت حاصل تھی اور غیر مسلم بھی ان کا احترام کرتے تھے، خود والیِ ریاست مہاراجہ ہراندر سنگھ ان کو قدر کی نگاہ سے دیکھتا تھا اور ان کا نام اس کے ارکانِ دربار میں شامل تھا۔ سال یا چھ مہینے کے بعد جب مہاراجہ کا خاص دربار لگتا تھا، اس میں حاجی صاحب کو دعوتِ شرکت دی جاتی تھی۔ ریاست کے درباری قاعدے کی رُو سے شرکائے دربار کے لیے تنگ موری کا سفید لٹھے کا پاجامہ پہننا ضروری تھا۔ حاجی صاحب پاجامہ گھر سے بغل میں دبا کر لے جاتے تھے، دربار

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہال میں داخل ہوتے وقت اسے پہن لیتے اور باہر نکلتے ہی اُتار کر پھر بغل میں دبا لیتے تھے۔

مہاراجہ فرید کوٹ کا انتقال ۱۹۸۸ء میں ہوا۔ آزادی کے بعد ہندوستان کی کانگرسی حکومت نے ریاستوں کو ختم کر دیا تھا۔ ہراندر سنگھ ریاست فرید کوٹ کا آخری حکمران تھا۔ اس کا ایک ہی بیٹا تھا جو باپ سے کافی عرصہ پہلے فوت ہو گیا تھا۔

مولانا عطاء اللہ صاحب کے ذمے وہاں دو کام تھے۔

ایک جامع مسجد کی خطابت۔

دوسرے درس وتدریس۔

کوٹ کپورہ مذہبی قسم کا شہر تھا۔ آبادی کے اعتبار سے مسلمان اکثریت میں تھے اور چند افراد کے سوا سب اہل حدیث مسلک سے تعلق رکھتے تھے۔ اٹھارہ انیس مسجدیں تھیں۔ جن میں صرف ایک مسجد بریلوی حضرات کی تھی جو ریلوے سٹیشن کے قریب تھی۔ کہا جاتا تھا کسی زمانے میں بریلوی مسلک کا ایک سٹیشن ماسٹر کچھ عرصہ وہاں فرائض ملازمت سرانجام دیتا رہا تھا۔ اس کی کوشش سے یہ مسجد تعمیر کی گئی تھی لیکن اس مسجد کے امام اہل حدیث تھے، جن کا نام حاجی کریم بخش تھا۔

شہر کے زیادہ تر مسلمان نمازِ جمعہ مسجد میں پڑھتے تھے۔ یہ مسجد ہمارے محلے میں تھی۔ یوں تو ہر نماز میں کافی تعداد میں نمازی اس مسجد میں آتے تھے مگر جمعے کے دن تو بے شمار لوگ جمع ہو جاتے تھے۔ مولانا عطاء اللہ صاحب خطبۂ جمعہ ارشاد فرماتے تھے۔

متحدہ ہندوستان میں چھوٹی بڑی ساڑھے پانچ سو ریاستیں تھیں۔ ریاستوں کے نواب اور راجے مہاراجے ان کے مالک سمجھے جاتے تھے۔ ان کی مرضی کے خلاف حدودِ ریاست میں کسی کو دم مارنے کی جرأت نہ تھی، ملکی سیاسیات میں حصہ لینا اور کسی سیاسی موضوع پر تقریر کرنا یا والیٔ ریاست کے کسی حکم کو نشانۂ تنقید بنانا بہت بڑا جرم تھا۔ ریاست فرید کوٹ کا حکمران براڑ بنسی خاندان سے تعلق رکھتا تھا۔ وہ اگرچہ ذاتی طور پر نرم طبیعت اور دھیمے مزاج کا حکمران تھا۔ تاہم سیاسی مسائل کو موضوعِ بحث بنانا اس کے نزدیک بھی جائز نہ تھا۔ ادھر

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مولانا عطاء اللہ صاحب کا یہ حال تھا کہ وہ دیگر مسائل ومعاملات کے علاوہ ملکی سیاسیات سے بھی اس زمانے میں گہری دلچسپی رکھتے تھے۔ اوران کا سیاسی نقطۂ نظر وہی تھا جو اس عہد میں مشہور وممتاز علمائے اہل حدیث (مولانا داؤد غزنوی، مولانا عبدالقادر قصوری، مولانا محمد اسماعیل سلفی، مولانا ابو القاسم بنارسی، مولانا حافظ محمد گوندلوی، مولانا عبداللہ الکافی، مولانا عبداللہ الباقی، مولانا محمد علی لکھوی رحمۃ اللہ علیہم وغیرہ حضرات) کا تھا۔ یہ تمام بزرگ سیاسی معاملات میں مولانا ابوالکلام آزادؒ سے متاثر تھے۔

ریاستوں کے لوگ دوہری غلامی میں گرفتار تھے۔ ایک انگریزی حکومت کی غلامی، دوسری والیانِ ریاست کی ..... یہ غلامی ان کی زبان وبیان پر تو بلاشبہ اثر انداز ہوسکتی تھی مگر ان کے افکار وخیالات کو ہرگز اپنی گرفت میں نہیں لے سکتی تھی اُس وقت بیسویں صدی کی ہوائے حریت زوروں پر تھی جس کا ہر جھونکا غلامی کی زنجیروں کو ڈھیلا کر رہا تھا۔ ریاستوں میں اس کے اثرات روز بروز پھیلتے جاتے تھے۔

مولانا عطاء اللہ صاحبؒ کے اثر ورسوخ کے دائرے اس نواح میں تھوڑے ہی عرصے میں کافی پھیل گئے تھے مسلمانوں کے علاوہ سکھ اور ہندو بھی ان سے متاثر ہوئے، کئی سکھ جو ۱۹۱۹ء کی اکالی لہر میں انگریزی حکومت کی اذیتوں کا نشانہ بن چکے تھے، مولانا کے پاس آتے اور اُن سے سیاسی موضوع سے متعلق گفتگو کرتے تھے۔ قرب وجوار کے دیہات کے لوگ بھی ان سے متاثر ہو گئے تھے۔ اوران کا بے حد احترام کرتے تھے۔ وہ انھیں وعظ ونصیحت کے لیے عام طور پر اپنے ہاں لے جاتے تھے۔ مولانا کے اثر ورسوخ کی کئی وجوہ تھیں۔ ان کی سادہ معاشرت، سیدھی سادی عام فہم باتیں، ہر شخص سے اس کے مزاج کے مطابق گفتگو، کھدر کا لباس، جہاں کسی نے بلایا چلے گئے اور جس قسم کا ماحول دیکھا اس سے صلح کر لی۔ اس عہد کے دیہاتی معاشرے میں اس قسم کے اہل علم کو بڑے احترام کی نظر سے دیکھا جاتا تھا۔

اس دور میں جو رسائل وجرائد بذریعہ ڈاک وہ منگواتے تھے، ان میں ایک سہ روزہ اخبار ''مدینہ'' تھا جو بجنور (یوپی) سے شائع ہوتا تھا اور اُس کے ایڈیٹر مشہور صحافی ملک نصر اللہ خان

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

عزیز تھے، ایک رسالہ ''ترجمان القرآن'' تھا جو حیدر آباد (دکن) سے مولانا ابوالاعلیٰ مودودیؒ کی ادارت میں اشاعت پذیر ہوتا تھا۔ اخبار ''مدینہ'' اور رسالہ ''ترجمان القرآن'' سے میری آشنائی پہلی دفعہ وہیں ہوئی تھی۔

مولانا عطاء اللہ صاحبؒ بہت بڑے مقرر نہ تھے، نہ انھیں تقریر وخطابت کا دعویٰ تھا، وہ سیدھی اور صاف باتیں کرتے تھے جو لوگوں کو متاثر کرتی تھیں اور غور سے سنی جاتی تھیں۔ تقریر میں سیاسی افکار کا اظہار وہ اشارے کنائے میں کرتے تھے جس سے اُن کے دل کی بات بسا اوقات تفصیل سے بھی زیادہ نکھر جاتی تھی۔

خطابت کے علاوہ جو دوسرا کام اُنھوں نے ہمارے ہاں شروع فرمایا، وہ درس وتدریس کا تھا۔ اس میں کچھ تو مقامی لوگ تھے جو ان سے قرآن مجید کا ترجمہ یا بعض دینی وتاریخی قسم کی کتابیں پڑھتے تھے اور کچھ وہ طلباء تھے جو دیگر مقامات کے رہنے والے تھے اور حصولِ علم کی غرض سے ان کی خدمت میں آئے تھے۔

ترجمہ قرآن فجر کی نماز سے تھوڑی دیر بعد پنجابی زبان میں پڑھایا جاتا تھا۔ بعض لوگوں نے اس سے فارغ ہوکر اپنے دنیوی کام کاج کرنا ہوتے تھے اس لیے زیادہ سے زیادہ نصف گھنٹے میں یہ سلسلہ ختم ہو جاتا تھا۔ اس زمانے میں مندرجہ ذیل مقامی لوگوں نے مولانا سے ترجمہ قرآن پڑھا۔

۱۔ صوفی محمد:

یہ ایک متقی اور پرہیزگار بزرگ تھے۔ ان کے والد حاجی نور الدین تھے جو مولانا محی الدین عبدالرحمٰن لکھوی کے مرید تھے۔ صوفی صاحب نے آزادیٔ وطن کے بعد اپنے اعزہ واقارب کے ساتھ چک ۳۶ گ ب (تحصیل جڑاں والا ضلع فیصل آباد) میں سکونت اختیار کر لی تھی، وہیں فوت ہوئے۔

۲۔ حاجی محمد علی:

یہ ٹرانسپورٹر تھے۔ بڑے عاقل وفہیم شخص تھے اور مطالعہ کافی وسیع تھا۔ ہمارے قریبی رشتے دار تھے اور میرے مہربان تھے۔ انھوں نے ۱۲۔ اگست ۱۹۸۵ء کو جھنگ میں وفات پائی۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

۳۔حاجی محمد علی:

یہ ایک اور حاجی محمد علی تھے جو میرے پیارے دوست تھے۔ حالتِ غربت میں زندگی کا آغاز کیا تھا، پھر اللہ نے بڑا کرم فرمایا۔ کئی سال سے کراچی میں مقیم تھے اور وہاں آزاد چوہدری گڈز ٹرانسپورٹ کمپنی کے نام سے کاروبار کرتے تھے۔ اپریل ۱۹۸۸ء کو وہیں انتقال ہوا۔ ان کے چار بیٹے ہیں جو بڑے سعادت مند اور خوش اخلاق ہیں۔

۴۔میاں محمد شریف:

اُس وقت یہ اچھی خاصی عمر کو پہنچ چکے تھے۔ آزادی کے بعد اپنے بعض عزیزوں کے ساتھ راجہ جنگ (ضلع قصور) میں آ بسے تھے۔ وہیں فوت ہوئے۔

۵۔عبدالعزیز:

کوٹ کپورہ کے بازار میں ان کی دکان تھی۔ آزادیٔ وطن کے بعد بوریوالہ (ضلع وہاڑی) چلے گئے تھے۔ بہت اچھا کاروبار تھا۔ وہیں انتقال ہوا۔

www.KitaboSunnat.com

۶۔عبدالرشید:

یہ عبدالعزیز کے بڑے بھائی تھے۔ اور بائیس تیئیس برس کے خوبصورت اور صحت مند جوان تھے۔ بازار میں ان کا کاروبار تھا۔ ان کا روزانہ کا یہ معمول تھا کہ شام سے تھوڑی دیر بعد مولانا کی خدمت میں آ جاتے اور پھر ان کے ساتھ موگا روڈ پر سیر کے لیے جاتے۔ چھ سات اور آدمی بھی ہوتے ایک دن اپنے کام سے فارغ ہو کر آئے اور اکیلے سیر کے لیے چل پڑے، دو چار دوستوں نے کہا کہ مولانا عطاء اللہ صاحب آنے والے ہیں معمول کے مطابق ان کے ساتھ چلیں گے۔ جواب دیا میں چلتا ہوں، آپ لوگ مولانا کے ساتھ آ جائیں، تھوڑی دور گئے تھے کہ اُدھر سے ایک قصائی جس کے عبدالرشید کے ساتھ اچھے مراسم تھے۔ ایک گاؤں (پنجگرائیں) سے گوشت بیچ کر آ رہا تھا۔ اس کے سر پر گوشت والی خالی ٹوکری تھی اور ہاتھ میں چھرا تھا۔ چاروں طرف اندھیرا چھا چکا تھا۔ قصائی (غالباً) ذہنی طور پر کچھ خوف زدہ سا تھا۔ اس جگہ کے متعلق بھی مشہور تھا کہ یہاں کسی ''شے'' کا ٹھکانہ ہے بعض

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جاہل قسم کے لوگ یہ بھی کہتے ہیں کہ رات یا دوپہر کے وقت آبادی سے باہر کچا یا پکا گوشت لایا جائے تو بھوت پریت (یا ئے مجہول کے ساتھ پڑھیے) کا خطرہ ہوتا ہے۔

قصائی کے بقول اس نے تاریکی میں کوئی ''شے'' اس شکل میں اپنی طرف آتی ہوئی دیکھی، جیسے اُس پر حملہ کر رہی ہو۔ اب اس نے اُس پر چھرے کا ایسا وار کیا کہ اس کا وہیں خاتمہ ہو گیا اور خون کے فوارے چھوٹ پڑے۔ اُسی وقت لوگ جمع ہو گئے اور قاتل کو پکڑ کر رسیوں سے باندھ لیا گیا۔ چند لمحوں بعد پولیس آ گئی۔

یہ ستاون اٹھاون سال کی بات ہے، اس وقت میری عمر آٹھ نو سال کی تھی لیکن اس حادثے کا پورا نقشہ آج بھی آنکھوں کے سامنے گھوم رہا ہے۔ رسیوں میں جکڑا ہوا قصائی ہاتھ جوڑ کر اور رو رو کر کہہ رہا تھا۔ لوگو! مجھ سے غلطی ہو گئی۔ مجھے چھوڑ دو۔ رشید میرا یار تھا۔ میں اُسے پہچان نہیں سکا میں سمجھا یہ کوئی جن بھوت ہے۔ جو مارنے کے لیے میری طرف آ رہا ہے، میں اس سے ڈر گیا تھا میں نے اپنی جان بچانے کے لیے اس کو مارا ہے۔

عبدالرشید کا بوڑھا والد میاں محمد جو نہایت نیک بزرگ تھا۔ کچھ عرصے سے بیمار تھا۔ جوان بیٹے کی موت اس پر بجلی بن کر گری اور تیسرے دن وہ اللہ کو پیارا ہو گیا۔

عبدالرشید کے قاتل کو بیس سال کی سزا ہوئی تھی۔ عبدالرشید کا اپنا مکان تھا لیکن سرکار نے اس کی بوڑھی ماں اور کم سن بھائی کو ایک کنال زمین دے دی تھی تاکہ وہ اس میں اپنا مکان تعمیر کر لیں۔ مکان کی تعمیر کے لیے کچھ نقد روپے بھی دے دیئے گئے تھے۔ یہ اچھی خاصی امداد تھی جو فرید کوٹ سرکار نے اس خاندان کے مصیبت زدہ افراد کو اس زمانے میں کی۔

۷۔ صوفی عبدالجلیل:

یہ پیکر زہد واتقا آزادی کے بعد سے چک ۳۶ گ ب (ضلع فیصل آباد) میں اقامت گزیں ہیں۔

۸۔ قاضی غلام محی الدین:

فرید کوٹ کے معزز اور تعلیم یافتہ گھرانے سے تعلق رکھتے ہیں۔ ان کے بڑے بھائی

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

قاضی عبدالحکیم مرحوم ہمارے شہر میں ہائی سکول کے ہیڈ ماسٹر تھے۔ احناف کے بریلوی مکتب فکر سے ان کا تعلق تھا۔ قاضی غلام محی الدین تقسیم ملک کے بعد لاہور آ گئے تھے۔ بہت عرصہ یہاں اسلامیہ ہائی سکول (بھاٹی گیٹ) کے ہیڈ ماسٹر رہے۔ لاہور میں چوہان روڈ پر سکونت پذیر ہیں اور میرے نہایت مخلص دوستوں میں سے ہیں۔ مولانا عطاء اللہ صاحب کا ذکر انتہائی احترام سے کرتے ہیں۔

۹۔ حاجی محمد رفیق:

ان کے والد حاجی خیر الدین اہل وعیال سمیت جاوا سماٹرا (انڈونیشیا) چلے گئے تھے۔ رفیق اُس وقت کم سن تھے۔ اسی دوران میں والدین کے ساتھ حج بیت اللہ کی سعادت حاصل کی۔ طویل عرصے کے بعد وطن واپس آئے تھے۔ آتے ہی مولانا عطاء اللہ صاحب کے حلقہ درس میں شامل ہو گئے تھے۔ پھر دہلی جا کر درسِ نظامیہ کی تکمیل کی۔ کھنڈیلے بھی مولانا عبدالجبار کھنڈیلوی سے مختلف درسی کتابیں پڑھیں۔ بعض سرکاری محکموں میں ملازمت کرتے رہے۔ میرے بے تکلف دوست ہیں اور آج کل میرے گاؤں (چک ۵۳ گ ب ضلع فیصل آباد) میں سکونت پذیر ہیں۔

۱۰۔ چراغ الدین کاھلوں:

یہ جامع مسجد سے تقریباً ایک میل کے فاصلے پر ریلوے سٹیشن سے آگے ''سرگاپوری'' محلّہ میں رہتے تھے اور کاھلوں برادری کے زمیندار خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔ خوب صورت اور نیک طینت شخص تھے، مولانا عطاء اللہ صاحبؒ سے قرآن مجید کا ترجمہ اور حدیث کی کتاب مشکوٰۃ شریف پڑھتے تھے۔ اس سے قبل انھوں نے مولوی بدر الدینؒ اور مولانا حافظ عبداللہ بڈھیمالویؒ سے بعض درسی کتابیں پڑھی تھیں۔

مولوی چراغ الدین تقسیم ملک کے بعد تحصیل جڑاں والا کے ایک گاؤں چک نمبر ۲۳ گ ب میں آباد ہو گئے تھے۔ ان کی برادری کے بہت سے لوگ اس گاؤں میں آباد ہیں۔ ہمارے گاؤں میں ان حضرات کی آمدورفت رہتی ہے۔ مولوی چراغ الدین سے میرے دوستانہ مراسم تھے کئی سال ہوئے ان کا انتقال ہو گیا ہے۔ ان کے بیٹے بڑے احترام سے پیش آتے ہیں۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

۱۱۔ حافظ علی محمد:

آزادیٔ وطن سے پہلے ان کے بڑے بھائی عبداللطیف ریلوے میں ملازم تھے اور ملازم کی حیثیت سے بہاول نگر میں مقیم تھے علی محمد چھوٹی عمر میں بھائی کے ساتھ بہاول نگر چلے گئے تھے۔ وہیں ریلوے سٹیشن کی مسجد میں قرآن مجید حفظ کیا۔ پھر اپنے آبائی شہر (کوٹ کپورے) آ کر مولانا عطاء اللہ صاحب کے حلقۂ درس میں شامل ہوگئے تھے۔ آج کل ہمارے گاؤں میں مقیم ہیں اور وہاں فرائض امامت سرانجام دیتے ہیں۔

۱۲۔ محمد اسحاق بھٹی:

میں نے بھی مذکورہ بالا حضرات کی معیت ورفاقت میں اسی زمانے میں مولانا عطاء اللہ صاحب سے قرآن مجید کا ترجمہ اور بعض کتابیں پڑھیں۔

۱۳۔ میاں شیر محمد:

یہ کشمیریوں کے محلے کی مسجد کے امام جماعت تھے۔ چھوٹے قد کے نہایت نیک آدمی تھے۔ جو مولانا کی خدمت میں کچھ پڑھنے آیا کرتے تھے۔ یہ معلوم نہیں وہ کیا پڑھتے تھے۔

یہ وہ لوگ تھے جو اسی شہر کے رہنے والے تھے۔ انھوں نے مولانا سے قرآن مجید کا ترجمہ پڑھا، ان میں سے بعض نے ترجمے کے علاوہ بھی ان سے استفادہ کیا، میں بھی استفادہ کرنے والوں میں شامل تھا اور ان سب سے کم عمر تھا۔ لیکن یہ عجیب بات ہے کہ اس عہد کی باتیں ضبطِ تحریر میں لانے کی توفیق اللہ تعالیٰ نے اس کم عمر ہی کو عطا فرمائی۔ یہ اللہ تعالیٰ کا اس عاجز پر بہت بڑا احسان ہے جس پر اس کا جتنا بھی شکر ادا کیا جائے کم ہے۔

مولانا عطاء اللہ صاحب کی عمر اس وقت زیادہ سے زیادہ چوبیس پچیس برس ہوگی۔ نہ وہ بہت بڑے مقرر تھے، نہ زور دار خطیب تھے اور نہ شیریں بیان واعظ تھے۔ وہ تعویذ دھاگے میں بھی شہرت نہ رکھتے تھے۔ وہ کوئی سیاسی لیڈر بھی نہ تھے، وہ کسی خاص موضوع کی کتابوں کے مصنف ومؤلف یا مرتب بھی نہ تھے، درس وتدریس میں بھی اس وقت ان کا کوئی زیادہ

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تجربہ نہ تھا، ان کا کوئی قابل ذکر خاندانی پس منظر بھی نہ تھا جو ان کی شہرت و ناموری کا باعث بنتا، وہ اپنے خاندان کے واحد شخص تھے جن کو اللہ نے غربت کی حالت میں علم و فضل سے نوازا تھا۔ پھر ہمارا وہ علاقہ جہاں وہ اس عہد میں تشریف فرما تھے علم و کمال میں کسی شمار قطار میں نہ آتا تھا، ان دنوں آج کل کی طرح زیادہ اخبار بھی نہ تھے جو اشتہار بازی کے ذریعے کسی شخصیت یا کسی جگہ کے مدرسے کو عوام میں متعارف کرانے کا سبب بنتے۔ اب تو ما شاء اللہ جماعتی رسائل و جرائد کی برکت سے غلط بیانیوں سے ملوث ''صداقت'' نے ارتقا و تقدم کی اتنی منزلیں طے کر لی ہیں کہ جہاں قاعدے، سپارے پڑھنے والے پانچ بچے جمع ہو گئے وہ ''جامعہ'' قرار پا گیا، جس مسجد میں چار لڑکے چند روز کے لیے آ گئے ''وہ کلیہ'' کہلایا جس گھر میں چھ سات لڑکے بٹھا لیے گئے۔ اس کا نام ''دارالعلوم'' رکھ دیا گیا۔ جھوٹ کا اس قدر دور دورہ ہے کہ اب پورے پاکستان میں کوئی مدرسہ نہیں رہا، سب جامعات، کلیات اور دارالعلوم بن گئے ہیں۔

ایک اور ترقی اللہ کے فضل سے ہم نے یہ کی ہے کہ پورے ملک میں کوئی مولوی یا مدرس نہیں رہا، مولوی سب کے سب ''علامے'' ہو گئے ہیں یا کم سے کم حضرت مولانا قرار پا گئے ہیں۔ اگاڑی پچھاڑی کے خطابات والقابات اس پر مستزاد۔

مدرس ختم ہو گئے ہیں۔ سب شیخ الحدیث کہلانے لگے ہیں، مولانا عطاء اللہ صاحب کے جس دور کا میں ذکر کر رہا ہوں۔ اُس دور میں شاید اس قسم کے الفاظ ایجاد نہیں ہوئے تھے۔

اس زمانے میں آمد و رفت کے یہ تیز ترین ذرائع بھی نہیں تھے جو اب ہیں، سست رفتار ریلیں تھیں اور سڑکوں پر بہت کم بسیں دکھائی دیتی تھیں، سڑکیں بھی بڑے بڑے شہروں کو ایک دوسرے سے ملاتی تھیں، موجودہ دور کی طرح ہر قصبے، ہر قریے اور ہر بستی کے باہم رابطے کا ذریعہ نہیں بنتی تھیں لیکن ان سب باتوں کے باوجود جو اُوپر بیان کی گئی ہیں، کوٹ کپورے میں مولانا عطاء اللہ صاحب کی خدمت میں دور دراز کے علاقوں سے کتنے ہی طلبا حصولِ علم کے لیے حاضر ہوئے اور ان میں سے بعض نے اپنی خدمات کی بنا پر بعض حلقوں

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

میں شہرت بھی پائی۔ ان طلباء کے نام درج ذیل ہیں:

۱۔ مولانا نیاز اللہ خاں:

ضلع ہوشیار پور کے راجپوت خاندان سے تعلق رکھتے ہیں۔ میٹرک پاس کرنے کے بعد مولانا محمد عطاء اللہ حنیفؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے تھے۔ آزادی کے بعد ضلع لائل پور میں سکونت اختیار کر لی تھی۔ جماعت اسلامی سے منسلک ہیں۔ کسی جلسے یا میٹنگ میں ان سے ملاقات کا موقع مل جائے تو پرانی یادیں سطح ذہن پر نمودار ہونے لگتی ہیں۔ یہاں یہ یاد رہے کہ نیاز اللہ خاں کا علاقہ (ضلع ہوشیار پور) کوٹ کپورے سے کم وبیش ڈیڑھ سو میل جنوب مشرق میں تھا۔

۲۔ مولانا محمد یعقوب:

کوٹ کپورے کے قرب وجوار کے ایک گاؤں کے رہنے والے تھے، جس کا نام ''واندراں'' تھا۔ ان کے والد مولوی نور محمد ہمارے ہاں جامع مسجد کے امام تھے۔ ساتھ ہی چھوٹے بچوں کو قرآن مجید اور ابتدائی اسلامی کتابیں پڑھاتے تھے۔ قیام پاکستان کے بعد مولانا محمد یعقوب نے گوجرہ (ضلع فیصل آباد) میں سکونت اختیار کر لی تھی اور درس وخطابت کا سلسلہ جاری کر لیا تھا۔ ۲۰ نومبر ۱۹۹۰ء کو وہیں وفات پا گئے۔

۳۔ محمد یعقوب:

یہ خوش اخلاق اور خوب صورت نوجوان ضلع فیروز پور کی تحصیل موگا کے ایک گاؤں ''صافووالا'' کے رہنے والے تھے۔ گوجر برادری سے تعلق رکھتے تھے۔ افسوس ہے آزادی سے قبل عالم جوانی میں وفات پا گئے تھے۔

۴۔ فتح محمد:

ضلع حصار موجودہ صوبہ ہریانہ کی تحصیل سرسہ کے کسی گاؤں کے رہنے والے تھے۔ بڑے ذہین اور پڑھنے میں تیز تھے، جوان عمر میں فوت ہوئے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

۵۔غلام محمد:

ان کا تعلق بھی ضلع حصار کے کسی گاؤں سے تھا۔کافی عرصہ مولانا سے حصولِ علم کرتے رہے۔آزادی کے بعد ان کے بارے میں کچھ پتہ نہ چل سکا۔

۶۔محمد ادریس:

ان کا مسکن بھی ضلع حصار کا ایک گاؤں تھا۔خاصی مدت مولانا کی خدمت میں رہے۔ آزادیٔ وطن کے بعد ان کے متعلق معلوم نہیں ہو سکا کہ کن حالات سے دوچار ہوئے۔

۷۔محمد جمیل:

مشرقی پنجاب میں ریلوے جنکشن ''بھٹنڈہ'' ہندوستان کا مشہور شہر ہے۔ وہاں حاجی رتن کے مدفن کو بڑی شہرت حاصل ہے۔جمیل، حاجی رتن کے متولیوں میں سے تھے اور اس حیثیت سے ان کا تعلق بریلوی مکتب فکر سے تھا۔کوٹ کپورے ان کے عزیز رہتے تھے جو مسلکاً اہل حدیث تھے،جمیل کا قیام انہی کے ہاں تھا۔آزادی کے زمانے میں پاکستان کی طرف آتے ہوئے دوران سفر میں ریاست فرید کوٹ کے ایک گاؤں ''گولے والا'' میں بھری جوانی میں ان کا انتقال ہوا۔

جمیل خوب صورت اور پیارا نوجوان تھا اور میرا دوست تھا۔آزادی کے بعد ان کے خاندان کے بہت سے افراد ہمارے موجودہ گاؤں (چک ۵۳ گ ب) میں آباد ہو گئے تھے، جمیل کے والد میاں عبدالعلیم نے ہمارے گاؤں میں وفات پائی۔

جمیل کے سب سے چھوٹے بھائی کا نام محمد سعید ہے جو ہمارے گاؤں میں رہتا ہے اور میں جب گاؤں جاتا ہوں،سعید سے ضرور ملتا ہوں۔سعید کا بڑا بھائی محمد یعقوب ہے جو ضلع بہاول نگر کے ایک گاؤں میں مقیم ہے۔یعقوب سے بھی اس وقت ملاقات ہو جاتی ہے، جب میں اپنے گاؤں میں ہوتا ہوں اور وہ بھی اپنے عزیزوں سے ملنے وہاں آیا ہو۔

۸۔عبدالعزیز:

یہ جمیل کا تایا زاد بھائی ہے جس نے اپنے خاندان کے بعض افراد کے ساتھ ضلع

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

رحیم یار خان میں سکونت اختیار کر لی تھی۔ اس سے بھی میرے مراسم تھے، آزادی کے بعد ہمارے گاؤں میں بھی (جہاں اس کی آمدورفت رہی ہے۔) کئی دفعہ اس سے ملاقات ہوئی۔ ایک دو دفعہ لاہور آیا۔ اور مجھ سے ملا۔ اس کے والد میاں عبدالحیٔ تھے جو تقسیم کے بعد ہمارے گاؤں میں آ بسے تھے۔ پھر ضلع رحیم یار خان چلے گئے تھے۔ مولانا عطاء اللہ صاحب کا یہ لوگ انتہائی احترام کرتے تھے۔

ایک مرتبہ میں جمیل کے ساتھ حاجی رتن گیا تھا اور ایک دن اور رات وہاں رہا تھا۔ بھٹنڈہ ہمارے شہر سے بجانب مشرق پچیس میل کے فاصلے پر تھا۔ مجھے یاد پڑتا ہے مولانا عطاء اللہ صاحب بھی ایک مرتبہ وہاں تشریف لے گئے تھے۔

حاجی رتن ہماری تاریخ رجال کا ایک مستقل موضوع ہے اور اس شخصیت کے متعلق عربی کی قدیم کتب رجال میں بہت سی باتیں مرقوم ہیں۔ حافظ ابن حجرؒ نے بھی حاجی رتن ہندی کا تذکرہ فرمایا ہے۔ لیکن اس سلسلے کی تفصیل میں جانا اس وقت ہمارے موضوع سے خارج ہے۔ حاجی رتن کے سالانہ عرس کی تقریبات میں دور ونزدیک سے بے شمار مسلمان، ہندو اور سکھ شامل ہوتے اور نذر ونیاز ادا کرتے تھے۔ عرس کے علاوہ بھی روزانہ کثیر تعداد میں لوگ وہاں حاضری دیتے تھے۔ مشرقی پنجاب سے آنے والے لوگوں کے بیان کے مطابق یہ سلسلہ اب بھی جاری ہے اور سکھ اور ہندو کثیر تعداد میں وہاں آتے ہیں۔

بہت سی زمین حاجی رتن کی قبر کے نام وقف تھی، اب بھی مشرقی پنجاب کے مسلم اوقاف میں اسے بڑی اہمیت حاصل ہے اور وہاں کی صوبائی حکومت نے اس کے انتظام کے لیے سرکاری طور پر جو مسلم اوقاف بورڈ بنایا ہے، اس میں میرے ایک دوست ماسٹر کفایت اللہ صاحب بھی شامل ہیں جو مشرقی پنجاب کے شہر مالیر کوٹلہ میں اقامت گزین ہیں۔

۹۔ نور محمد:

ضلع حصار کی تحصیل سرسہ کے ایک گاؤں کا رہنے والا تھا۔ سانولے رنگ کا یہ دبلا پتلا

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نوجوان اکثر بیمار رہتا تھا، پڑھنے لکھنے میں بڑا حریص تھا۔ اٹھتی جوانی میں جب کہ سترہ اٹھارہ برس کی عمر کو پہنچا ہوگا، وفات پا گیا تھا۔ تحصیل سرسہ کے ایک مشہور عالم دین اور مدرس مولوی جلال الدین تھے، نور محمد کی بہن سے ان کی شادی ہوئی تھی۔

۱۰۔ حافظ عبداللہ:

مولانا عطاء اللہ صاحب کے بڑے بھائی تھے، مولانا کی تشریف آوری کے بعد یہ بھی وہیں آ گئے تھے، بعض درسی کتابیں اُنھوں نے اپنے برادرِ صغیر سے پڑھیں۔ بڑے صحت مند جوان تھے۔ آواز بہت اچھی تھی، قرآن پڑھتے تو سماں بندھ جاتا اور جی چاہتا کہ وہ پڑھتے رہیں اور ہم سنتے رہیں۔

۱۱۔ محمد اسحاق:

ضلع قصور کے ایک گاؤں ''چھمبر'' کا رہنے والا تھا جو دریائے ستلج کے کنارے گنڈا سنگھ والا کے قریب اس نواح کا مشہور گاؤں ہے۔ یہ گاؤں اس وقت ضلع لاہور میں واقع تھا اور قصور کو اس علاقے کی تحصیل کا درجہ حاصل تھا، اسحاق ماجھے کا لمبا تڑنگا، صحت مند اور خوبصورت وخوش مزاج نوجوان تھا، اعوان برادری سے تعلق رکھتا تھا۔ بھری جوانی میں فوت ہوگیا تھا۔

۱۲۔ رحمت اللہ:

یہ بھی موضع چھمبر کا رہنے والا تھا۔ درمیانے قد کا یہ عمدہ خصال نوجوان تھا۔ تقسیم ملک سے قبل اس کا انتقال ہوگیا تھا۔ یہ بھی اعوان برداری سے تعلق رکھتا تھا، کبھی کبھی لطیفے بھی سنایا کرتا تھا۔

www.KitaboSunnat.com

۱۳۔ حبیب اللہ:

یہ بھی چھمبر کا رہنے والا تھا۔ اللہ نے اس کو بڑی صلاحیتوں سے نوازا تھا۔ تقسیم کے بعد دو تین دفعہ لاہور آیا اور مجھ سے ملا۔ ذرا سا تیز بولتا تھا۔ ۱۹۵۱ء کو حج بیت اللہ کے مبارک سفر پر گیا اور وہیں سفر آخرت پر روانہ ہوگیا۔ یہ بھی اعوان برادری کا فرد تھا۔ آزادی کے بعد میں لاہور آیا

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تو چھبر کے بہت سے لوگوں سے مراسم قائم ہوئے جوان سے تعلق قرابت رکھتے ہیں۔

۱۴۔ محمد شفیق:

ضلع فیروز پور میں ایک مشہور ریلوے سٹیشن ''گوروہرسائے'' تھا جو فیروز پور سے بہاول نگر اور سمہ سٹہ جانے والی ریلوے لائن پر تیسرا اسٹیشن تھا۔ شفیق کا گاؤں اس ریلوے سٹیشن کے قریب تھا۔ اس گاؤں کا نام اب ذہن میں نہیں رہا۔

شفیق بڑا دلچسپ اور شرارتی لڑکا تھا۔ جامع مسجد کے خادم کا نام طالب دین تھا۔ وہ دبلا پتلا سا بوڑھا آدمی تھا اور نابینا تھا، لیکن اس کی بصیرت بڑی تیز تھی۔ کوئی لڑکا شرارت کرتا تو فوراً اس کا احساس جاگ اُٹھتا اور وہ اپنی بے نور آنکھیں پوری طرح کھول کر اور سر اونچا کر کے اُدھر متوجہ ہو جاتا۔ شفیق پر اُسے بہت اعتماد تھا، شفیق بھی اسے ہر وقت ''بابا جی، بابا جی'' کہتا رہتا، کھانے پینے کی کوئی چیز کہیں سے آتی تو وہ شفیق کو آواز دیتا اور چیز اس کے حوالے کر دیتا۔

مسجد کی اندرونی دیوار پر جو گھڑیال لٹکتا رہتا تھا، اس پر وقت طالب دین عام طور پر شفیق سے پوچھتا تھا۔

ایک دن اُس نے شفیق کو آواز دی اور پوچھا۔

شفیق! گھڑی پر کیا بجا ہے؟

شفیق نے فوراً جواب دیا: اینٹ

یہ سنتے ہی طالب دین (جسے عام طور پر لوگ ''تالو'' کہتے تھے۔) طیش میں آ گیا اور جدھر سے آواز آئی تھی، اس طرف ڈنڈا لے کر دوڑا اور ڈنڈا زور سے شفیق کی طرف چلایا۔ لیکن شفیق بچ گیا۔ تھوڑی دیر بعد شفیق نے منت سماجت کر کے طالب دین سے صلح کر لی، اب طالب دین پھر شفیق پر مہربان تھا۔

۱۵۔ مشتاق:

یہ شفیق کا بڑا بھائی تھا جو کچھ عرصہ کوٹ کپورے میں مولانا عطاء اللہ صاحب سے تعلیم

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

حاصل کرتا رہا۔ اس کا یارانہ زیادہ تر ہندو لڑکوں سے تھا۔

شفیق اور مشتاق کے والد کئی دفعہ مولانا کی خدمت میں آئے تھے۔ وہ سنجیدہ مزاج کے بزرگ تھے، مجھے یاد پڑتا ہے ان کا نام میاں جان محمد تھا اور وہ اپنے گاؤں کی مسجد کے امام تھے۔

۱۶۔ محمد شفیع:

یہ ریاست فرید کوٹ کے ایک گاؤں ''نواں قلعہ'' کا رہنے والا تھا، بڑا تیز طرار نوجوان تھا، پڑھنے کا بھی شوق تھا لیکن لکھنے کا شوق زیادہ تھا، کئی کئی تختیاں روزانہ لکھتا تھا اس لیے اس کا خط (ہینڈ رائٹنگ) بہت اچھا تھا۔ ۱۹۳۶ء کے بعد ۱۹۴۷ء تک دو یا تین دفعہ ہی اس سے ملاقات ہو سکی، اس کے بعد اس سے ملنے کا موقع نہیں ملا۔ معلوم نہیں کہاں ہے اور کس حال میں ہے۔

۱۷۔ محمد صدیق:

ان کا تعلق بھی ''نواں قلعہ'' سے تھا۔ ان کی بڑی بہن کی شادی کوٹ کپورے میں ہوئی تھی یہ بہن کے گھر رہتے تھے اور مولانا عطاء اللہ صاحب سے بعض کتابیں پڑھتے تھے۔ آزادی کے بعد تحصیل جڑاں والا کے ایک گاؤں چک نمبر ۱۰۹ گ ب میں آ بسے تھے۔ ہمارے گاؤں میں ان کی عزیزداری ہے۔ ان کا ایک لڑکا ہمارے گاؤں میں مقیم ہے جہاں ان کا آنا جانا ہے اس لیے ان سے کبھی کبھی ملاقات ہو جاتی ہے اور پرانی یادیں تازہ ہو جاتی ہیں۔

۱۹۳۳ء سے ۱۹۳۶ء کے آخر تک چار سال مولانا عطاء اللہ حنیفؒ ہمارے ہاں خدمات سرانجام دیتے رہے۔ اس اثنا میں مندرجہ بالا حضرات نے تھوڑا یا زیادہ عرصہ وہاں ان سے استفادہ کیا اور ان کی تدریسی زندگی کے عہدِ آغاز میں ان کے حلقۂ شاگردی میں شامل ہوئے۔ یہ تمام طلبا دور یا قریب کے علاقوں سے مولانا کی خدمت میں حصولِ علم کے لیے بغیر کسی پراپیگنڈے اور اشتہار بازی کے آئے تھے۔

مولانا عطاء اللہ صاحب کی پیدائش کے زمانے میں عام طور پر بچوں کی تاریخ ہائے ولادت کو ضبطِ تحریر میں لانے اور محفوظ رکھنے کا دیہات میں اہتمام نہیں کیا جاتا تھا اس لیے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

صحت وتیقن کے ساتھ تو یہ نہیں بتایا جا سکتا کہ وہ کس تاریخ کو پیدا ہوئے، البتہ اپنے والدین اور خاندان کے بعض بزرگوں کے حوالے سے جو روایت وہ کبھی کبھی بیان کیا کرتے تھے، اس کی رُو سے ان کی ولادت ۱۹۰۹ء یا ۱۹۱۰ء میں ہوئی تھی۔

ان کا مولد ضلع امرتسر کی تحصیل ترنتارن کا ایک گاؤں ''بھوجیاں'' تھا۔ یہ گاؤں درودیوار کی گنتی اور افراد کی تعداد کے اعتبار سے تو بے شک محدود اور سمٹا ہوا تھا لیکن علم وعرفان اور معرفت وادراک کے لحاظ سے بڑی وسعت اور پھیلاؤ کا مالک تھا، اس نواح میں اُسے علماء کے مسکن اور اصحابِ فضائل وکمالات کے مرکز کی حیثیت حاصل تھی۔ وہاں کے ایک بزرگ مولانا فیض محمد خان تھے جو پٹھان برادری سے تعلق رکھتے تھے اور مولانا عبداللہ بن عبداللہ غزنویؒ، مولانا عبدالجبار غزنویؒ، مولانا عبدالرحیم غزنویؒ اور بعض ان دیگر علمائے غزنویہ کے شاگرد اور عقیدت مند تھے، جن کا سلسلۂ درس وتدریس امرتسر میں جاری تھا۔

فارغ التحصیل ہونے کے بعد مولانا فیض محمد نے (جو اپنا نام شروع میں فیض محمد خاں اور آخر میں فیض اللہ خاں تحریر فرماتے تھے۔) اپنے گاؤں بھوجیاں میں مدرسہ فیض الاسلام کے نام سے خود اپنی درس گاہ قائم کر لی تھی، جس میں متعدد علماء وطلباء نے ان سے استفادہ کیا۔ مولانا فیض محمد کا انتقال ۱۹۲۵ء میں ہوا تھا۔ ان کے صاحبزادگان گرامی قدر مولانا عبدالرحمٰن، مولانا عبداللہ اور مولانا عبدالرحیم تھے۔ جو ۱۹۴۷ء کے ہنگامے میں سکھ بلوائیوں کے ہاتھوں جامِ شہادت نوش کر گئے تھے۔ یہ تینوں بھائی بڑے نیک اور عالم وفاضل تھے۔

حضرت مولانا عطاء اللہ صاحبؒ کے والد محترم کا اسم گرامی میاں صدر الدین حسن تھا۔ یہ ضلع امرتسر کے ایک گاؤں ''مالووال'' سے نقل مکانی کر کے بھوجیاں میں آ بسے تھے، یہاں آ کر ان کا تعلق مولانا فیض محمد خاں سے ہوا، میاں صدر الدین پہلی مرتبہ انہی کی رفاقت میں حضرت الامام مولانا عبدالجبار غزنویؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے تھے۔ پھر اس طرح ان کے حلقۂ ارادت میں شمولیت اختیار کی کہ جب تک وہاں نہ جاتے، دل کو سکون اور

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

روح کو اطمینان حاصل نہ ہوتا۔ انھوں نے امام صاحب سے بے حد فیض حاصل کیا۔

میاں صدر الدین حسین کی اہلیہ محترمہ شادی سے تھوڑا عرصہ بعد وفات پا گئی تھیں۔ ان سے جو لڑکا پیدا ہوا، اس کا نام حافظ عبداللہ تھا۔ (حافظ صاحب کا انتقال تقریباً ۳۲۔۳۴ برس پہلے لاہور میں مولانا عطاء اللہ صاحب کے مکان پر ہوا تھا۔) حضرت الامام مولانا عبدالجبار غزنویؒ کے مریدین ومعتقدین کا دائرہ بہت وسیع تھا۔ جن میں خواتین بھی شامل تھیں۔ ان میں سے ایک بیوہ خاتون تھیں، جن کے بطن سے پہلے شوہر کی ایک بیٹی بھی تھی۔ امام صاحب نے اس خاتون کا نکاح میاں صدر الدین سے کر دیا تھا اور لڑکی جن کا نام فاطمہ بی بی تھا، مولانا محمد سلیمان انصاری (رکن ادارہ الاعتصام) کے والدِ محترم میاں علی محمد کے عقد میں دے دی تھی۔ میاں علی محمد موضع بگیاڑی (ضلع شیخوپورہ) کے رہنے والے تھے اور امام صاحب کے مرید تھے، نہایت نیک اور صالح بزرگ تھے، حسن سیرت کے ساتھ ساتھ حسنِ صورت کی نعمت سے بھی اللہ نے ان کو خوب نوازا تھا۔ میں نے ان کو کوٹ کپورے میں مولانا عطاء اللہ صاحب کے مکان پر دیکھا تھا۔ مولوی سلیمان کی والدہ کو بھی مجھے کئی دفعہ سلام کرنے کا شرف حاصل ہوا۔ لمبے قد کی باپردہ خاتون تھیں۔ دونوں میاں بیوی انتہائی پرہیزگار تھے اور ہمارے ہاں مولانا عطاء اللہ صاحب کی وجہ سے ان کی آمدورفت تھی۔ سب مرد وزن ان کا احترام کرتے اور ان سے طالب دعا ہوتے تھے۔ ایسے مخلص وپارسا لوگ اب کہاں ملتے ہیں۔

میاں صدر الدین حسین کی اُس اہلیہ محترمہ کے بطن سے (جن کا نکاح ان سے حضرت امام صاحب نے کیا تھا) مولانا عطاء اللہ صاحب پیدا ہوئے۔ یہ بڑی خوش نصیب اور بلند بخت خاتون تھیں، جس نے اتنے بڑے عالم کو جنم دیا رحمۃ اللہ علیہم۔

نہایت بابرکت ماحول میں مولانا عطاء اللہ صاحب نے شعور کی دہلیز پر قدم رکھا۔ ناظرہ قرآن مجید انھوں نے مولوی عبدالکریم (یا فضل کریم) بھوجیانی سے پڑھا جو مولانا عبدالجبار غزنویؒ کے شاگرد اور مرید تھے۔ ترجمہ قرآن تین بزرگوں سے پڑھا۔ اپنے والد محترم میاں صدر الدین حسین سے، مولانا فیض محمد خاں سے اور ان کے بڑے صاحبزادے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مولانا عبدالرحمٰن صاحب سے۔ اس دور کے مروجہ نصاب کی بعض ابتدائی کتابیں بلوغ المرام، مشکوٰۃ شریف اور صرف ونحو کی چند کتابیں مولانا عبدالرحمٰن سے پڑھیں۔ اس زمانے میں فارسی لازماً پڑھائی جاتی تھی۔ مولانا عطاء اللہ نے فارسی کے چند چھوٹے چھوٹے ابتدائی رسالے جو اخلاقیات سے متعلق نظم ونثر میں تھے۔ اپنے گاؤں کے ایک بزرگ حاجی امان اللہ جو علامہ عزیز انصاری کے والد اور حاجی ابراہیم انصاری (گوجراں والا) کے اور عثمان ابراہیم کے تایا تھے، سے پڑھے۔

زندگی میں انسان کو بسااوقات کئی قسم کے حالات سے گزرنا پڑتا ہے اور وہ حالات آگے چل کر اس کی تاریخ کا حصہ بن جاتے ہیں۔ مولانا عطاء اللہ صاحب کو بھی اس قسم کے حالات سے گزرنا پڑا۔ انھوں نے ایک مرتبہ بتایا کہ مولانا فیض محمد خاں، جن کے ان کے والد سے بڑے اچھے تعلقات تھے کسی بنا پر والد صاحب سے ناراض ہو گئے اور نوبت یہاں تک پہنچ گئی کہ مولانا نے میاں صدرالدین کے لڑکے یعنی نوعمر عطاء اللہ کو پڑھانے سے انکار کر دیا۔ وہ مولانا کی خدمت میں پڑھنے کے لیے حاضر ہوتے تھے اور مولانا ان کو حلقۂ درس سے نکال دیتے تھے، اِدھر والد اصرار کرتے تھے کہ وہ بہرصورت ان کی خدمت میں جائیں اور ادھر یہ حالت تھی کہ اُستاد انھیں دیکھنا گوارا نہ کرتے تھے، جوں ہی وہ مسجد میں جاتے، فوراً بھگا دیے جاتے۔

یہ نہایت عجیب وغریب صورتِ حال تھی جس سے وہ دوچار تھے۔ گھر گئے تو والد نے بھگا دیا کہ مسجد میں جا کر اُستاد سے پڑھو۔ مسجد میں گئے تو استاد نے شاگردوں کی صف میں بیٹھنے سے روک دیا اور کہا نکلو یہاں سے۔!

مولانا فیض محمد خاں مزاج کے سخت تھے۔ اس کے برعکس ان کے بڑے صاحبزادے مولانا عبدالرحمٰن نرم طبیعت تھے۔ وہ باپ سے کہتے تھے اس بچے کو پریشان نہ کیا جائے، یہ پڑھنا چاہتا ہے اسے پڑھانا چاہیے۔

اس اثنا میں میاں صدرالدین وفات پا گئے اور ماں بیٹے کی آمدنی کا بظاہر کوئی ذریعہ نہ رہا۔ ان کو پڑھنے لکھنے کا بے حد شوق تھا۔ لیکن غربت نے اس قدر زور باندھ رکھا تھا کہ نہ

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کتاب خریدنے کے لیے کوئی پیسہ تھا اور نہ لکھنے کے لیے تختی یا کاپی خریدنے کی سکت! ان کا بیان ہے کہ وہ سفید چاک سے دیواروں پر لکھتے رہتے تھے۔ اس طرح انھوں نے اُستاد کی مدد واصلاح کے بغیر لکھنا سیکھا۔

مولانا عطاء اللہ نے بہت سال پہلے ان سطور کے راقم کو اپنے گھریلو حالات اور مقامی معاملات سے متعلق بہت سی باتیں تفصیل سے بتائی تھیں اور جن حالات میں انھوں نے شعور کی آنکھیں کھولیں۔ اس کے متعدد گوشوں کی وضاحت کی تھی، جو لوگ ان سے ہمدردی کا برتاؤ کرتے تھے ان کا بھی انھوں نے ذکر کیا اور جن لوگوں کی طرف سے کسی وجہ سے کچھ دوسری قسم کا سلوک روا رکھا گیا، اس کا بھی انھوں نے خوش گوار انداز میں تذکرہ فرمایا تھا لیکن میں وہ سب تفصیلات حذف کر رہا ہوں، صرف اتنی بات عرض کرنا چاہتا ہوں کہ اپنی طالب علمی کی زندگی کا آغاز انھوں نے انتہائی تنگ دستی اور غربت کی حالت میں کیا تھا اور اسی حالت میں یہ دور اختتام کو پہنچا تھا۔ مگر آگے چل کر اللہ تعالیٰ نے ان کو علمی میدان میں بڑی شہرت وناموری سے سرفراز کیا اور اپنی کرم فرمائیوں سے خوب نوازا۔ قرآن کے الفاظ میں کہنا چاہیے۔

﴿وَ اللّٰهُ يَخْتَصُّ بِرَحْمَتِهٖ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَ اللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ۝﴾

(البقرۃ: ۱۰۵)

''اور اللہ تو جسے چاہتا ہے اپنی رحمت سے خاص کر لیتا ہے اور وہ بڑا ہی فضل کرنے والا ہے۔''

جب گاؤں میں حصولِ علم کی کوئی صورت باقی نہ رہی تو ۱۹۲۴ء میں وہ کسی نہ کسی طرح دہلی پہنچ گئے، جس کو اس دور میں علم وعلماء کے مرکز کی حیثیت حاصل تھی۔ وہاں کے بعض سرمایہ داروں نے جنھیں ''سیٹھ'' کہا جاتا تھا۔ اپنے طور پر دینی تعلیم کے مدارس قائم کر رکھے تھے جن میں اُونچے درجے کے اصحابِ علم فرائض تدریس انجام دینے پر مامور تھے۔ مدرسین کو معقول ماہانہ تنخواہیں پیش کی جاتی تھیں۔ اور طلباء کو ماہانہ وظائف دیے جاتے تھے۔ اسی قسم کا ایک مدرسہ دہلی کے ایک مشہور سیٹھ حافظ حمید اللہ نے جاری کیا تھا۔ حافظ صاحب بڑے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مخیّر اور اہلِ علم کے قدر دان تھے۔ ان کے مدرسے کا نام مدرسہ حمیدیہ تھا جو وہاں کی مسجد کلاں میں قائم کیا گیا تھا۔ اکتوبر ۱۹۴۵ء کو میں ایک سلسلے میں مولانا عطاء اللہ صاحب کے ساتھ دہلی گیا تو انھوں نے مجھے یہ مدرسہ دکھایا تھا۔

مدرسہ حمیدیہ میں ان دنوں حضرت مولانا عبدالجبار کھنڈیلوی کا سلسلۂ تدریس جاری تھا، مولانا عطاء اللہ اس میں شامل ہو گئے۔ اس وقت ان کی عمر چودہ پندرہ برس تھی۔ صحاح ستہ کی تکمیل انھوں نے مولانا کھنڈیلوی سے کی۔ تفسیر جلالین بھی انہی سے پڑھی۔

اس زمانے میں دہلی کے پھاٹک حبش خاں میں مولانا ابوسعید شرف الدین خدمت تدریس سرانجام دے رہے تھے۔ ان کے مدرسے کا نام ''مدرسہ سعیدیہ'' تھا۔ مولانا عطاء اللہ صاحب نے ان کے حضور بھی زانوے تلمذ تہہ کیا اور ان سے شرح نخبۃ الفکر، مؤطا امام مالک اور بعض دیگر کتابیں پڑھیں۔

دہلی وہ (۱۹۲۸ء تک) چار سال رہے اور اسی اثنا میں تفسیر، حدیث اور مروجہ علوم کی کتابیں پڑھیں۔ مدرسہ حمیدیہ کی طرف سے ہر طالب علم کو تین روپے ماہانہ وظیفہ ملتا تھا۔ اس انتہائی سستے اور سادہ زمانے میں کھانے پینے کی تمام ضرورتیں بہ آسانی اس وظیفے سے پوری ہو جاتی تھیں بلکہ کچھ پیسے بچ جاتے تھے۔ بچے ہوئے پیسوں سے مولانا عطاء اللہ کتابیں خرید لیتے تھے۔

ابتدائی دور طالب علمی ہی سے ان کا اصل موضوع حدیث اور علومِ حدیث تھا۔ علومِ حدیث کی حدود بہت وسیع ہیں، جس میں شروحِ حدیث، اصولِ حدیث، رجالِ حدیث، درجاتِ حدیث، اقسامِ حدیث، طبقاتِ محدثین، تاریخ حدیث، حجیتِ حدیث، ائمہ حدیث اور اسنادِ حدیث وغیرہ اُمور شامل ہیں۔ حدیث کی کون سی کتاب کب چھپی؟ کس نے چھاپی اور اس پر کس نے حواشی وتعلیقات سپردِ قلم کیے اور کس انداز سے کیے۔ اس سلسلے کی تفصیلات سے وہ خوب آگاہ تھے۔

دہلی کے کتب فروشوں اور ناشروں سے دورِ طالب علمی ہی میں ان کے مراسم قائم ہو گئے تھے اور اسی عہد میں انھوں نے کتابیں خریدنے اور جمع کرنے کا سلسلہ شروع کر دیا تھا۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

وہ کتابیں خریدتے اور جمع ہی نہیں کرتے تھے۔ باقاعدہ ان کا مطالعہ بھی کرتے تھے۔ اور اپنی دلچسپی کے مواد پر نشان لگاتے تھے اور جلد بنواتے وقت جلد ساز کو ابتدائے کتاب میں تین چار سفید ورق زیادہ لگانے کی ہدایت کرتے تھے تاکہ ان پر لکھا جا سکے کہ کتاب کے فلاں صفحے میں فلاں مسئلے پر اس اسلوب سے بحث کی گئی ہے۔

میں ۱۹۴۵ء میں ان کے ساتھ دہلی گیا تو وہ ان تمام ناشروں اور تاجران کتب کے ہاں مجھے لے کر گئے جن سے قیامِ دہلی کے زمانے میں ان کے تھوڑے بہت مراسم رہے تھے۔ یہ دکانیں زیادہ تر جامع مسجد کے اردگرد اُردو بازار میں تھیں۔ ان میں سے جو لوگ اُس وقت زندہ تھے وہ مولانا سے بڑے احترام کے ساتھ پیش آتے تھے۔ وہاں کے مختلف مدارس کے علماء و مدرسین حضرات سے بھی ان کے بہت اچھے تعلقات تھے اور وہ ان کی بڑی توقیر کرتے تھے۔ مدرسہ رحمانیہ بھی میں نے اسی زمانے میں دیکھا اور مولانا عبید اللہ رحمانی مبارک پوریؒ اور مولانا نذیر احمد رحمانی املوی کی زیارت کا پہلی اور آخری مرتبہ وہیں شرف حاصل ہوا۔ دہلی سے فراغت کے بعد وہ اپنے گاؤں بھوجیاں واپس آئے تو کتابوں کا اچھا خاصا ذخیرہ ان کے ساتھ تھا۔

بھوجیاں میں وہ زیادہ عرصہ نہیں ٹھہرے۔ جلد ہی مختلف فنون کی تحصیل کے لیے لکھوکے (ضلع فیروز پور) چلے گئے۔ وہاں حضرت مولانا عطاء اللہ لکھوی کا سلسلۂ تدریس جاری تھا اور بالخصوص صرف ونحو اور منطق وفلسفہ وغیرہ کے سلسلے میں ان کی بڑی شہرت تھی۔ مولانا عطاء اللہ بھوجیانی وہاں ان سے انہی علوم کی بعض انتہائی کتابیں پڑھنا چاہتے تھے۔

مولانا عطاء اللہ لکھوی کو اُستادِ پنجاب کی حیثیت حاصل تھی اور طویل عرصے سے صورتِ حال یہ تھی کہ جس شخص کو لکھوکے میں حصولِ تعلیم کے مواقع حاصل نہیں ہوتے تھے۔ اس کے علم کو مکمل نہیں سمجھا جاتا تھا، موجودہ دور کے تمام اہل حدیث علماء و مدرسین بالواسطہ یا بلاواسطہ غزنوی اور لکھوی علمائے کرام سے تعلق شاگردی رکھتے ہیں۔ اللہ کے فضل سے اب بھی ان دونوں خاندانوں کے درس وتدریس کے سلسلے نہایت عمدگی سے جاری ہیں۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

غزنویوں کا سلسلۂ تدریس دارالعلوم تقویۃ الاسلام کے نام سے لاہور میں اور لکھویوں کا جامعہ محمدیہ کے نام سے اوکاڑہ اور رینالہ خورد (ضلع اوکاڑہ) میں جاری ہے۔ جامعہ محمدیہ اوکاڑہ کا اہتمام مولانا معین الدین لکھوی کے سپرد ہے اور رینالہ خورد کا حافظ شفیق الرحمٰن بن حضرت مولانا عطاء اللہ لکھوی کے سپرد ہے.....!

جس زمانے میں مولانا عطاء اللہ صاحب دہلی سے لکھو کے گئے تھے۔ اس زمانے میں مولانا حافظ عبداللہ بڈھیمالوی بھی وہیں تھے اور مولانا عطاء اللہ لکھوی کے حلقۂ درس میں شامل تھے۔ مولانا عطاء اللہ بھوجیانی سے حافظ صاحب اچھی طرح متعارف تھے۔ مولانا عطاء اللہ صاحب نے ایک دو مرتبہ پرانی باتیں بیان کرتے ہوئے بتایا کہ جب وہ لکھو کے پہنچے تو حضرت مولانا عطاء اللہ لکھوی سے ان کے حلقۂ شاگردی میں شامل ہونے کی درخواست کی۔ وہ بڑے دلچسپ انداز میں داخلے کے خواہشمند طلبا سے سوال کیا کرتے تھے۔ ان سے بھی انھوں نے بعض باتیں پوچھیں اور دہلی میں جو کتابیں جن اساتذہ سے پڑھی تھیں، اس کی تفصیلات معلوم کیں۔ پھر فرمایا:

اب مجھ سے کیا پڑھنا چاہتے ہو، تم تو پہلے ہی بہت کچھ پڑھ چکے ہو۔

انھوں نے بعض مضامین کی کتابوں کے بارے میں بتایا تو بولے:

جوان یہ کتابیں نہ میں پڑھا سکوں گا نہ تم پڑھ سکو گے، دونوں پریشان ہوں گے، بہتر ہے کسی دوسری جگہ چلے جاؤ۔

اس قسم کی باتیں وہ عام طور سے ہر نئے آنے والے طالب سے کہا کرتے تھے اور اس کا آغاز لفظِ جوان سے ہوتا تھا۔

اس کے بعد فرمایا تمھاری باتوں سے میں نے اندازہ کیا ہے کہ تم لائق طالب علم ہو، تمھیں مزید علم حاصل کرنے کا شوق بھی ہے اور تم بہت سی ایسی علمی باتیں بھی جانتے ہو جو عام طالب علم نہیں جانتے، لیکن میں تمھیں اپنے مدرسے میں داخل نہیں کرنا چاہتا۔ (داخل نہ کرنے کی انھوں نے کوئی وجہ بھی بتائی تھی۔)

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مولانا عطاء اللہ بھوجیانی اس سے نہایت پریشان ہوئے۔ بالآخر مولانا حافظ عبداللہ بڈھیمالوی کی سفارش سے انھیں داخل کر لیا گیا۔

انہی دنوں ضلع فیروز پور کے ایک گاؤں ''صافووالا'' کے حافظ عبدالرحمٰن صافی بھی وہاں داخلے کے لیے گئے تھے۔ مولانا عطاء اللہ لکھویؒ نے ان کو بھی داخل کرنے سے انکار کر دیا، انھیں بھی حافظ عبداللہ بڈھیمالوی کے کہنے سے داخلہ ملا۔

مولانا عطاء اللہ بھوجیانیؒ یہ واقعہ بعض دفعہ دلچسپ انداز میں بیان فرمایا کرتے تھے، اور اس ضمن میں حضرت مولانا عطاء اللہ لکھویؒ کا جو نقطۂ نظر تھا۔ ہنستے ہوئے اس کی وضاحت بھی کیا کرتے تھے۔

مولانا عطاء اللہ دو سال لکھو کے میں تعلیم حاصل کرتے رہے، وہاں کے تقریباً تمام سرکردہ حضرات سے راقم الحروف کے مراسم تھے اور وہ راقم پر بڑی شفقت فرماتے رہے۔ اب بھی اس نواح کے اکثر لوگ مجھے جانتے ہیں، جو شہر اور ضلع اوکاڑہ میں مقیم ہیں، وہ مولانا عطاء اللہ بھوجیانیؒ کی بہت تعریف کرتے تھے اور ان کی اس زمانے کی باتیں خوش ہو کر سنایا کرتے تھے۔ بقول ان کے مولانا پر اس دور میں نیند کا غلبہ رہتا تھا اور وہ نمازِ فجر کی بمشکل آخری رکعت باجماعت پڑھتے تھے، نماز پڑھ کر پھر سو جاتے تھے۔

یہ بھی عجیب بات ہے کہ ایک دور وہ تھا کہ جب حضرت مولانا عطاء اللہ لکھویؒ ان کو اپنے حلقۂ درس میں شریک کرنے پر رضا مند نہ تھے، پھر وہ دور آیا کہ خود ان کے تین صاحبزادوں نے ان سے استفادہ کیا اور لائقِ صد احترام والد کے حکم سے کیا، جن کو خود اُستاد پنجاب ہونے کا شرف حاصل تھا۔ ان کے ایک صاحبزادے مولانا حبیب الرحمٰن لکھوی مرحوم نے فیروز پور میں ان سے حدیث کی بعض کتابیں پڑھیں اور دو صاحبزادوں حافظ شفیق الرحمٰن اور حافظ عزیز الرحمٰن لکھوی..... نے دارالعلوم تقویۃ الاسلام (لاہور) میں ان کے حضور زانوے شاگردی تہہ کیا۔

تمام لکھوی اکابر مثلاً مولانا محمد حسین لکھوی بن حضرت مولانا حافظ محمد لکھوی، مولانا

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

عطاء اللہ لکھوی، مولانا محمد علی لکھوی، مولانا محمد لکھوی رحمۃ اللہ علیہم اور دیگر حضرات ان کی تکریم کرتے تھے، یہ میرے سامنے کی اور دیکھنے کی بات ہے۔

یوں بھی اللہ تعالیٰ نے لکھوی اہل علم کو جہاں تدین وصالحیت کی نعمتِ فراواں سے نوازا ہے۔ وہاں خوش مزاجی ولطافت اور تحمل وبردباری کی دولت سے بھی مالا مال کیا ہے۔ ان کا یہ وصف بڑا نمایاں ہے کہ خود نقصان اٹھا لیتے اور دھوکے میں آجاتے ہیں لیکن دوسرے کو ذہنی یا قلبی اذیت پہنچانا ہرگز ان کا شیوہ نہیں۔

مجھے ذاتی طور پر بہت سے ایسے لوگوں کا علم ہے جنھوں نے بعض لکھوی بزرگوں کو پریشانی میں مبتلا کیا اور ان کے بارے میں نہایت افسوسناک باتیں کیں۔ لیکن انھوں نے ان کے مقابلے میں خاموشی کو ترجیح دی۔ اس ضمن میں حیرت انگیز بات یہ ہے کہ ان لوگوں نے ان کے خلاف زبانِ طعن دراز کی، جن کے آباواجداد نے یا خود انھوں نے اس خاندان کے بزرگوں سے استفادہ کیا ہے۔ یہ گستاخی اور احسان فراموشی کی انتہا ہے۔

لکھوکے میں حضرت مولانا عطاء اللہ لکھویؒ سے استفادہ کے بعد مولانا عطاء اللہ حنیف بھوجیانیؒ نے گوندلاں والا (ضلع گوجراں والا) کا عزم کیا، جہاں حضرت مولانا حافظ محمد صاحب کا سلسلۂ درس جاری تھا۔ یہ غالباً ۱۹۳۰ء کی بات ہے۔ اس زمانے میں مولانا حافظ عبداللہ بڈھیمالوی اور مولانا حافظ محمد اسحاق سابق شیخ الحدیث دارالعلوم تقویۃ الاسلام، لاہور بھی گوندلاں والا میں حضرت حافظ صاحب کے حلقۂ درس میں شامل تھے۔ حافظ صاحب سے مولانا عطاء اللہ صاحب نے خوب کسبِ فیض کیا اور ان کے علم وفضل سے مستفید ہونے کے ان کو بڑے مواقع میسر آئے۔ حافظ صاحب بھی حدیث اور متعلقات حدیث کے موضوع پر ان کے قلبی لگاؤ کی قدر کرتے تھے اور اس ضمن میں ان کے مطالعہ اور دلچسپیوں سے بہت خوش ہوتے تھے۔

گوندلاں والا میں حضرت حافظ صاحب کا ایک غیر مرتب مسودہ رفع الیدین کے مسئلے سے متعلق تھا، مولانا عطاء اللہ صاحب نے ایک علمی خدمت اُس زمانے میں یہ سرانجام دی کہ ان

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مباحث کو جدید تصنیفی تقاضوں کے مطابق ترتیب دیا۔ اس کی اُردو زبان کو نئے قالب میں ڈھالا، عربی عبارتوں کا اچھے انداز میں ترجمہ کیا، حوالے بہترین اسلوب میں دیے اور اس کا نام رکھا:

"التحقیق الراسخ فی ان احادیث رفع الیدین لیس لھا نا سخ"

کتاب اُردو میں ہے اور نام عربی قسم کا ہے۔

یہ کتاب خوب صورت انداز میں چھپی تھی اور اس کی کتابت وطباعت وغیرہ کا اہتمام مولانا عطاء اللہ صاحب نے کیا تھا۔ اس کتاب کے سلسلے میں لائق شاگرد نے جو تگ وتاز کی، حضرت اُستاذِ مکرم اس سے بڑے متاثر ہوئے اور یہ تاثر عمر بھر قائم رہا۔ حضرت حافظ صاحب سے بے شمار حضرات نے استفادہ کیا۔ لیکن مولانا عطاء اللہ صاحب کو وہ اپنے تمام شاگردوں پر ترجیح دیتے تھے اور اپنے علمی وتحقیقی مقام کی روشنی میں وہ بلاشبہ اس لائق تھے کہ حضرت استاذ کے نزدیک اس مرتبے کے مستحق قرار پائیں۔

۱۹۳۰ء کے لگ بھگ حضرت حافظ محمد صاحب کی تدریسی خدمات مدراس کی جماعت اہل حدیث نے حاصل کر لی تھیں اور وہ گوندلاں والا سے مدراس تشریف لے گئے تھے۔ ان کے شاگردوں میں مولانا حافظ محمد اسحاق صاحب (سابق شیخ الحدیث دارالعلوم تقویۃ الاسلام، لاہور) ان کے ساتھ مدراس گئے تھے۔

گوندلاں والا سے فارغ ہو کر مولانا عطاء اللہ صاحب اپنے گاؤں بھوجیاں تشریف لے گئے۔ ان دنوں وہاں مولانا فیض محمد خان مرحوم کے قائم کردہ مدرسہ فیض الاسلام میں ان کے بڑے صاحبزادے مولانا عبدالرحمٰن خدمات تدریس انجام دے رہے تھے، ان کے کہنے پر مولانا عطاء اللہ صاحب بھی کچھ عرصہ وہاں طلبا کو پڑھاتے رہے یہ وہ مدرسہ تھا جس میں کسی وقت ان کا داخلہ ممنوع قرار دے دیا گیا تھا۔

قیام گوندلاں والا کے زمانے میں مولانا عطاء اللہ صاحب کے حضرت مولانا محمد اسماعیل صاحب سے مراسم پیدا ہوئے جو ۱۹۲۱ء سے گوجراں والا میں سکونت پذیر تھے اور جامع مسجد اہل حدیث میں درسِ قرآن، خطبۂ جمعہ اور تدریسی خدمات سرانجام دے رہے تھے، اس دور

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

میں جماعت اہل حدیث پنجاب کے سربراہ حضرت سید محمد شریف شاہ صاحب گھڑیالوی کو منتخب کیا گیا تھا، اس جماعت کی طرف سے گوجراں والا میں مدرسہ محمدیہ کے نام سے ایک مدرسے کا قیام عمل میں لایا گیا تھا اور اس کے ایک مدرس مولانا عطاء اللہ حنیفؒ کو مقرر کیا گیا تھا۔ اس مدرسے میں بہت محدود تعداد میں طلبا تعلیم حاصل کرتے تھے۔ اس کے دوسرے مدرس مولانا عبداللہ بھوجیانی تھے، جو مولانا فیض محمد خاں بھوجیانی کے صاحبزادے تھے۔ یہ مدرسہ تھوڑا عرصہ ہی جاری رہ سکا۔ غالباً اس کی کل مدتِ حیات تین برس تھی۔ اس اثنا میں مولانا عطاء اللہ صاحب سے جو حضرات تعلیم حاصل کرتے رہے۔ اس کی تفصیل کا تو علم نہیں۔ البتہ دو حضرات کے متعلق مجھے معلوم ہے کہ اس دور میں انھوں نے مولانا ممدوح سے بعض درسی کتابیں پڑھی تھیں۔ ان میں سے ایک گوندلاں والا کے مولانا محمد ابراہیم خلیل تھے اور ایک کا نام محمد علی تھا جو اسی نواح کے رہنے والے تھے۔ محمد علی صاحب مولانا سے ملاقات کے لیے ایک دفعہ ہمارے ہاں کوٹ کپورے بھی گئے تھے۔ خاموش طبع نوجوان تھے۔

۱۹۳۳ء میں حضرت مولانا عطاء اللہ حنیفؒ کی خدمات کوٹ کپورہ (ریاست فرید کوٹ) کی انجمن اصلاح المسلمین نے حاصل کر لی تھیں، جیسا کہ پہلے بتایا جا چکا، وہاں مولانا موصوف جامع مسجد میں خطبۂ جمعہ بھی ارشاد فرماتے تھے اور مقامی و بیرونی طلبا کو مروجہ درسِ نظامیہ کی کتابیں بھی پڑھاتے تھے۔

مولانا کی وہاں تشریف آوری سے بہت عرصہ پہلے سے انجمن اصلاح المسلمین کا سالانہ جلسہ منعقد ہوا کرتا تھا، جس میں مختلف مقامات کے متعدد مقررین وواعظین کو دعوت شرکت دی جاتی تھی، ان حضرات میں مولانا عبدالمجید سوہدروی اور مولانا نور حسین گھرجاکھی بھی شامل تھے۔ ان دنوں جامع مسجد کے خطیب مولوی عبدالرحمٰن تھے جو وہیں کے رہنے والے تھے اور اچھے واعظ تھے۔ وہ عالم جوانی میں وفات پا گئے تھے۔ ان کی وفات کے بعد وہاں خطیب کی ضرورت تھی۔ میرے خیال میں انجمن اصلاح المسلمین کے معزز ارکان نے اس کا ذکر مولانا عبدالمجید سوہدروی یا مولانا نور حسین گھرجاکھی سے کیا ہوگا۔ یہ دونوں

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بزرگ مولانا عطاء اللہ صاحب سے متعارف تھے اور جس جماعت کے مدرسے کے وہ مدرس تھے، اس سے بھی ان کا تعلق تھا۔ انہی کے مشورے سے ارکانِ انجمن نے گوجراں والا لے جا کر مولانا اسماعیل صاحب سے بات کی ہوگی اور پھر ان کی وساطت سے مولانا عطاء اللہ صاحب کی خدمات حاصل کی ہوں گی۔

کوٹ کپورے میں مولانا عطاء اللہ حنیفؒ نے جو خدمات سرانجام دیں، ان کا ذکر گزشتہ سطور میں قدرے تفصیل سے ہو چکا ہے، وہاں کے لوگ ان کا بڑا احترام کرتے تھے اور اس چھوٹے شہر میں ان کو بے حد تکریم کی نظر سے دیکھا جاتا تھا۔ قرب وجوار کے دیہات کے بھی اکثر لوگ ان سے متعارف ہو گئے تھے۔ ان کی سادگی کی بنا پر بعض لوگ انھیں ایک درویش اور دنیوی اُمور سے بے نیاز صوفی قرار دیتے تھے۔

ہمارے علاقے کو ''روپڑ نہر'' سیراب کرتی تھی اور اس کا دفتر کوٹ کپورے سے بجانب مشرق تقریباً تین میل کے فاصلے پر تھا۔ وہیں ریسٹ ہاؤس تھا۔ اس علاقے کے محکمہ نہر کا افسر اعلیٰ اس ریسٹ ہاؤس میں رہتا تھا۔ وہ مسلمان تھا اور اس کا ماتحت عملہ بھی مسلمان تھا۔ ایک دفعہ اس کی بیوی بیمار ہوگئی تو اس نے دو تین آدمی بھیج کر مولانا عطاء اللہ صاحب کو اپنے ہاں بلایا۔ اور بھی متعدد لوگوں کو دعوت دی صبح نو دس بجے سے تقریباً پانچ بجے تک ثابت باداموں پر ایک لاکھ پچیس ہزار دفعہ آیتِ کریمہ ''لَا اِلٰــــہَ اِلَّا اَنْــتَ سُبْحٰنَكَ اِنِّیْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِیْنَ'' پڑھی گئی۔ اس کے بعد مولانا نے دعا مانگی اور اللہ تعالیٰ نے مریضہ کو صحت عطا فرمائی۔

مدعوین کے کھانے کا وہیں انتظام کیا گیا تھا۔ میں بھی اس مجلس میں شریک تھا اور مجھے پہلی دفعہ آیتِ کریمہ کے اس عمل کا پتہ چلا تھا۔ اس کے بعد کئی مرتبہ اس قسم کی بابرکت مجالس میں شرکت کا اتفاق ہوا۔ چھوٹی عمر میں گناہوں کی مقدار کم ہوتی ہے۔ اس لیے اس نوع کے وظائف سے قلب وروح تسکین محسوس کرتے ہیں۔ جیسے جیسے عمر بڑھتی جاتی ہے معصیت میں اضافہ ہوتا جاتا ہے اور طبیعت ذکرِ الٰہی اور وظائف واوراد سے دور ہوتی جاتی ہے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مولانا عطاء اللہ صاحب بعض مریضوں کو چینی کی پلیٹوں پر بھی کچھ لکھ دیا کرتے تھے۔ اس کے پینے سے اللہ تعالیٰ مریض کو شفا عطا فرماتا تھا۔

جس دور کا میں تذکرہ کر رہا ہوں، اس دور میں ہمارا تعلق فرید کوٹ ٹرانسپورٹ کمپنی سے تھا۔ اس کی بسیں کوٹ کپورہ سے موگا مکتسر اور فیروز پور جاتی تھیں۔ بعد کو لاہور بھی آنے لگی تھیں۔ مولانا عطاء اللہ صاحب ان شہروں میں سے جس شہر کو بس کے ذریعے سے جاتے تھے کوئی بس والا ان سے کرایہ نہیں لیتا تھا۔ دہلی، میرٹھ، کانپور، علی گڑھ، بمبئی اور کلکتہ وغیرہ ہندوستان کے تمام بڑے بڑے شہروں میں ہمارے ٹرک جاتے تھے، کئی مرتبہ مولانا بذریعہ ٹرک وہاں سے دہلی گئے۔ ہمارے شہر سے ٹرک لاہور، گوجراں والا، سیالکوٹ اور لائل پور وغیرہ مقامات کو بھی جاتے تھے۔ اگر ان شہروں میں سے ان کا کسی شہر کو جانے کا ارادہ ہوتا تو بڑے احترام سے ان کو فرنٹ سیٹ پر بٹھا لیا جاتا۔ میں کہنا یہ چاہتا ہوں کہ ہمارے ہاں کے تمام طبقے کے لوگوں سے ان کا گھر کے فرد جیسا تعلق ہو گیا تھا اور کسی سے کوئی تکلف نہیں رہا تھا۔

ان کی تکلیف کو سب اپنی تکلیف سمجھتے تھے اور ان کے آرام سے خوش ہوتے تھے، ان کے بھائی حافظ عبداللہ بھی وہیں تشریف لے گئے تھے اور ان کی شادی چند سال پیشتر مولانا کی اہلیہ کی بڑی بہن سے ہوئی تھی، جن کا نام فاطمہ بی بی تھا۔ وہ ایک دفعہ سانڈوں کی لڑائی میں گھر گئی تھیں اور کافی زخمی ہو گئی تھیں۔ محلے کی عورتوں نے اس زمانے میں فاطمہ مرحومہ کی بڑی خدمت کی اور جب تک وہ زخمی حالت میں رہیں ان سے ملنے والی خواتین سخت تشویش کا اظہار کرتی رہیں۔

مولانا عطاء اللہ صاحب کی خدمت میں پندرہ روپے ماہانہ پیش کیے جاتے تھے اور اس انتہائی سستے زمانے میں یہ بڑی معقول رقم تھی۔ جب تک ان کی شادی نہیں ہوئی تھی۔ اُس وقت تک تو وہ کسی کی بیٹھک میں رہے۔ اس کے بعد دو تین روپے ماہانہ کرائے کا مکان لے لیا تھا۔ ابتدا میں ایک سکھ کے مکان میں کرائے پر رہے، وہ درزی تھا اور ذات کا چھینبہ تھا۔ دیال سنگھ اس کا نام تھا اور بہت شریف آدمی تھا۔ مکان بڑا اچھا تھا جو دو کمروں

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اور ایک بیٹھک پر مشتمل تھا۔ بیٹھک کی الماریاں کتابوں سے بھر گئی تھیں۔ مالک مکان خوش تھا کہ اس کے گھر میں علم آیا ہے۔

اس کے بعد مولانا عطاء اللہ صاحب اسی محلے میں مستری محمد ابراہیم کے مکان میں منتقل ہو گئے تھے۔ مستری صاحب موصوف لدھیانہ میں محکمہ ریلوے میں ملازم تھے اور اپنے اہل وعیال سمیت لدھیانہ ہی رہتے تھے۔ یہ بہت عمدہ مکان تھا اور مولانا سے اس کا کرایہ نہیں لیا جاتا تھا۔

مستری ابراہیم آزادی کے بعد لاہور آ گئے تھے اور دھرم پورہ میں اقامت اختیار کر لی تھی۔ حکومت پاکستان کے اعلان کے مطابق انھوں نے مکان کا کلیم داخل کرایا تو اس کی شہادت کے لیے میرے پاس دفتر ''الاعتصام'' آئے۔ ان دنوں میں اس اخبار کا ایڈیٹر تھا۔ میں نے شہادت دی۔ وہ نہایت شریف آدمی تھے، دھرم پورہ میں انھوں نے وفات پائی۔ ان کے پوتے پوتیاں اب بھی وہیں ہیں۔

مستری ابراہیم کے گھر کے بعض افراد لدھیانہ سے کوٹ کپورے آ گئے تو مولانا ان کے ایک عزیز مستری حاجی محمد کریم کے مکان میں منتقل ہو گئے تھے۔ مستری حاجی محمد کریم اس زمانے میں بسلسلۂ ملازمت پٹھان کوٹ میں مقیم تھے۔ اس مکان کا بھی غالباً کوئی کرایہ نہیں تھا یہ مکان جامع مسجد کے بالکل قریب تھا۔ حاجی صاحب پٹھان کوٹ سے وہاں چلے گئے تو یہ مکان بھی خالی کرنا پڑا۔

اس کے بعد کچھ عرصہ وہ ایک شخص جلال الدین کے مکان میں رہے۔ جلال الدین اور ان کے اعزہ واقارب تقسیم ملک کے بعد راجہ جنگ (ضلع قصور) میں آ بسے تھے۔

کوٹ کپورے میں ایک محلے کا نام مِتلیاں والا محلّہ تھا۔ اس محلے میں ایک خاصی بڑی مسجد تھی جو مسجد متلیاں کے نام سے مشہور تھی۔ اس مسجد میں مولانا عطاء اللہ صاحب کے بھائی حافظ عبداللہ صاحب فرائض امامت سرانجام دیتے تھے۔ ''متلے'' ایک برادری کا نام ہے۔ آزادی کے بعد ان میں سے بعض لوگ راجہ جنگ (ضلع قصور) میں آباد ہو گئے تھے۔ اور بعض کسی اور جگہ چلے گئے تھے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جیسا کہ پہلے عرض کیا گیا مولانا عطاء اللہ صاحب بہت بڑے مقرر یا واعظ نہ تھے۔ وہ ایک صاحبِ تحقیق عالمِ دین تھے۔ جلسوں میں بہت کم شرکت کرتے تھے۔ زیادہ تر مطالعہ کتب میں مصروف رہتے تھے اور یہی ان کا اصل مشغلہ تھا۔

مہمان ان کے ہاں بہت آتے تھے اور وہ ان کی اپنی حیثیت کے مطابق بڑی خدمت کرتے تھے۔ زیادہ تر مہمان مختلف مقامات کے علمائے دین ہوتے تھے۔ ان میں بھی اکثر ان کے پرانے ہم جماعت یا ہم مدرسہ دوست ہوتے تھے۔ ان دوستوں میں سے مولانا حافظ محمد بھٹوی تو مجھے یاد ہے کئی کئی دن وہاں رہتے تھے۔ بعض دفعہ اپنے قیام کے دوران حافظ صاحب طلبا کو پڑھاتے بھی تھے۔ میں نے ان سے علم صرف کی بالکل ابتدائی کتاب ''صرف بہائی'' کے چند اسباق پڑھے تھے۔

مولانا عطاء اللہ صاحب بذریعہ ڈاک مختلف مقامات سے کتابیں منگواتے رہتے تھے۔ مثلاً ملتان کے ممتاز اہل حدیث عالم حضرت مولانا عبدالتواب ملتانی سے وہ بہت سی کتابیں منگواتے تھے اور ان کی بڑی تعریف فرمایا کرتے تھے کہا کرتے کہ مولانا عبدالتواب کو جو شخص کتابوں کے بارے میں لکھے وہ فوراً بھیج دیتے ہیں۔ منگوانے والے سے پیسے کا مطالبہ نہیں کرتے وہ جب چاہے اور جس صورت میں چاہے پیسے بھیج دے۔

مولانا عبدالتواب کو میں نے ۱۹۳۸ء میں فتح گڑھ جوڑیاں میں دیکھا تھا۔ چھوٹے قد کے دُبلے پتلے، منکسر مزاج عالم تھے۔

علاہ ازیں وہ بمبئی کے مشہور ناشر کتب شرف الدین واولادُہ سے بھی مختلف موضوعات کی بہت سی کتابیں منگوایا کرتے تھے۔

مولانا عطاء اللہ صاحبؒ مسلکِ سلف میں بڑے سخت تھے۔ لیکن اس کے باوجود دوسرے مسالک فقہ کے اہل علم سے بھی ان کے مراسم تھے اور وہ ان کو قدر کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔ کوٹ کپورہ اس نواح میں اہل حدیث کا مرکز تھا۔ اس کے برعکس فرید کوٹ میں اکثریت بریلوی حضرات کی تھی۔ وہاں ایک معروف عالم مولانا محمد سعید شبلی تھے جن کا مطالعہ بڑا وسیع

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تھا۔ وہ مسلکاً بریلوی حنفی تھے، لیکن مولانا عطاء اللہ صاحب سے ان کا بہت تعلق تھا۔ اسی طرح فرید کوٹ میں ایک بریلوی عالم مولانا علم الدین تھے جو اچھے مقرر اور تیز گفتار تھے۔ مولانا عطاء اللہ صاحب سے ان کے بھی مراسم تھے۔ یہ دونوں بزرگ ارائیں برادری سے تعلق رکھتے تھے۔ ایک مرتبہ کسی اختلافی مسئلے میں مولانا علم الدین اور مولانا عطاء اللہ صاحب کی بحث ہوگئی۔ بحث رات کے وقت فرید کوٹ میں مولانا علم الدین کے مکان پر ہوئی تھی۔ فریقین کے کافی لوگ اس وقت موجود تھے۔ یہ معلوم نہیں کہ بحث کا کیا نتیجہ نکلا۔ یہ البتہ معلوم ہے کہ دو ڈھائی گھنٹے سلسلۂ بحث جاری رہا۔

مولانا علم الدین تقسیم کے بعد اوکاڑے چلے گئے تھے اور ریلوے اسٹیشن کے قریب اخبارات کی ایجنسی سے ان کا تعلق تھا۔ اوکاڑہ کی غلہ منڈی میں ایک بڑی وسیع مسجد ہے۔ اس کے وہ خطیب تھے میں کبھی اوکاڑے جاتا تو ان سے ضرور ملتا وہ نہایت شفقت سے پیش آتے تھے۔ مجھے وہ ازراہِ مزاح وہابی کہا کرتے تھے۔ مرحوم وضعدار اور ملنسار بزرگ تھے۔

مولانا عطاء اللہ صاحب مناظرہ ومباحثہ کے آدمی نہ تھے۔ ہمارے شہر میں ایک گھر مرزائیوں کا تھا اور اس کا سرکردہ شخص امام الدین تھا جو وہاں کے محلّہ ''سرگاپوری'' میں رہتا تھا اور صاحبِ جائیداد شخص تھا۔ اس کی بیٹی کی شادی کے موقع پر چند مرزائی مقرر ومناظر وہاں آ گئے تو انھوں نے مسلمانوں کو مناظرے کا چیلنج دیا۔ مولانا عطاء اللہ صاحب فوراً امرتسر پہنچے اور مولانا عبداللہ معمار کو لے گئے مناظرہ امام الدین کے گھر کے عین سامنے چوک میں ہوا تھا جس میں مولانا عبداللہ معمار کامیاب رہے تھے۔

مناظرے کی بات شروع ہوئی ہے تو ایک اور مناظرے کا ذکر بھی ہو جانا چاہیے جو مولانا عطاء اللہ صاحب کی کوشش سے اس زمانے میں ہوا تھا۔ ضلع فیروز پور کی تحصیل فاضلکا کے ایک گاؤں میں (جس کا نام یاد نہیں رہا۔) ایک عالم مولانا محمد عباس رہتے تھے۔ ان کے علاقے میں احناف کے بریلوی مسلک کے بعض علما نے دیہات میں نماز جمعہ پڑھنے کی شدید مخالفت شروع کر دی تھی۔ یہ مسئلہ یعنی ''جمعہ فی القریٰ'' دورِ غلامی میں اہل

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

حدیث اور احناف کے درمیان موضوعِ بحث رہا ہے اور اس سلسلے میں بعض علمائے کرام نے مضامین ورسائل بھی لکھے ہیں۔ اہل حدیث حضرات نے اسے ضروری قرار دیا ہے اور اکثر احناف نے اس کے لیے جو کچھ شرائط مقرر کی ہیں۔ جہاں وہ شرائط نہ پائی جائیں ان کے نزدیک وہاں جمعہ واجب نہیں۔ اگر جمعہ پڑھا جائے تو ان کا نقطۂ نظر یہ ہے کہ احتیاطاً نمازِ ظہر بھی پڑھ لینی چاہیے۔ اُسے ''احتیاطی'' کہا جاتا تھا۔

میں کہنا یہ چاہتا ہوں کہ مولانا محمد عباس صاحب جو مسلکاً اہل حدیث تھے اور مولانا عطاء اللہ صاحب کے احباب میں سے تھے، ایک مرتبہ کوٹ کپورے مولانا کے پاس آئے اور بتایا کہ انھوں نے اس مسئلے پر بریلوی حضرات سے مناظرے کی تاریخ طے کر لی ہے اور اس کے لیے کسی اہل حدیث مناظر کی خدمات حاصل کرنا ضروری ہے۔ مولانا عطاء اللہ صاحب گکھڑ (ضلع گوجراں والا) گئے اور مولانا احمد الدین گکھڑوی کو لے آئے۔

محکمۂ نہر کے ایک بہت بڑے ریسٹ ہاؤس میں مناظرے کا اہتمام کیا گیا تھا۔ بریلویوں کی طرف سے گوندلاں والا (ضلع گوجراں والا) کے مولانا محمد حسین مناظر تھے۔ اور ان کے صدر مشہور ومعروف بریلوی عالم مولانا عبدالعزیز ملتانی تھے جو ''ملا ملتانی'' کے عرف سے معروف تھے۔ بہت بڑا مجمع تھا۔ یہ غالباً ۱۹۳۵ء کی بات ہے اور تمام منظر اب بھی آنکھوں کے سامنے ہے۔ مناظرے کا آغاز ہوا تو مولانا محمد حسین جواب دینے کے لیے دوسری یا تیسری ''باری'' پر کھڑے ہوئے اور صاف اور واضح الفاظ میں ''آپ جیتے اور ہم ہارے۔'' کہہ کر بیٹھ گئے۔ یہ بالکل ڈرامائی اور غیر متوقع اعلان تھا۔ مولانا عبدالعزیز (یعنی ملا ملتانی) نے بہت کہا کہ کھڑے ہو کر مناظرہ کرو، لیکن مولانا محمد حسین نہیں اُٹھے۔

''اہل حدیث جیت گئے''..... ''وہابی جیت گئے''..... ''بریلوی ہار گئے''..... کی ہر طرف سے زور دار آوازیں آنے لگیں۔ یہ چند منٹ کا مناظرہ تھا۔ جس کا لوگوں پر بہت اثر ہوا۔ متعدد دیہات کے لوگوں نے مسلک اہل حدیث اختیار کر لیا اور جگہ جگہ نماز جمعہ ادا ہونے لگی۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مولانا محمد عباس صاحب اصلاً ضلع حصار کے کسی گاؤں کے رہنے والے تھے اور تقسیم کے بعد پاک پٹن کی مسجد اہل حدیث میں امام وخطیب مقرر کر لیے گئے تھے۔ ان کے چند محققانہ مضامین میرے دورِ ادارت میں ''الاعتصام'' میں شائع ہوئے تھے بڑے میٹھے اور دھیمے مزاج کے عالم تھے، مرحوم نے اپنے مسلک کی بہت خدمت کی۔

پاک پٹن میں مسجد اہل حدیث مولوی عبدالرحمٰن کی کوشش سے بنی تھی جو ضلع فیروز پور کی تحصیل زیرہ کے ایک گاؤں ''قادر والا'' کے باشندے تھے اور وہاں کے ممتاز عالم مولانا کریم الٰہی کے فرزند ارجمند تھے۔ مولوی عبدالرحمٰن پاک پٹن کے ہائی سکول کے ہیڈ ماسٹر تھے۔ اس خاندان کے اکثر حضرات سے میرے مراسم ہیں۔ مرحوم کے ایک بھائی میاں عبدالعزیز ہیں جو کراچی رہتے ہیں اور سب سے چھوٹے میاں عبدالقادر ہیں وہ بھی کراچی میں مقیم ہیں۔ دونوں بھائیوں کا وہاں اچھا کاروبار ہے۔ اگرچہ ان سے ملاقات کے مواقع بہت کم میسر آتے ہیں لیکن بحمد للہ پرانے مراسم قائم ہیں۔

انہی دنوں کا ایک اور واقعہ یاد آیا۔ کوٹ کپورے کے ایک سالانہ جلسے میں جو انجمن اصلاح المسلمین کے زیرِ اہتمام ہوا تھا، مولانا لال حسین اختر، مولانا حافظ محمد حسین روپڑی اور مولانا احمد الدین گکھڑوی کو بھی دعوت دی گئی تھی اور وہ اس میں شریک ہوئے تھے۔ کوٹ کپورے سے سات آٹھ میل کے فاصلے پر ایک کافی بڑا گاؤں ''شیر گھری'' تھا، وہاں قادیانیوں کے پانچ چھ گھر آباد تھے اور وہ تبلیغ کے لیے اپنے مبلغوں کو بلاتے رہتے تھے۔ شیر گھری کے بعض معززین مولانا عطاء اللہ صاحب سے تعلق رکھتے تھے اور ان کی مولانا کے ہاں آمدورفت تھی، انجمن کے جلسے کے دوران دو تین قادیانی مبلغ حسبِ معمول شیر گھری آئے اور مناظرے کا اعلان کیا۔ وہاں کے لوگوں نے مولانا عطاء اللہ صاحبؒ سے بات کی، انھوں نے مولانا حافظ محمد حسین روپڑی، مولانا لال حسین اختر اور مولانا احمد الدین گکھڑوی کو تیار کیا اور کچھ لوگوں کے ساتھ شیر گھری کو روانہ ہو گئے۔ کچا راستہ تھا، سواری کے لیے اونٹوں کا انتظام کیا گیا تھا، مولانا احمد الدین کو سواری کے لیے اونٹنی ملی، انھوں نے اُونٹنی

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

پر سوار ہو کر بہ آواز بلند کہا۔

واذا العشار ''اُتے لت''

اس برمحل جملے پر سب لوگ ہنس پڑے۔

شیر گھری میں مذکورہ بالا تینوں حضرات نے تقریریں کیں، لیکن قادیانی مبلغ مناظرے کے لیے میدان میں نہیں آئے۔

مولانا لال حسین اختر تقریر کے لیے میز پر کھڑے ہو گئے اور نہایت جوشیلے انداز میں تقریر کرنے لگے، وہ ترکی ٹوپی پہنے ہوئے تھے اور چھوٹی چھوٹی کالی ڈاڑھی تھی، جوش تقریری میں وہ سر کو حرکت دیتے تو ان کی ٹوپی کا پھندنا تیزی سے اُچھلتا تھا، کبھی دائیں جانب کو اور کبھی بائیں جانب کو۔

وہ مرزائیت سے تائب ہو کر داخلِ اسلام ہوئے تھے۔ اور مرزائیوں کے مبلغ رہے تھے، اس لیے ان کی کتابوں کے اکثر حصے انھیں زبانی یاد تھے اور لوگ ان کی تقریر سے اس بنا پر زیادہ متاثر ہوتے تھے کہ یہ شخص مرزائیوں کے گھر کا بھیدی ہے اور ان کے متعلق ہر بات کا اسے علم ہے۔

یہ مولانا لال حسین اختر کی جوانی کا زمانہ تھا اور قد و قامت کے اعتبار سے وہ رُعب دار شخصیت کے مالک تھے۔ قیامِ پاکستان کے بعد لاہور میں ان سے ملاقات کا سلسلہ جاری رہتا تھا۔ بڑے زندہ دل اور خوش مزاج عالم تھے۔ اس فقیر پر بڑی شفقت فرماتے تھے، دین پور میں مولانا عبیداللہ سندھی کے مدفن کے قریب ان کی قبر ہے۔ میں مارچ ۱۹۸۸ء میں وہاں گیا تھا اور اُس قبرستان میں مدفون حضرات کے لیے دعائے مغفرت کی تھی۔

یہ تمام حضرات جن کا سطور بالا میں ذکر ہوا، اللہ کو پیارے ہو چکے ہیں۔ رحمۃ اللہ علیہم

انجمن اصلاح المسلمین کے سالانہ جلسے کے موقع پر ایک مرتبہ مولانا حافظ عبدالقادر روپڑی کا بھی مرزائیوں سے مناظرہ ہوا تھا۔ اس وقت حضرت مولانا حافظ عبدالقادر روپڑی بھی موجود تھے۔ مولانا عبدالمجید سوہدروی صدرِ مناظرہ تھے، وہ نہایت سلجھے ہوئے مقرر تھے اور مجلسی گفتگو میں مہارت رکھتے تھے۔ مجھے یاد ہے، مناظرے کے دوران ایک موقع پر

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کھڑے ہو کر انھوں نے فرمایا تھا۔ ''ہم نے بھی چوڑیاں نہیں پہنی ہیں۔''

کثیر تعداد میں لوگ جلسے اور مناظرے میں آئے تھے۔ حافظ عبدالقادر کی یہ جوانی کا زمانہ تھا اور اللہ نے ان کو کامیابی عطا فرمائی تھی۔

مولانا عطاء اللہ صاحبؒ کے دوستوں اور تعلق داروں کا حلقہ بڑا وسیع تھا اور انھیں مختلف مقامات سے روزانہ خطوط آتے تھے۔ اس زمانے میں زیادہ تر پوسٹ کارڈ لکھے جاتے تھے۔ لفافوں کا رواج کچھ کم تھا۔ پوسٹ کارڈ کی قیمت تین پیسے تھی، جو خط آتا مولانا اُسے جیب میں ڈال لیتے۔ اس طرح ان کی جیب اچھا خاصا لیٹر بکس بلکہ ڈاک خانہ بن جاتی تھی۔ ہفتے کا ایک دن غالباً جمعرات اُنھوں نے ہفتہ بھر کے خطوط کا جواب دینے کے لیے مقرر کر رکھا تھا۔

کوٹ کپورے کے مسلمان جیسا کہ گزشتہ صفحات میں عرض کیا گیا۔ مسلکاً اہل حدیث تھے لیکن اس کے باوجود وہاں جمعرات کو غربا و مساکین کو کھانا کھلانے کا عام رواج تھا کہ اس دن شام کے بعد روحیں آتی ہیں، اُنھیں بھوکا نہیں لوٹانا چاہئے۔ اسی طرح ۱۰ محرم کو چاول وغیرہ پکائے اور تقسیم کیے جاتے تھے۔ مولانا عطاء اللہ صاحب نے یہ سلسلہ دیکھا تو ایک چھوٹا سا پمفلٹ شائع کر دیا جس میں رسوم محرم کی وضاحت کی گئی تھی اور بتایا گیا تھا کہ احادیث صحیحہ سے یہ باتیں ثابت نہیں ہیں یہ سب بدعات میں شامل ہیں۔ اس پر ایک ہنگامہ سا ہوا مگر چند روز کے بعد معاملہ دب گیا۔

جو رسوم طویل مدت سے جاری ہوں اور کسی نے ان کی مخالفت نہ کی ہو، ان کے بارے میں یکا یک یہ سن لینا کہ غیر شرعی کام ہے، اکثر طبائع کو ناگوار گزرتا ہے۔ وہاں بھی ایسا ہی ہوا۔ پھر آہستہ آہستہ لوگوں پر اصل حقیقت واضح ہوگئی۔

وہاں ہمارے بزرگوں میں ایک صاحب حاجی محی الدین تھے جو مولانا عبدالواحد غزنویؒ سے بیعت اور لکھوپوں کے عقیدت مند تھے، مختلف دینی مسائل سے متعلق ان کے معلومات خاصے وسیع تھے۔ عام طور پر کوئی نہ کوئی کتاب ان کے زیرِ مطالعہ رہتی تھی بڑے نیک اور پرہیزگار بزرگ تھے۔ تہجد گزار، شب زندہ دار اور نہایت پارسا۔ نماز انتہائی آرام سے ٹھہر ٹھہر

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کر پڑھتے تھے۔ بے شمار لوگوں کو انھوں نے قرآن مجید کی تعلیم دی اور دین اسلام کی مختلف کتابیں پڑھائیں۔ بعض مسائل میں مولانا عطاء اللہ صاحب سے ان کا سلسلۂ بحث جاری رہتا تھا۔ مثلاً دس محرم کو جو پکانے اور تقسیم کرنے کا معاملہ جاری ہے، حاجی محی الدین اس کو صحیح سمجھتے تھے، لیکن مولانا کا نقطۂ نظر کچھ دوسری قسم کا تھا۔ اس بحث میں بعض دفعہ شدت بھی آجاتی تھی، لیکن بعد میں حالات بدل گئے تھے۔

مولانا کے ہمارے ہاں جانے کے چند مہینے بعد انجمن اصلاح المسلمین کے سالانہ جلسے کا موسم آ گیا۔ ارکانِ انجمن نے مولانا سے جلسے کا اشتہار لکھنے اور شائع کرنے کے لیے کہا۔ اُنھوں نے جو اشتہار لکھا اُس پر اقبال کا یہ شعر درج کیا جو ''سرمایہ ومحنت'' کے عنوان کے تحت ''بانگِ درا'' میں مرقوم ہے۔

آفتابِ تازہ پیدا بطنِ گیتی سے ہوا
آسماں! ڈوبے ہوئے تاروں کا ماتم کب تلک

اس سے بعض لوگوں نے سمجھا کہ ہم پُرانے لوگوں کو مولانا نے آسماں کے ڈوبے ہوئے تارے قرار دیا ہے اور کہا ہے کہ ان کے ماتم کی بھی کیا ضرورت ہے، کب تک ان پر رویا پیٹا جائے گا۔

بڑی مشکل سے ان کو شعر کا اصل مطلب سمجھایا گیا۔

سرسید احمد خان مرحوم کے افکار وخیالات سے مولانا کو شدید اختلاف تھا.....

سرسید کے خلاف ایک چھوٹا سا رسالہ ''نیچریت'' میں نے ۱۹۳۵ء میں انہی کے کہنے سے پڑھا تھا، اس رسالے کا اثر بہت عرصے تک میرے ذہن پر رہا۔

مولانا کے ساتھ میں نے ابتدائی زندگی میں کئی شہروں کے سفر کیے۔ ایک مرتبہ (غالباً ۱۹۳۶ء میں) شہید گنج کانفرنس میں لاہور آیا، اس کانفرنس میں پہلی مرتبہ مولانا ظفر علی خان، ڈاکٹر محمد عالم بار ایٹ لا اور شورش کاشمیری کی تقریریں سنیں۔ تقریر کرتے ہوئے مولانا ظفر علی خان سر کو جنبش دیتے تو ان کی ترکی ٹوپی کا پھندنا تیزی سے اِدھر اُدھر حرکت کرنے لگتا، وہ

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بہت بڑے مقرر اور زبردست خطیب تھے۔

اس زمانے کے دُبلے پتلے اور لمبے تڑنگے شورش کاشمیری کی پُرجوش تقریر کا یہ جملہ ابھی تک ذہن میں محفوظ ہے کہ مسجد شہید گنج کے لیے خون کے پہلے قطرے جو زمین پر گریں گے وہ میرے اور میرے بھائی یورش کاشمیری کے ہوں گے۔

یورش عالم جوانی میں تپ دق کے مرض سے وفات پا گئے تھے، یہ شورش کے چھوٹے بھائی تھے اور خاصے تیز مقرر تھے۔ اُنھوں نے بھی اس کانفرنس میں تقریر کی تھی۔

ڈاکٹر محمد عالم اپنے دور کے معروف لیڈر، بہت اچھے مقرر اور قانون دان تھے، لاہور کے رہنے والے تھے اور کشمیری برادری سے تعلق رکھتے تھے۔ ان کی سیاسی زندگی کا آغاز تحریکِ خلافت سے ہوا تھا اور اس تحریک میں انھوں نے بڑا حصہ لیا تھا مجلسِ خلافت بعد کو دو حصوں میں بٹ گئی تھی۔ ایک حصے کی زمامِ قیادت مولانا محمد علی جوہر نے سنبھال لی تھی اور ایک حصہ پنجاب کے رہنماؤں پر مشتمل تھا، جن میں مولانا عبدالقادر قصوری، مولانا داؤد غزنوی، مولانا ظفر علی خان، ڈاکٹر محمد عالم اور بہت سے رہنما شامل تھے۔ مولانا محمد علی جوہر انھیں ''پنجابی ٹولہ'' کہا کرتے تھے۔

مشہور ہے کہ ایک مرتبہ پنجابی حضرات جو مجلس خلافت سے منسلک تھے، مولانا محمد علی کی دعوت پر لکھنؤ گئے۔ ڈاکٹر عالم بھی ان میں شامل تھے۔ مئی کا مہینہ تھا اور سخت گرمی پڑ رہی تھی، دوپہر کا کھانا آیا تو گوشت میں مرچ اتنی تیز تھی کہ پنجابیوں کو اس سے بڑی تکلیف ہوئی، کھانے کے دوران ڈاکٹر عالم نے پانی مانگا تو لکھنؤ کے ایک خلافتی رضا کار نے شیشے کے چھوٹے سے گلاس میں تھوڑا سا پانی ڈالا اور نہایت ادب کے ساتھ ڈاکٹر صاحب کی خدمت میں پیش کیا۔ ڈاکٹر صاحب نے گلاس دیکھا تو ایک طرف کو سر جھکا کر کہا:

ڈال دو میرے کان میں

www.KitaboSunnat.com

مولانا محمد علی نے یہ الفاظ سنے تو بلند آواز سے بولے:۔

بلاؤ سقے کو، ڈاکٹر صاحب کے لیے پانی کا مشکیزہ بھر کر لائے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ڈاکٹر عالم دلچسپ آدمی تھے وہ کسی ایک سیاسی جماعت میں زیادہ عرصہ نہیں رہے تھے، کئی جماعتوں میں شامل ہوئے اور کئی جماعتوں سے نکلے اس بنا پر بعض لوگ انھیں ''ڈاکٹر لوٹا'' کہنے لگے تھے۔

جتنی بات مختصر کرنا چاہتا ہوں، اتنی لمبی ہو رہی ہے اور بات سے بات نکل رہی ہے یہی وجہ ہے کہ لاہور کی شہید گنج کانفرنس سے ہم غیر ارادی طور پر لکھنؤ کی مجلس خلافت کی اس میٹنگ میں جا پہنچے جس میں مولانا محمد علی نے ''پنجابی ٹولے'' کو دعوتِ شرکت دی تھی۔

میں اپنی ابتدائی زندگی کے ان اسفار کا ذکر کر رہا ہوں جو میں نے مولانا عطاء اللہ صاحب کے ساتھ کیے تھے۔ یہ دونوں سفر لاہور کے تھے۔ ایک شہید گنج کانفرنس میں شرکت کا جس کا ذکر ابھی کیا گیا ہے۔ دوسرا انجمن حمایتِ اسلام کے سالانہ جلسے میں شرکت کا۔

انجمن حمایتِ اسلام کے جلسے کی جو باتیں مجھے یاد ہیں۔ان میں ایک یہ ہے کہ شاہ عالمی دروازے کے باہر سرکلر روڈ اور ہسپتال روڈ پر پرانی کتابیں فروخت کرنے والوں کی دکانیں تھیں۔ مولانا ان دکانوں پر گئے اور کتابیں خریدیں۔ وہیں ایک چھوٹی سی کتاب مجھے بھی لے کر دی، کتاب کا نام تو یاد نہیں رہا البتہ اس کے مصنف کا نام پرنسپل چھبیلداس تھا۔ اس کتاب میں کچھ اس قسم کی باتیں بیان کی گئی تھی کہ انگریزوں نے ہندوستان کی کن کن مصنوعات کو ختم کیا اور ان کی جگہ اپنی مصنوعات عام کیں۔ کون کون سی چیزیں ولایت بھیجی جاتی ہیں اور پھر کون سی چیزیں ان کے بدلے میں یہاں لائی جاتی ہیں۔

دوسری بات یہ ذہن میں محفوظ ہے کہ انجمن کا ایک اجلاس سردار سکندر حیات خان کی صدارت میں ہوا، ان کے ساتھ بعض اور بڑے لوگ بھی سٹیج پر موجود تھے۔ حفیظ جالندھری نے نظم پڑھی وہ ترنم سے پڑھتے تھے اور مجمع پر چھا جاتے تھے۔ انھوں نے ایک شعر پڑھا جس میں سکندر حیات کا نام آیا تھا، اس کے بعد وہ تھوڑا سا رُکے اور کہا دوسرے شعر میں ان کی مدح بھی ہو سکتی ہے اور..... ! ان کا مطلب یہ تھا کہ مدح بھی ہو سکتی ہے اور قدح بھی، لیکن اس کا تعلق سر سکندر حیات کے عمل سے ہے۔ اگر وہ انجمن کو پانچ سو روپے چندہ

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

دے دیں گے تو مدح ہو گی۔ ورنہ.....! یہاں وہ پھر رُکے۔ دو تین دفعہ انھوں نے وہی پہلا شعر جس میں سرسکندر حیات کا نام آیا تھا، ترنم سے پڑھا، دوسرا نہیں پڑھا۔

لوگ ہنس رہے اور تالیاں بجا رہے تھے، کوئی کہہ تھا، مدح کیجیے اور کوئی قدح کا نعرہ لگا رہا تھا۔ یہ مشغلہ جاری تھا کہ سرسکندر حیات نے اُٹھ کر پنجابی میں کہا ''منگتا بڑا ڈاہڈا اے''.....اس کے ساتھ ہی انجمن کے ایک رکن نے اعلان کیا۔

سردار صاحب نے پانچ سو روپے عنایت کیے ہیں۔

اس کے بعد حفیظ جالندھری نے دوسرا شعر پڑھا اور پھر بہت سے سرکردہ لوگوں نے چندہ دیا۔ چند منٹ میں کئی ہزار روپے جمع ہو گئے۔

تیسرا واقعہ جو ذہن نے اچھی طرح حفاظت میں لے رکھا ہے یہ ہے کہ ہم لوہاری دروازے سے اسلامیہ کالج کی طرف (جہاں جلسہ ہو رہا تھا) تانگے پر جا رہے تھے۔ شاہ عالمی گیٹ سے تھوڑا سا آگے گئے تو مولانا نے کہا:

وہ دیکھو، حکیم عبدالمجید عتیقی جا رہے ہیں۔

سر پر ترکی ٹوپی، کھلے پائنچے کا پاجامہ اور شیروانی پہنے ہوئے، گورے چٹے، میانہ سا قد اور چھوٹی چھوٹی کالی ڈاڑھی وہ نابینا تھے اور ایک آدمی ان کے ہاتھ میں ہاتھ ڈال کر انھیں لے جا رہا تھا۔ یہ ان کی جوانی کا زمانہ تھا۔ عمر بھر ان کا یہی لباس رہا۔

حکیم عبدالمجید عتیقی نے کسی دور میں بڑی شہرت پائی تھی۔ وہ نابینا ہونے کے باوجود کئی کتابوں کے مصنف تھے۔ ان کی تصنیفات میں ''ترکانِ احرار'' ایک مشہور کتاب ہے۔ سیاست کے موضوع پر بھی انھوں نے کتابیں لکھیں اور طب کے موضوع پر بھی.....!

وہ نہایت ذہین شخص تھے، قدیم شعرائے اُردو کے بے شمار اشعار انھیں یاد تھے۔ لاہور اور بیرون لاہور کی تمام اہم شخصیات کے بارے میں (وہ سیاسی ہوں یا غیر سیاسی) ان کو معلومات حاصل تھیں۔ بہ الفاظ صحیح وہ چلتی پھرتی تاریخ تھے۔ تمام سیاسی ملی اور مذہبی تحریکوں کے نشیب و فراز کا انھیں علم تھا، گزشتہ واقعات سنانا شروع کر دیتے تو سناتے چلے جاتے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

علاوہ ازیں بڑے نیک اور نمازی تھے اور حاجی بھی تھے۔ لاتعداد لوگوں کے متعلق لاتعداد واقعات ان کے ساتھ ہی قبر میں دفن ہو گئے۔

ان کا بہت بڑا کتب خانہ تھا جو اپنی زندگی میں انھوں نے پنجاب یونیورسٹی لائبریری کو دے دیا تھا اور ''عتیقی کلیکشن'' کے نام سے وہاں محفوظ ہے۔ اہل علم اس مجموعے سے استفادہ کرتے ہیں۔ پنڈی بھٹیاں میں بھی ''عتیقی لائبریری'' کے نام سے انھوں نے ایک لائبریری قائم کی تھی۔

میرا ان سے ۱۹۵۲ء میں تعارف ہوا۔ مولانا محمد حنیف ندوی، ملک نصر اللہ خان عزیز اور مولانا غلام رسول مہر وغیرہ سے ان کے گہرے مراسم تھے، مولانا داؤد غزنویؒ سے ملاقات کے لیے شیش محل روڈ پر وہ اکثر آیا کرتے تھے۔ میرے نہایت مہربان تھے، چندروز ان کے ہاں نہ جاتا تو خود ٹیلی فون کرتے یا اہلیہ محترمہ سے کراتے اور میں حاضر ہو جاتا۔ فلیمنگ روڈ پر چوک برف خانہ کے قریب ان کا مطب تھا۔

ان کا یہ کمال تھا اور اس کمال کو تکمیل کی منزل تک پہنچانے میں ان کی اہلیہ کا بھی پورا حصہ تھا کہ انھوں نے زندگی کے انتہائی نازک درجے کے تضادات میں بہ درجۂ غایت خوبصورتی سے بے پناہ توافق پیدا کر رکھا تھا۔ اندازہ کیجیے ان کی اہلیہ بینا تھی اور وہ نابینا، اہلیہ کٹر مسلم لیگی تھیں اور وہ سخت قسم کے نیشلسٹ اور سینے اور دونوں کو داد دیجیے۔ اہلیہ متشدد شیعہ تھیں اور وہ پکے اہل سنت بلکہ اہل حدیث کے قریب تر۔ لیکن دونوں میں بے حد محبت تھی۔ عتیقی صاحب کے تقریباً تمام دوست اہل حدیث یا دیوبندی تھے اور ان کی بیوی ان سب کا بڑا احترام کرتی تھیں۔

عتیقی صاحب نے ۱۹۷۱ء میں وفات پائی ان پر ان شاء اللہ کسی مقالے میں مستقل مضمون لکھا جائے گا۔ یہاں ان کے بارے میں چند سطور اس لیے لکھی گئی ہیں کہ پہلی مرتبہ ۱۹۳۵ء یا ۱۹۳۶ء میں جب کہ میری عمر دس گیارہ برس کی تھی، مولانا عطاء اللہ حنیف نے اشارہ کر کے بتایا تھا کہ وہ دیکھو حکیم عبدالمجید عتیقی جا رہے ہیں۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ مولانا عطاء اللہ صاحب ان کی تصنیفی حیثیت سے بھی آگاہ تھے اور ان کے سیاسی حالات سے بھی باخبر تھے۔ لاہور کے اس سفر کے زمانے میں مجھے یاد ہے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہم مسجد چینیانوالی میں ٹھہرے تھے اور ان دنوں وہاں مولانا حافظ محمد اسحاق اور قاری فضل کریم مقیم تھے۔ یہ دونوں بزرگ مولانا عطاء اللہ صاحب سے دوستانہ علاقہ رکھتے تھے۔ صبح کا ناشتہ انھوں نے حلوہ پوری سے کرایا تھا۔

مولانا عطاء اللہ صاحب کی جہاں ہم شفقتوں کے مستحق قرار پائے۔ وہاں ان سے مار بھی کھائی۔ لیکن الحمد للہ مار پڑھنے لکھنے کی بنا پر ایک مرتبہ بھی نہیں کھائی۔ شرارتوں کی وجہ سے کھائی۔ پڑھنے کی تو بفضلِ خدا یہ صورت تھی کہ جو انھوں نے پڑھایا اور جس انداز سے پڑھایا فوراً ذہن نشین ہو گیا، بلکہ ان کے پڑھانے اور بتائے سے زیادہ ہوا..... کسی کو چھیڑا کسی کو ستایا کسی کو لطیفہ سنایا، کسی کی کتاب اِدھر اُدھر کر دی، کوئی رات کو مطالعہ کر رہا ہے تو دیا بجھا دیا، پھر اس کی شکایت اُستاد سے کی گئی اور ہمیں پکڑ لیا گیا۔ یہ اس دور میں ہمارے اہم مشاغل تھے اور یہی اُستاد سے مار پٹائی کا باعث بنتے تھے۔

ایک مرتبہ (میرے خیال میں ۱۹۳۶ء کے مارچ یا اپریل کی رات ہے کہ) بسیں ''پاس'' کرانے کی غرض سے میرے والد اور دیگر بہت سے لوگ لدھیانے گئے میں اور میری عمر کے کئی لڑکے ان کے ساتھ دو تین بسوں میں بیٹھ گئے اور لدھیانے جا پہنچے۔ لدھیانہ ہمارے ہاں سے جنوب مشرق میں تقریباً ستر میل کے فاصلے پر تھا۔ ''پاسنگ'' کے سلسلے میں پانچ چھ دن وہاں رہنا پڑا۔ اس زمانے میں بولنے والی فلمیں نئی نئی آئی تھیں اور کہا جاتا تھا مورتیں بولتی ہیں میں نے اس سے پہلے نہ فلم کا لفظ سنا تھا نہ سینما کا.....!

لدھیانہ کے ایک سینما ہال میں مجھے یاد ہے ''سوتیلی ماں'' کے نام سے ایک فلم چل رہی تھی، سوتیلی بیٹی کا کردار نور جہاں نے ادا کیا تھا۔ سب لوگ فلم دیکھنے گئے۔ میں بھی گیا اور ہم نے سینما ہال کی دیواروں پر لٹکتی ہوئی مورتوں کو پردہ سکرین پر بولتے ہوئے دیکھا اور سنا بڑا تعجب ہوا کہ یہ بے جان مورتیں کس طرح مختلف انداز میں بولتی، حرکت کرتی، بھاگتی دوڑتی اور خوبصورت آواز میں گانے گاتی ہیں۔

لدھیانہ سے واپس آئے تو کسی نے میرے دادا مرحوم کو میرے بارے میں بتا دیا کہ

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اس نے فلم دیکھی ہے اور فلم اس قسم کی ہوتی ہے۔ اُس وقت اسے عام طور پر ''منڈوا'' کہا جاتا تھا۔ دادا سخت مزاج بھی تھے اور پرہیزگار بھی..... دینی معاملات میں ان کے احساسات بہت نازک تھے۔ میری ابتدائی تعلیم اور تربیت میں ان کا بڑا حصہ ہے۔ ۱۹۳۹ء کی جولائی میں ان کا انتقال ہوا تھا۔ اللہ انھیں کروٹ کروٹ جنت نصیب کرے۔

اُنھوں نے پہلے تو میرے والد کو ڈانٹا، پھر میری باری آ گئی مار مار کر برا حال کر دیا میں ہاتھ جوڑ کر ان کے حضور کھڑا ہو گیا اور رو رو کر غلطی کی معافی مانگی..... لیکن اس سے ان کی تسلی نہیں ہوئی۔ پکڑ کر مسجد میں مولانا عطاء اللہ صاحبؒ کے پاس لے گئے اور فرمایا آپ کے شاگرد صاحب ابھی سے ''منڈوا'' دیکھنے لگے ہیں۔ اسے ایسی سزا دی جائے کہ تمام عمر یاد رکھے اور پھر کبھی یہ حرکت نہ کرے۔

مولانا نے حکم دیا۔

کان پکڑو۔

میں کھڑا تھا، اُن کے حکم کے مطابق کھڑے کھڑے دونوں ہاتھوں سے کان پکڑ لیے۔ انھوں نے زور سے تھپڑ رسید کیا۔ فرمایا۔ ٹانگوں کے نیچے سے ہاتھ نکال کر کان پکڑو۔

ہم نے تعمیل ارشاد کی۔ اسی حالت میں روتے ہوئے معافی مانگی اور آئندہ فلم نہ دیکھنے کا پختہ عہد کیا۔

ٹیلی ویژن پر بھی فلم نہیں دیکھی، فلم کیا باقاعدہ کبھی کوئی ڈرامہ بھی نہیں دیکھا بلکہ صحیح بات یہ ہے کہ خبریں سننے پر بھی طبیعت آمادہ نہیں ہوتی، اس لیے کہ معتبر ذرائع کے مطابق خبروں کے نام سے ریڈیو اور ٹیلی ویژن پر جو کچھ سنایا جاتا ہے وہ خبریں نہیں ہوتیں اور ہی کچھ ہوتا ہے اور ہم ''اور کچھ'' دیکھنے کے عادی نہیں۔

اب تو معاملہ کچھ ٹھنڈا پڑ گیا ہے۔ ورنہ تھوڑا عرصہ پیشتر علمائے کرام کے کچھ اس مفہوم کے گرما گرم بیانات ہر روز اخباروں میں شائع ہوتے رہے ہیں کہ ٹیلی ویژن پر فحش پروگرام دکھائے جاتے اور ناچ گانے کی محفلیں سجائی جاتی ہیں لیکن ہمیں اس کا کچھ پتہ نہیں، اس لیے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کہ ابتدائی عمر ہی میں مولانا عطاء اللہ صاحب نے ہمیں اس درجہ ''بد ذوق'' بنا دیا تھا کہ کبھی طبیعت ادھر متوجہ ہوئی اور نہ اس قسم کے پروگرام دیکھے۔

ہمیں صرف ایک پروگرام سے دلچسپی ہے جو پورے سال کے بعد دکھایا جاتا ہے۔ وہ ہے ۲۲ فروری کو ہندوستان ٹیلی ویژن اور ریڈیو سے مولانا ابوالکلام آزادؒ سے متعلق نشر ہونے والا پروگرام.....!

یہ پروگرام دیکھنے کے لیے ہم بہت بے تاب ہوتے ہیں اور نہایت شوق اور مسرت کے ساتھ دیکھتے ہیں۔ جن حضرات کو ہماری اس کمزوری کا علم ہے وہ بھی ازراہِ کرم بتا دیتے ہیں کہ یہ پروگرام اتنے بجے انڈیا ریڈیو سے نشر ہوگا اور اتنے بجے دور درشن پر دکھایا جائے گا۔ ہم ان کا تہہ دل سے شکریہ ادا کرتے ہیں اور سب کام چھوڑ کر انڈیا ریڈیو بھی سنتے ہیں اور ٹیلی ویژن بھی دیکھتے ہیں۔

مولانا کی شادی قیام کوٹ کپورہ کے زمانے میں مجھے یاد پڑتا ہے ۱۹۳۴ء میں ہوئی تھی۔ ان کے سسر میاں نور الدین تھے جو ان کے نہایت قریبی رشتہ داروں میں سے تھے۔ میرے خیال میں ان کے پھوپھی زاد تھے۔ حضرت مولانا عبدالجبار غزنویؒ کے مرید تھے۔ بڑے نیک اور متقی بزرگ تھے اور ان کے گاؤں بھوجیاں میں سکونت پذیر تھے۔

مولانا عطاء اللہ اسی کھدر کے لباس میں جو وہ ہمیشہ زیب تن کرتے تھے۔ شادی کے لیے اکیلے ہی کوٹ کپورے سے اپنے گاؤں کو روانہ ہوئے۔ شادی کے بعد سات آٹھ دن وہاں رہے۔ واپس آئے تو اطاعت شعار دلہن کھدر کی لمبی سی چادر میں لپٹی ہوئی شوہر نامدار کے پیچھے آہستہ آہستہ قدم اٹھائے جارہی تھیں۔ میرے خیال میں سونے یا چاندی کا کوئی زیور شوہر نے ان کو پیش نہیں کیا تھا، کوٹ کپورے سے روانہ ہونے لگے تو مجھے یاد ہے ہمارے خاندان کی بعض عورتوں نے ان کو پیش کش کی تھی کہ دلہن کے وہ ان سے زیور لے جائیں، لیکن مولانا نہیں مانے تھے اور بغیر زیور کے دلہن کو بیاہ کر لائے تھے۔

مولانا نے ایک مرتبہ فرمایا تھا کہ ان کی بارات میں کون کون حضرات شامل ہوئے تھے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اور نکاح کس عالم نے پڑھایا تھا۔ ولیمے میں شریک ہونے والوں کا بھی اُنھوں نے ذکر کیا تھا۔ لیکن ان حضرات کے نام میرے ذہن میں نہیں رہے۔

ان کی اہلیہ محترمہ کا نام حنیفہ تھا۔ ہم انھیں ''بہن جی'' کہا کرتے تھے۔ میں چھوٹا تھا مجھ سے اس زمانے میں پردہ نہیں تھا ہمارے خاندان اور محلے کی خواتین سے ان کا بہت تعلق تھا سب سے قریبی رشتہ داروں جیسا معاملہ تھا جو قیام پاکستان کے بعد لاہور آ کر بھی قائم رہا۔ وہ ہمارے ہاں، چھوٹی بچیوں کو قرآن مجید پڑھاتی تھیں، لیکن کسی سے کوئی چیز (بصورت کپڑا یا روپیہ پیسہ) نہیں لیتی تھیں۔ اپنے شوہر کی طرح بے نیاز اور سادہ مزاج تھیں۔ انھوں نے ۲۰۔اپریل ۱۹۵۷ء کو لاہور میں وفات پائی۔

ولایتی کپڑے اور سمندر پار کی بنی ہوئی چیزوں کے مولانا عطاء اللہ سخت مخالف تھے۔ ایک مرتبہ عید کے موقعے پر میں نے ولایتی کپڑے کی قمیص سلالی، پہنی تو انھوں نے غصے میں آ کر اُتروادی اور خود اپنی گرہ سے دیسی کپڑے (غالباً کھدر کریب) کی قمیض سلا کر دی۔

گھڑی وہ ضرور رکھتے تھے لیکن جیبی گھڑی۔ اس کے لیے قمیص سلاتے وقت درزی کو ہدایت کر دیتے تھے کہ جیب کے نیچے اتنا سوراخ بنا دیا جائے جس میں گھڑی ڈالی جا سکے۔

ہمارے ہاں وہ لال رنگ کی کھال کی جوتی پہنتے تھے۔ بعدازاں چپل پہننے لگے تھے۔ سردیوں میں موٹی گرم جرابیں پہنتے تھے۔ ان کا تہبند ٹخنوں سے اتنا اونچا ہوتا تھا کہ جرابوں سے دو تین انچ اوپر ان کی پتلی پتلی ٹانگیں ننگی رہتی تھیں اور صاف نظر آتی تھیں۔

۱۹۳۶ء میں ریاست فرید کوٹ میں یہ حادثہ پیش آیا کہ مہاراجہ نے فرید کوٹ کی ایک چھوٹی مسجد کو جو بازار میں تھی سرکاری تحویل میں لے لیا اور پھر اس میں میونسپل کمیٹی کا دفتر بنا دیا گیا۔ اس پر پوری ریاست میں ہنگامہ برپا ہو گیا۔ ریاست کی حدود سے باہر بھی یہ خبر پہنچی اور اخبارات میں بڑی بڑی سرخیوں کے ساتھ چھپی۔ اخبار ''زمیندار'' اور سید حبیب کے اخبار ''سیاست'' میں تو اس سلسلے میں بہت کچھ لکھا گیا تھا۔ ''زمیندار'' میں اس پر مولانا ظفر علی خان کی ایک چھوٹی سی نظم بھی شائع ہوئی تھی۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مولانا عطاء اللہ صاحب نے جو پہلے سے حکومت کے خلاف ذہن رکھتے تھے۔ اس کو خطبات جمعہ کا موضوع بنایا۔ ایک جمعے میں انھوں نے سورہ البقرۃ کی یہ آیت تلاوت کی اور اس پر خطبہ دیا:

﴿وَ مَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ مَّنَعَ مَسٰجِدَ اللّٰهِ اَنْ يُّذْكَرَ فِيْهَا اسْمُهٗ وَ سَعٰى فِيْ خَرَابِهَا﴾ (البقرۃ: ۱۱۴)

''یعنی اس سے بڑا ظالم کون ہوسکتا ہے جو اللہ کی مسجدوں میں لوگوں کو اللہ کا نام لینے سے روکے اور ان کو ویران کرنے میں کوشاں ہیں۔''

ان کی یہ تقریر بڑی زوردار اور مؤثر تھی۔ آج جب یہ سطور لکھی جا رہی ہیں اس واقعہ پر پچپن برس کا طویل عرصہ گزر چکا ہے لیکن مولانا کے وہ الفاظ جو انھوں نے موضوع تقریر بنائے تھے اب بھی کانوں میں گونج رہے ہیں۔

اس سے تھوڑا عرصہ بعد انھیں گرفتار کر کے جیل میں بند کر دیا گیا، لیکن مسلمانوں کے لیے یہ سخت توہین کی بات تھی کہ ان کے خطیب اور عالم کو جیل میں رکھا جائے۔ چنانچہ تیسرے دن کوشش کر کے ان کی ضمانت کرا لی گئی۔ سردار سنت سنگھ دفعہ ۳۰ کا مجسٹریٹ تھا، وہ بڑا معاملہ فہم اور حالات سے باخبر شخص تھا، مولانا کو اس کی عدالت میں پیش کیا گیا تو وہ بڑے احترام سے پیش آیا اور ان کی سادگی سے بہت متاثر ہوا۔ عدالت میں ضمانت نامہ تحریر کرتے وقت ایک لطیفہ بھی ہوا۔ جس کا تعلق مولانا کی ذاتِ گرامی سے ہے۔ لیکن اسے یہاں بیان کرنے کی ضرورت نہیں۔

اس کے بعد حالات ایسے پیدا ہو گئے کہ مولانا کا وہاں رہنا مشکل ہو گیا۔ ریاستوں کے لوگ دوہری غلامی میں جکڑے ہوئے تھے۔ ایک ریاست کے حکمران کی غلامی اور ایک انگریز کی غلامی کسی ریاست میں سیاسی مسائل پر بحث کرنے کی اجازت نہ تھی۔ ریاستوں کے علاوہ برطانوی ہند کے دوسرے علاقوں کو جو براہِ راست انگریزی حکومت کے ماتحت تھے۔ ''انگریزی علاقے'' کہا جاتا تھا، کسی ریاست کے کسی شخص کو سیاست بازی کا شوق ہوتا تو وہ

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ریاست کے باہر کسی علاقے میں چلا جاتا تھا۔مولانا عطاء اللہ صاحب چونکہ اکثر اوقات خطبات جمعہ میں کسی نہ کسی انداز سے سیاسی مسائل پر گفتگو شروع کر دیتے تھے۔اس لیے ان کا وہاں مزید اقامت اختیار کیے رکھنا آسان نہیں رہا تھا۔

حکومت نے ان کا داخلہ ممنوع قرار دے دیا تھا۔اس دور میں ایک مرتبہ وہ موضع ''وٹو'' آئے جو مولانا محمد عبدہ صاحب کا گاؤں تھا اور انگریزی علاقے (ضلع فیروز پور) میں کوٹ کپورے سے گیارہ میل کے فاصلے پر تھا۔ریاست کے بہت سے لوگ جو ان سے دوستانہ یا شاگردانہ تعلق رکھتے تھے۔سائیکلوں اور تانگوں پر وہیں ان سے ملنے گئے تھے۔دو ڈھائی مہینے کے بعد یہ ممانعت ختم کر دی گئی تھی اور وہ پھر کوٹ کپورے تشریف لے گئے تھے۔لیکن اب ان کا وہاں مستقل طور سے قیام پذیر رہنا مشکل ہو گیا تھا۔

انجمن کے سالانہ جلسوں میں وہ بعض مقررین حضرات کو موضوع بھی ایسے دے دیتے تھے،جن میں سیاسی معاملات زیر بحث آ جاتے تھے۔ایک دفعہ مولانا محمد اسماعیل صاحب (گوجراں والا) کو تقریر کا موضوع دے دیا گیا ''مسلمانوں کا ماضی اور حال''

بظاہر یہ معصوم سا موضوع تھا اور اس کا تعلق گزشتہ اسلامی تاریخ اور مسلمانوں کے اس دور کے حالات سے تھا،جن سے وہ اس وقت دوچار تھے۔مولانا اسماعیل صاحب نے تقریر شروع فرمائی تو کہا،بہتر ہوتا کہ مولوی عطاء اللہ تینوں زمانے اکٹھے کر دیتے اور ماضی اور حال کے ساتھ مستقبل بھی ملا دیتے۔

مولانا اسماعیل صاحب کا ایک خاص اسلوب بیان اور نہج تقریر تھا جو تعلیم یافتہ اور غیر تعلیم یافتہ دونوں طبقوں کو یکساں متاثر کرتا تھا،وہ اشارے کنائے میں ایسی باتیں کہہ جاتے تھے جو کوئی دوسرا نہیں کہہ سکتا تھا۔میری عمر اس وقت دس گیارہ برس کی تھی،مجھے اچھی طرح یاد ہے مولانا موصوف کی یہ تقریر ریاست کے حکومتی مزاج کے یکسر خلاف تھی اور اس سے جو تاثرات ابھرتے تھے اس کی ذمہ داری مولانا عطاء اللہ صاحب پر عائد ہوتی تھی۔اس لیے ریاستی حکمرانوں کے لیے ان کی ذات ایک مسئلہ بن گئی تھی۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

پھر ان کے تعلقات ان غیر مسلموں سے بھی قائم ہو گئے تھے جو وہاں کی حکومت کے نزدیک معتوب تھے۔ مثلاً ایک شخص سچا سنگھ تھا جو اکالی لہر میں بڑی تکلیفیں اٹھا چکا تھا اور ریاستی حکومت کا مخالف تھا۔ اس کا مولانا عطاء اللہ صاحب کے پاس آنا جانا تھا، اسی طرح ایک شخص رلیا سنگھ تھا جو کوٹ کپورہ سے بجانب مشرق دس گیارہ میل کے فاصلے پر ایک گاؤں ''برگاڑی'' کا رہنے والا تھا، وہ کمیونسٹ تھا اور مولانا کے ہاں اس کی آمدورفت تھی۔ ایک ہندو تھا جس کا نام مہاشہ کبر چند تھا، یہ شخص آریہ سماج سے تعلق رکھتا تھا اور اس کی سرگرمیاں حکومت کے خلاف تھیں۔ حکومت کو ان سب معاملات کا علم تھا اور مولانا کی نقل وحرکت سے وہ پوری طرح آگاہ تھی۔

یہ نصف صدی قبل کے دورِ غلامی اور ریاستی ماحول میں بہت بڑی اور انتہائی خطرناک باتیں تھیں جو اس وقت معمولی معلوم ہوتی تھیں۔ اختلاف رائے انسانی فطرت کا حصہ ہے اس لیے جماعت اہل حدیث کا اختلاف ایک الگ موضوع ہے جس کا یہ محل نہیں۔

کسی زمانے میں ثنائی روپڑی جھگڑا زوروں پر تھا، اس کی نوعیت کیا تھی اور وہ کن مسائل سے متعلق تھا؟ اس کا مجھے علم نہیں۔ ثنائی روپڑی جھگڑے کو ختم کرانے کی مولانا عطاء اللہ صاحب نے بھی کوشش کی تھی۔ یہ ۱۹۳۵ء کا واقعہ ہے، انھوں نے کوٹ کپورے کی انجمن اصلاح المسلمین کے سالانہ جلسے میں مولانا ثناء اللہ صاحبؒ، مولانا حافظ عبداللہ روپڑیؒ، مولانا عبدالقادر قصوریؒ، سید سلیمان ندویؒ، مولانا حافظ محمد گوندلویؒ اور بعض دیگر اکابر علمائے کرام کو شرکت کی دعوت دی۔ سب نے تشریف لانے کا وعدہ کیا۔ لیکن سوئے اتفاق سے کسی شدید مجبوری کی بناء پر مولانا ثناء اللہ صاحب، حافظ عبداللہ صاحب، مولانا عبدالقادر قصوری اور سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہم تشریف نہ لا سکے۔ باقی تمام حضرات تاریخ مقررہ پر پہنچ گئے تھے یعنی دولھے غائب تھے، برات آ گئی تھی، مولانا عطاء اللہ صاحب پنجابی کے شاعر بھی تھے اور کسی زمانے میں شعر کہتے بھی رہے تھے کبھی کبھی اپنے اشعار سنایا بھی کرتے تھے، میرے خیال میں انھوں نے اپنا کلام کہیں محفوظ نہیں کیا۔ اب اس کا دستیاب ہونا ممکن نہیں۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

حنیفؔ ان کا تخلص تھا۔ ابو الطیب کنیت تھی۔ حضرت نواب صدیق حسن خان کی کنیت بھی ابو الطیب تھی اور شارح ابوداؤد مولانا شمس الحق ڈیانوی کی کنیت بھی یہی تھی۔ مولانا ان حضرات کے علم وفضل سے بہت متاثر تھے۔ اسی لیے انھوں نے اپنے لیے یہ کنیت اختیار کی تھی۔ والدین نے ان کا نام عطاء اللہ رکھا تھا لیکن وہ حصول برکت کے لیے عام طور پر اپنے نام کے ساتھ لفظ محمد کا سابقہ لگاتے تھے۔ مختلف اوقات میں اپنا نام مختلف صورتوں میں تحریر فرماتے تھے۔ مثلاً:

محمد عطاء اللہ حنیفؔ بھوجیانی۔ محمد عطاء اللہ حنیفؔ۔ ابو الطیب محمد عطاء اللہ حنیفؔ۔ حنیف بھوجیانی۔ قیامِ پاکستان کے بعد وہ کچھ عرصہ اپنے آپ کو حنیفؔ پردیسی بھی لکھتے رہے۔

اپنی کتاب پر وہ زیادہ تر ''مملوکہ محمد عطاء اللہ حنیفؔ بھوجیانی'' کے الفاظ تحریر فرمایا کرتے تھے۔

اگر کوئی شخص ان سے نام پوچھتا یا انھیں کہیں اپنا نام لکھوانا ہوتا تو فقط عطاء اللہ بتاتے اور لکھواتے تھے۔

لاہور میں اللہ تعالیٰ نے ان کو ٹیلی فون کی سہولت سے بھی نواز دیا تھا، کسی کو ٹیلی فون کرتے تو فرماتے عطاء اللہ بول رہا ہے۔

میں نے کوٹ کپورے میں ان سے قرآن مجید کا ترجمہ پڑھا۔ علاوہ ازیں اس دور میں مختلف علوم کی جو درسی کتابیں پڑھائی جاتی تھیں ان میں سے مندرجہ ذیل کتابیں پڑھیں۔

حدیث: بلوغ المرام اور مشکوٰۃ شریف۔

علم صرف: صرف بہائی، صرف میر، میزان منشعب، کتاب الصرف، دستور المبتدی، زرادی۔

علم الصیغہ: ابواب الصرف (تمام باب یاد کئے اور آخر کے وہ اشعار بھی یاد کئے جو عوامل سے متعلق ہیں۔)

نحو: نحو میر، نظم مائۃ عامل، شرح مائۃ عامل۔

فقہ: کنز الدقائق اور قدوری۔

اصول فقہ: اصول الشاشی۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

منطق: ایساغوجی، قال اقول۔

ادب عربی: فقہ الیمن، عربی کا معلم حصہ اوّل و دوم۔ لغاتِ جدیدہ (علامہ سید سلیمان ندوی کی تصنیف۔) عربی بول چال (از حافظ عبدالرحمٰن امرتسری) ترجمتین جو طالب علم کے فہم کے مطابق عربی سے اُردو میں اور اُردو سے عربی میں کرایا جاتا تھا۔

سیرت: (اُردو) رحمت اللعالمین جلد اوّل۔ ہمارے رسول، خلفائے راشدین۔

اصولِ حدیث: بعض اقسامِ حدیث، مولانا نے زبانی بتادیں اور یاد کرادی تھیں۔

فارسی: فارسی کی پہلی اور دوسری کتاب (از خلیفہ عماد الدین)

فارسی کی گرائمر: مفتاح الصرف۔

باب: ضرب یضرب سے آخر تک یاد کر لیے تھے۔

شام کے بعد روزانہ ہم سات آٹھ طالب علم مولانا کے ساتھ موگا روڈ پر سیر کو جاتے تھے۔ اس روڈ پر شہر سے نکلتے ہی دو پل آتے تھے۔ ایک شہر سے بالکل متصل اسے ''چھوٹا پل'' کہا جاتا تھا۔ ایک اس سے ڈیڑھ دو فرلانگ آگے وہ ''بڑا پل'' کہلاتا تھا وہاں جا کر مولانا بیٹھ جاتے اور شاگردوں کو سامنے کھڑا کر کے اُن سے باب سنتے۔ پہلے ایک سے پھر دوسرے سے، پھر تیسرے سے۔ اس طرح اپنی اپنی باری سے ہر طالب علم انھیں باب سناتا تھا۔ اگر سناتے کوئی غلطی کرتا تو دوسرے سے کہتے کہ اس نے کہاں غلطی کی ہے اور صحیح کیا ہے، کبھی ایسا ہوتا کہ چلتے چلتے باب سنتے۔

جس کتاب میں ثلاثی، رباعی وغیرہ اقسام صرف کے تمام ابواب خاص ترتیب کے ساتھ درج ہیں، اس کا نام ''ابواب الصرف'' ہے اور یہ کتاب حضرت حافظ محمد لکھوی کی تصنیف ہے۔ اس کتاب سے ہم نے سب باب یاد کر لیے تھے۔

اس کتاب کے ساتھ ہی آخر میں چند صفحات کی ایک اور کتاب ہے جس کا نام ہے۔ ''قوانین الصرف'' یہ کتاب بھی حضرت حافظ محمد لکھویؒ کی تصنیف ہے اور فارسی اشعار میں ہے۔ اس میں قوانین صرف اشعار میں بیان کیے گئے ہیں اور بتایا گیا ہے کہ کون کون سے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

عوامل اپنے بعد آنے والے الفاظ پر کیا اثر ڈالتے ہیں۔ ان عوامل کی وجہ سے کون سے الفاظ مرفوع ہوں گے کون سے منصوب، مجرور یا ساکن ومجزوم ہوں گے۔ یہ اشعار اگر زبانی یاد کر لیے جائیں تو اس موضوع کے بہت سے اہم مسائل ذہن نشین ہو جاتے ہیں۔ میں نے یہ اشعار تین چار روز میں یاد کر کے مولانا کو سنا دیے تھے۔ تقریباً پچپن سال پہلے کے یاد کیے ہوئے وہ اشعار بحمداللہ اب بھی ذہن میں محفوظ ہیں۔

مولانا عطاء اللہ صاحب سے ملاقات کے لیے جو حضرات علما مختلف اوقات میں وہاں تشریف لے گئے ان میں مندرجہ ذیل حضرات کے اسمائے گرامی مجھے یاد ہیں۔

حضرت مولانا حافظ محمد گوندلویؒ

مولانا عبداللہ بھوجیانیؒ: ان کو پہلی اور آخری دفعہ میں نے وہیں دیکھا۔

مولانا عبدالحقؒ: یہ ضلع فیروز پور کے ایک قصبے سنگھاں والے کے رہنے والے تھے اور اُس وقت موضع میر محمد (ضلع قصور) میں سکونت پذیر تھے۔ (قاری محمد عزیر صاحب کے والد مرحوم)

مولانا حافظ محمد بھٹویؒ

مولانا حکیم بدر الدین بدرؒ: وہ قیامِ پاکستان سے کئی سال بعد چک ۱۷ (ضلع اوکاڑہ) میں مقیم رہے تھے پھر پتوکی منتقل ہو گئے۔ وہیں وفات پائی۔

مولانا محمد علی لکھویؒ

مولانا حکیم عبداللہؒ: (سلیمانیہ دواخانہ جہانیاں) روڑی والے۔

مولوی شیر محمدؒ: مشہور ریلوے جنکشن بھٹنڈہ کے رہنے والے تھے۔

مولانا عبداللہؒ موضع کھیپا نوالی (ضلع فیروز پور)

مولوی کمال الدین ڈوگرؒ: موضع چھینبیا نوالہ ضلع فیروز پور۔

سید محمد شریف گھڑیالویؒ

حافظ محمد میری محمدیؒ

حاجی عبدالواحد میری محمدیؒ اور

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

حافظ دوست محمد میر محمدی اکثر وہاں تشریف لے جاتے تھے۔ رحمۃ اللہ علیہم

ایک بزرگ میاں الحمد للہ وہاں جایا کرتے تھے جو ضلع گورداس پور کے کسی گاؤں کے رہنے والے تھے۔ ان کا نام تو امام دین تھا لیکن میاں الحمد للہ کے عرف سے معروف تھے۔ تکلیف میں ہوں یا آرام میں الحمد للہ کے الفاظ ان کی زبان پر جاری رہتے تھے۔ افسوس کی یا خوشی کی کوئی خبر انھیں سنائی جاتی، جواب میں قدرے اونچی آواز سے کہتے "الحمد للہ" بکثرت الحمدللہ کہنے کی وجہ سے ان کا نام ہی میاں الحمد للہ پڑ گیا تھا۔ بڑے چھوٹے سب لوگ اسی نام سے پکارتے تھے۔

میاں الحمد للہ اپنا چھوٹا موٹا کاروبار کرتے تھے۔ وہ مستجاب الدعوات بزرگ تھے۔ نہایت نیک اور پاکیزہ روش اکثر لوگ اپنی ضروریات بیان کر کے ان سے دعا کراتے تھے۔ اللہ تعالیٰ ان کی دعاؤں کو شرفِ قبولیت بخشتا تھا۔

کوٹ کپورے سے دس گیارہ میل کے فاصلے پر بجانب مشرق ریاست نابھہ میں ایک قصبہ تھا۔ "جیتو" وہاں دیسی مہینوں کے حساب سے ہاڑھ کے آخری دنوں میں جب کہ سخت گرمی کا موسم ہوتا ہے۔ مویشیوں کی منڈی لگتی تھی جس میں بھینس، بیل، گھوڑے اور اُونٹ وغیرہ خریدنے کے لیے دور ونزدیک سے بے شمار لوگ آتے تھے۔ میاں الحمد للہ بھی بعض دفعہ اس منڈی میں آتے اور بھینسیں وغیرہ خریدتے تھے۔

ایک دفعہ وہ جیتو منڈی گئے۔ دو بھینسے خریدے اور وہاں سے چل پڑے، وہ کوٹ کپورے سے آنا چاہتے تھے ایک اور شخص ان کے ساتھ تھا، سخت گرمی پڑ رہی تھی جس کی وجہ سے ان کا بھی برا حال تھا اور بھینسوں کا بھی۔ ساتھی نے کہا میاں الحمد للہ دعا کرو اللہ بارش برسائے تاکہ ہمیں بھی کچھ آرام پہنچے اور بھینسے بھی سکھ کا سانس لیں۔

مسکراتے ہوئے جواب دیا۔ بھائی میں بھی سوچ رہا ہوں کہ دعا کروں لیکن ذہن میں یہ بات آتی ہے کہ اگر دعا کرتا ہوں تو بارش برسے گی اور کیچڑ میں بھینسوں کا چلنا بھی مشکل ہو جائے گا اور ہمارا بھی..... اگر دعا نہیں کرتا تو بھنے جا رہے ہیں..... پھر قدرے اونچی

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

آواز سے کہا: الحمد للہ!

بالآخر دعا کی۔ اُسی وقت آسمان پر بادل چھا گئے اور تھوڑی دیر میں جل تھل ہو گیا۔ وہ بارش کی حالت میں بھیگتے ہوئے کوٹ کپورے پہنچے۔

یہ واقعہ میاں الحمد للہ کے ساتھی نے سنایا۔

مولانا عطاء اللہ صاحب کے سسر میاں نور الدین بھی بہت متدین بزرگ تھے اور وہ میاں الحمد للہ کے دوست تھے، جب حسنِ اتفاق سے یہ دونوں بزرگ ہمارے ہاں موجود ہوتے تو اکثر لوگ ان کی خدمت میں آتے، دونوں کو گھروں میں لے جاتے اور دعائیں کراتے۔

اللہ اکبر! کیسا عجیب زمانہ تھا اور لوگوں میں نیکی اور دینداری کا کس درجے غلبہ تھا، اب اس قسم کا دور کبھی نہیں آئے گا، وہ لوگ بھی ختم ہو گئے اور زمانہ بھی بیت گیا۔

ایک دن میں نے میاں الحمد للہ سے عرض کیا کوئی ایسا وظیفہ بتایئے کہ میں تھوڑا بہت پڑھنے لکھنے کے قابل ہو جاؤں۔ دعا کی درخواست بھی کی۔

کہا: ہر نماز کے بعد دس مرتبہ "رب زدنی علماً" دس مرتبہ "لاحول ولاقوۃ الا باللہ العلی العظیم" اور دس مرتبہ "رب اشرح لی صدری ویسر لی امری واحلل عقدۃ من لسانی یفقھوا قولی" پڑھا کرو۔

گزشتہ سطور میں ریاست فرید کوٹ کے بعض علمائے کرام کا ذکر کیا گیا ہے جن میں شہر فرید کوٹ کے بریلوی مسلک کے حضرات میں سے مولانا محمد سعید شبلی اور مولانا علم الدین بھی شامل ہیں۔ مولانا شبلی فیروز پور چھاؤنی کے اسلامی حنفیہ ہائی سکول میں عربی اور دینیات کے معلم تھے۔ اور وسیع المطالعہ بزرگ تھے، مولانا عطاء اللہ صاحب سے ان کے بہت اچھے مراسم تھے۔ ان کا ذکر آگے بھی آئے گا۔ جس سے پتہ چلے گا کہ مولانا عطاء اللہ صاحب ان کا کتنا احترام کرتے تھے اور یہ مولانا سے کس درجے تکریم سے پیش آتے تھے۔

فرید کوٹ کے اس زمانے میں ایک اہل حدیث عالم مولوی عبدالرحمٰن تھے جو وہاں سے چنیوٹ چلے گئے تھے اور غالباً چنیوٹ کی مسجد اہل حدیث میں فرائض خطابت سرانجام دیتے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تھے وہ کبھی اپنے وطن فرید کوٹ جاتے تو اس سے سات میل آگے مولانا عطاء اللہ صاحب سے ملاقات کے لیے کوٹ کپورے ضرور تشریف لے جاتے۔ وہ لاغر اندام اور طویل القامت عالم تھے اور مختلف علمی موضوعات پر مولانا سے گفتگو کیا کرتے تھے۔

کوٹ کپورے کے ایک عالم مولوی بدر الدین تھے۔ مولانا عطاء اللہ صاحب جس زمانے میں وہاں تشریف لے گئے تھے، مجھے یاد پڑتا ہے اُس زمانے میں وہ بیمار تھے اور پھر تھوڑے عرصے بعد وفات پا گئے تھے۔ مولوی بدر الدین نے دہلی کے مختلف اساتذہ سے تعلیم حاصل کی تھی، مولانا عطاء اللہ بھی ان دنوں دہلی میں طالب علم کی حیثیت سے مقیم تھے اور ان دونوں کا تعارف وہیں ہوا تھا۔

مولانا کے وہاں جانے سے پہلے ایک عالم دین مولوی عبدالرحمٰن تھے۔ جو جامع مسجد کے خطیب وامام تھے، وہ بڑے منجھے ہوئے اوصاف ذہن کے عالم تھے۔ مولانا عطاء اللہ صاحب نے ان کو نہیں دیکھا، ان کی وہاں تشریف آوری سے قبل ان کا انتقال ہو گیا تھا۔ بلکہ مولانا عطاء اللہ صاحب کو انہی کی جگہ وہاں لے جایا گیا تھا۔

ایک اور عالم وہاں مولوی عبداللہ تھے، وہ مولانا عطاء اللہ صاحب کے وہاں جانے سے بہت عرصہ پہلے سرحد پار کے مجاہدین کے ہاں چلے گئے تھے اور وہیں فوت ہوئے تھے۔ مولانا عبداللہ کا کتب خانہ جو عربی تفسیروں اور مختلف علوم کی کتابوں پر مشتمل تھا، ان کے آبائی گھر میں موجود تھا۔ اس کتب خانے سے ان کی وسعت علم کا اندازہ ہوتا تھا، مولانا عطاء اللہ صاحب اکثر ان کے گھر جاتے اور ان کے کتب خانے سے استفادہ کرتے تھے۔

مولانا عطاء اللہ صاحب کے زمانے میں کوٹ کپورے میں ایک عالم دین مولوی فضل دین تھے جو کسی دور میں امرتسر کے مدرسہ غزنویہ میں پڑھتے رہے تھے اور علماے غزنویہ کے شاگرد اور عقیدت مند تھے۔ بہت نیک اور متدین ومتقی بزرگ تھے۔ مسائل پر ان کی بڑی نظر تھی۔ مولانا سید داؤد غزنوی نے ایک مرتبہ ان کے بارے میں بتایا کہ مدرسہ غزنویہ میں یہ مولوی فضل دین منطقی کے نام سے مشہور تھے اس لیے کہ علم منطق سے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ان کو خاص طور سے دلچسپی تھی۔ آزادی کے بعد ہمارے گاؤں چک ۵۳ گ ب (تحصیل جڑاں والا) میں آباد ہو گئے تھے، وہیں وفات پائی۔

ایک اور عالم مولوی محمد اسحاق سوتری تھے۔ سوتری انھیں اس لیے کہا جاتا تھا کہ علاقہ سوتر (ضلع حصار) کے رہنے والے تھے اور طویل مدت سے کوٹ کپورے میں اقامت گزیں تھے، مولانا عبدالوہاب دہلوی مرحوم کے شاگرد تھے اور جماعت اہل حدیث کے ایک گروہ غرباء اہل حدیث سے تعلق رکھتے تھے۔ بڑے گرم مزاج اور تیز کلام واعظ تھے۔ مولوی نور محمد سوتری کی پنجابی نظم کی مشہور کتاب ''شہباز شریعت'' ترنم سے پڑھتے تو سماں بندھ جاتا۔

ہماری ہوش سے بہت پہلے ان کی خدمات کوٹ کپورے کی جامع مسجد کی خطابت وامامت کے لیے حاصل کی گئی تھیں۔ لیکن بعض مسائل میں ان کے نقطۂ نظر سے اختلاف ہو گیا تو انھیں اس خدمت سے سبکدوش کر دیا گیا تھا۔ اور وہ ''تیلیاں والی'' مسجد میں چلے گئے تھے۔ وہاں سے علیحدہ ہوئے تو اپنی الگ مسجد بنا لی تھی۔ تقسیم کے بعد ضلع میانوالی (یا سرگودھا) کے کسی گاؤں میں چلے گئے تھے، وہیں داعی اجل کو لبیک کہا۔

مولانا عطاء اللہ اپنے طالب علموں سے فرمایا کرتے تھے کہ وہ درسی کتابیں اور اپنے ذوق کے مطابق عام مطالعہ کی کتابیں اپنی گرہ سے خریدا کریں..... چنانچہ میں درسی کتابیں بھی خریدا کرتا تھا اور ان کی ہدایت کے مطابق دوسری کتابیں بھی اچھی خاصی تعداد میں جمع کر لی تھیں۔ انہی دنوں ان کے کہنے سے ''سیرت امام ابن تیمیہؒ'' خریدی جس پر مصنف کا نام چوہدری غلام رسول مہر لکھا تھا۔ جامعہ ملیہ دہلی کی بعض مطبوعات بھی ان کے حکم سے خریدیں۔ پھر قاضی محمد سلیمان منصور پوری کی ''رحمۃ للعالمین'' (تین جلدیں) اکبر شاہ خان نجیب آبادی کی تاریخ اسلام (تین جلدیں) اور دیگر بہت سی کتابیں خریدیں اور پڑھیں۔ اسلامی تاریخ سے متعلق مجھے جو تھوڑی بہت دلچسپی پیدا ہوئی اس میں مولانا عطاء اللہؒ کی رہنمائی کا بڑا دخل ہے۔

۱۸۵۷ء کے غدر (یا جنگ آزادی) سے متعلق جو میں نے سب سے پہلی کتاب پڑھی

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

وہ خواجہ حسن نظامی کی چھوٹی سی تصنیف تھی یہ کتاب مجھے مولانا عطاء اللہ صاحبؒ نے عطا فرمائی تھی۔ اسلوب تحریر بڑا دردناک اور الم انگیز تھا۔ اس موضوع پر انھوں نے چند اور کتابیں بھی عنایت کیں، جن میں ایک کتاب کا نام ۱۸۵۷ء تھا اور یہ کتاب ایک انگریزی کتاب کا اُردو ترجمہ تھا جو مجلس احرار کے رہنما شیخ حسام الدین نے کیا تھا۔

خواجہ حسن نظامی اُردو کے بہت بڑے ادیب اور متعدد کتابوں کے مصنف تھے۔ مولانا عطاء اللہ صاحبؒ نے ان کی چھوٹی چھوٹی کئی کتابیں مجھے پڑھنے کے لیے دی تھیں خواجہ صاحب نے اگست ۱۹۵۵ء کو دہلی میں وفات پائی۔ کبھی کبھی سبق کے دوران دلچسپ لطیفے بھی ہو جاتے تھے۔

ایک دن قرآن مجید کا ترجمہ پڑھاتے ہوئے مولانا عطاء اللہ صاحب نے کسی لڑکے کو لفظ "قَالَ" کی تعلیل کرنے کا حکم دیا۔

اس نے کہا: "قال" اصل میں "قَوَلَ" تھا۔

اس پر ایک صاحب طیش میں آ گئے اور بولے یہ کیا علم ہے جس میں آپ لوگ قرآن کی تحریف کر رہے ہیں۔ عجیب بات ہے کہ "قَالَ" تو غلط ہے جو اللہ نے اتارا ہے اور قرآن میں جگہ جگہ لکھا ہوا ہے اور "قَـوَلَ" صحیح ہے جو قرآن میں کہیں نہیں ہے اور تمھارا اپنا بنایا ہوا ہے۔..... دیکھو جی! اب یہ نئے عالم پیدا ہو گئے ہیں جو قرآن کے الفاظ کو نعوذ باللہ غلط قرار دے رہے ہیں اور اس کے مقابلے میں اپنے بنائے ہوئے الفاظ کو صحیح ثابت کر رہے ہیں۔ یہ علم نہیں..... یہ اللہ کی نافرمانی ہے۔

ایک دن ہم مشکوٰۃ شریف پڑھ رہے تھے اور مولانا ایک حدیث کا ترجمہ کر کے اس پر تقریر کر رہے تھے۔ حدیث کے آخر میں لکھا تھا: "قال الترمذی هذا حدیث غریب" ایک شخص صوفی عبدالغنی نے جو وہاں بیٹھے ہوئے تھے۔ مولانا عطاء اللہ صاحب سے کہا، آپ اس حدیث کی تشریح میں کیوں اتنا تنگ ہو رہے ہیں۔ یہ تو بچاری غریب ہے "غریب" میں نے لکھا ہے، اُنھوں نے "گریب" کہا تھا۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

صوفی عبدالغنی بڑے متدین اور صالح آدمی تھے۔ تقسیم ملک کے بعد ضلع قصور کے ایک گاؤں ''کوٹھا'' میں آئے تھے، چند سال پیشتر وہیں وفات پائی۔

ایک دن مولانا نے ایک شاگرد سے پوچھا، حروف عِلّت بتاؤ کون سے ہیں؟ اس نے جواب دیا لفظ علّت کے کئی معنی ہیں۔ جھگڑے، شرارت اور بری عادت کو بھی علّت کہا جاتا ہے۔ جو زیادہ شرارتیں کرتا ہو ہم اُسے پنجابی میں "علّتی" کہتے ہیں۔

ایک شخص نے کہا یہ عجیب معاملہ ہے کہ حرفوں میں بھی غلط عادتیں اور شرارتیں پائی جاتی ہیں۔ اس قسم کے حرف ان معصوم بچوں کو نہیں پڑھانے چاہئیں جن میں "عِلّتیں" پائی جاتی ہوں۔

مولانا عطاء اللہ صاحب کے زمانے میں ایک واقعہ وہاں یہ پیش آیا کہ ریاست پٹیالہ کے حکمران خاندان کا ایک شخص ان کے پاس آیا جو اپنا سکھ مذہب ترک کر کے مسلمان ہوا تھا وہ بڑا خوبصورت اور وجیہ شخص تھا۔ تیس پینتیس برس کا وہ درشنی جوان نہایت سلجھے ہوئے انداز میں گفتگو کرتا تھا۔ سفید لباس میں ملبوس رائل فیملی کا وہ نومسلم لوگوں کا مرکز توجہ بنا ہوا تھا، مولانا عطاء اللہ صاحب نے جامع مسجد میں جمعہ پڑھایا۔ اس کے بعد وہ شخص تقریر کے لیے کھڑا ہوا، صاف ستھری پنجابی زبان میں اس نے اسلام کی حقانیت بیان کی اور اپنے قبول اسلام کے پس منظر سے لوگوں کو آگاہ کیا اور بتایا کہ اس نے اسلام کی تعلیمات سے متاثر ہو کر اپنے آباؤ اجداد کا مذہب چھوڑا اور اسلام کی طرف رجوع کیا ہے۔ اس کی تقریر کے بعد مولانا عطاء اللہ صاحب نے تقریر کی اور حاضرین کو اسلام کے اصولوں پر عمل کرنے کی تاکید فرمائی۔

جن بڑے بڑے جلسوں اور کانفرنسوں کا تعلق ملکی، ملی اور اسلامی مفادات و معاملات سے ہوتا مولانا عطاء اللہ ان میں عام طور پر شرکت فرماتے تھے۔ وہ ہندوستان میں انگریزی حکومت کا زمانہ تھا اور اس قسم کی کانفرنسیں کسی نہ کسی مسئلے پر ملک کے کسی بڑے شہر میں ہوتی رہتی تھیں۔ عالم اسلام کو جس طرح موجودہ دور میں بہت سے مسائل درپیش ہیں گزشتہ دور میں بھی وہ متعدد پیچیدہ مسائل میں گھرا ہوا تھا۔ دوسرے لفظوں میں کہنا چاہیے کہ طویل عرصے سے عالم اسلام کی حیثیت ''عالم مسائل'' کی سی ہے اس کے مسائل کو ہمیشہ مسلمانانِ برصغیر نے موضوع

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

فکر بنایا اور اس خطۂ ارضی کو مشکلات سے نکالنے کے لیے وہ میدان عمل وحرکت میں نکلے۔

عالم اسلام کے مسائل میں بہت بڑا مسئلہ فلسطین کا ہے جو دوسری جنگ عظیم کے بعد سے اُلجھا ہوا ہے۔ اس مسئلے سے متعلق ۱۹۳۶ء میں دہلی میں فلسطین کانفرنس منعقد ہوئی تھی جس کی صدارت سید سلیمان ندوی مرحوم ومغفور نے کی تھی۔ مولانا عطاء اللہ صاحب اس کانفرنس میں شریک ہوئے تھے مولانا ظفر علی خان بھی اس کانفرنس میں شامل تھے۔

اس سے کچھ عرصہ پیشتر مسجد شہید گنج کا حادثہ پیش آ چکا تھا، مولانا عطاء اللہ صاحب نے واپسی پر بتایا کہ مولانا ظفر علی خان نے فلسطین کانفرنس پر اپنی تقریر کے آغاز ہی میں مسجد شہید گنج کا قصہ بیان کرنا شروع کر دیا اور اپنے اندازِ خاص میں فرمایا کہ مسجد شہید گنج کعبے کی بیٹی ہے، اس کی حفاظت کرنا صرف لاہور یا پنجاب کے مسلمانوں ہی کا فرض نہیں، فلسطین کانفرنس کے شرکاء پر بھی یہ ذمے داری عائد ہوتی ہے کہ وہ اسے غیر مسلموں کی دست برد سے محفوظ رکھنے کے لیے کوئی اہم قدم اٹھائیں۔

مولانا ظفر علی خان کی اس تقریر سے فلسطین کانفرنس کے صدر محترم اور اصحاب انتظام بڑے حیران ہوئے کہ جس مسئلے پر غور کرنے کے لیے یہ کانفرنس منعقد کی جا رہی ہے ان کی تقریر کا اس مسئلے سے کوئی تعلق نہیں تھا۔ مولانا کو اسی مسئلے پر بحث کرنی چاہئے، موضوع سے باہر نہیں نکلنا چاہئے۔ مولانا ظفر علی خان کو منتظمین کی طرف سے چار پانچ چٹیں بھی بھیجیں گئیں، جن میں یہ استدعا کی گئی تھی کہ اس موقع پر وہ صرف فلسطین کے مسئلے پر اپنی تقریر کو محدود رکھیں۔ اگر اس کانفرنس میں ان کے نزدیک مسجد شہید گنج کو موضوع بحث بنانا ضروری ہے تو ان کی تجویز کے مطابق اس کے لیے ایک الگ اجلاس بلا لیا جائے گا جس میں پوری تفصیل کے ساتھ اس مسئلے پر غور کیا جائے گا اور مسجد کے حصول کے لیے ایک لائحہ عمل تیار کیا جائے گا لیکن مولانا ظفر علی خان نے ان حضرات کی پروا کیے بغیر تقریر جاری رکھی اور مسجد شہید گنج کو جسے وہ ''کعبے کی بیٹی'' قرار دیتے تھے زیر بحث مسئلے سے بعض وجوہ کی بنا پر اہم مسئلہ قرار دیا۔

منتظمین کے لیے یہ صورت حال نہایت پریشان کن تھی، نہ وہ مولانا ظفر علی خان کو

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تقریر سے روک سکتے تھے اور نہ یہ بات ان کے نزدیک مناسب تھی کہ جس مسئلے کے لیے کانفرنس کا انعقاد عمل میں لایا گیا ہے اس کے علاوہ کسی دوسرے مسئلے کو اس نہج اور انداز سے بیان کیا جائے جو مولانا ظفر علی خان نے اختیار کیا تھا۔

مولانا ظفر علی خان بہت بڑے مقرر تھے اور اب مجمع ان کے قابو میں تھا انھوں نے حاضرین سے سوال کیا۔

حضرات! میں تقریر بند کر دوں یا جاری رکھوں؟

لوگوں نے بہ یک زبان جواب دیا۔ جاری رکھیے!

چنانچہ انھوں نے تقریر جاری رکھی، اگرچہ چند الفاظ فلسطین کے بارے میں بھی کہے تاہم ان کی تقریر کا زیادہ تر حصہ کعبے کی بیٹی مسجد شہید گنج سے متعلق تھا۔

یہ واقعہ مولانا عطاء اللہ صاحب نے بڑی تفصیل سے بیان کیا تھا۔

فلسطین کا مسئلہ اس عہد کے مسائل میں بہت بڑا مسئلہ تھا، جو مرورِ ایام کے ساتھ ساتھ اس سے بھی کہیں بڑا مسئلہ بن گیا ہے اور اس نے اس درجے نازک شکل اختیار کر لی ہے کہ بظاہر اس کے حل وکشود کی کوئی صورت نظر نہیں آتی۔ اِلاّ یہ کہ لعَلّ اللہ یحدث بعد ذالك امرا۔

مولانا عطاء اللہ صاحب اپنے شاگردوں کی بڑی حوصلہ افزائی کرتے تھے، ایک دن فرمایا کہ جو لڑکا دو دن میں سورہ سجدہ اور سورہ ملک زبانی یاد کر لے گا، اُسے انعام دیا جائے گا ہم نے اسی وقت قرآن مجید کھولا اور سورہ سجدہ یاد کرنا شروع کر دی۔ دن کے دو بجے سے پانچ بجے تک تین گھنٹے میں سورت یاد کر کے استاد کو سنا دی۔

دوسرے دن سورہ ملک کی باری تھی دو گھنٹے میں وہ بھی یاد کر لی اور حضرت استاد کو سنا دی۔ سناتے وقت اللہ کا یہ خاص کرم رہا کہ نہ کہیں مشابہ پڑا اور نہ کوئی غلطی ہوئی۔

مولانا بہت خوش ہوئے آٹھ آنے ہمیں نقد انعام ملا اور ایک عربی کی کتاب عطا ہوئی۔ وہ کتاب تھی ''فتاوی نور العین'' از شیخ حسن بن محسن یمانی۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

آٹھ آنے کی اس زمانے میں بڑی قدر و قیمت تھی۔ یہ وہ دور تھا جب ایک مزدور صبح سے شام تک چار آنے کماتا تھا اور گھر کے چار پانچ افراد کا چار آنے میں ٹھیک ٹھاک گزارہ ہوتا تھا۔

دو اور لڑکوں نے یہ دونوں سورتیں دو تین دن میں یاد کیں انھیں اس کا کیا انعام ملا؟ اس کا مجھے علم نہیں، اپنا انعام البتہ یاد ہے جس پر ہمیں بہت خوشی ہوئی تھی۔

اپنے اساتذہ کا مولانا انتہائی احترام کرتے تھے، ایک مرتبہ وہاں حضرت مولانا شرف الدین دہلوی تشریف لے گئے اور چھ سات دن قیام فرما رہے۔ یہ غالباً ۱۹۳۵ء کی بات ہے، اسی زمانے میں ایک دفعہ حضرت مولانا حافظ محمد صاحب گوندلوی وہاں گئے تھے مولانا عطاء اللہ صاحب ان کے تشریف لانے پر بھی بے حد خوش ہوئے۔ اساتذہ کے بستر خود بچھاتے اور صاف کرتے، کھانا خود ہی کھلاتے اور خود ہی ہاتھ دھلاتے۔

حضرت حافظ صاحب کے تقویٰ وصالحیت اور ان کے قلبی وروحانی کمالات کا تذکرہ کرتے ہوئے ایک دفعہ انھوں نے کچھ اس قسم کے الفاظ ارشاد فرمائے تھے کہ انھیں گنہگاروں سے بدبو آنے لگتی ہے۔ اب حافظ صاحب ہمارے ہاں تشریف لے گئے تو میں نے ان کے ساتھ جھجکتے اور شرماتے ہوئے مصافحہ تو کیا لیکن اس کے بعد ان کی مجلس میں حاضر ہونے سے گریزاں ہی رہا۔ اس لیے کہ میرے پاس چھوٹی عمر میں بھی سوائے گناہوں کے کچھ نہ تھا اور اندیشہ تھا کہ انھیں مجھ سے بدبو آئے گی، اس طرح وہ بھی روحانی تکلیف محسوس فرمائیں گے اور میرا بھی بھید کھل جائے گا کہ یہ جو اس عمر میں اس درجے معصیت زدہ ہے بڑا ہو کر معلوم نہیں کہاں تک پہنچے گا اور کیا گل کھلائے گا۔

مولانا عطاء اللہ صاحب اپنے اساتذہ کی ہر بات نہایت توجہ سے سنتے اور انتہائی ادب کے ساتھ ان کے فرمان کا جواب دیتے تھے اساتذہ بھی ان پر بہت مہربان تھے۔

اب ہم ۱۹۳۶ء کے دائرے سے نکل کر ۱۹۳۷ء کی حدود میں داخل ہونے والے ہیں، لیکن قبل اس کے کہ آگے قدم بڑھائیں ایک خواب سنتے جایئے۔ ایک دن (غالباً ۱۹۳۵ء میں) میں جمیل اور رفیق بیٹھے باتیں کر رہے تھے کہ جمیل نے ایک خواب بیان کیا۔ اس نے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بتایا کہ اس نے یہ خواب دیکھا ہے کہ ہم تینوں کنوئیں کی منڈیر پر کھڑے ہیں۔ میں (یعنی اسحاق) کنوئیں میں اُتر گیا ہوں۔ رفیق بھی کچھ اتر گیا ہے، لیکن وہ خود (یعنی جمیل) نہیں اُترا۔

اس کی تعبیر میں یہ سمجھا کہ میں علم سے محروم رہ جاؤں گا رفیق بھی کچھ پڑھ جائے گا اور جمیل جو کنوئیں میں نہیں اُترا اچھی طرح علم حاصل کر لے گا۔ اس پر مجھے بہت افسوس ہوا۔

میں نے سوچا کہ میں کنوئیں میں گر گیا یعنی علم حاصل کرنا میری قسمت میں نہیں ہے۔

وہاں ایک صاحب میاں عید محمد تھے جنھیں لوگ میاں عیدو کہتے تھے۔ وہ بہت نیک اور متدین آدمی تھے اور زیادہ تر جامع مسجد میں بیٹھے قرآن مجید پڑھتے رہتے تھے ہم ان کی خدمت میں گئے اور ان سے خواب بیان کر کے اس کی تعبیر پوچھی۔

انھوں نے کہا معلوم ہوتا ہے اس خواب کی کوئی تعبیر تو ہے لیکن میں کچھ کہہ نہیں سکتا۔ تم اس کی تعبیر حاجی نور الدین سے پوچھو۔ حاجی نور الدین بڑے پرہیز گار بزرگ تھے اور مولانا محمد علی لکھوی کے والدِ گرامی قدر مولانا محی الدین عبدالرحمٰن کے مرید تھے۔

ہم تینوں ان کی خدمت میں حاضر ہوئے اور خواب بیان کیا۔

میں ڈر رہا تھا کہ معلوم نہیں حاجی صاحب کیا تعبیر دیتے ہیں۔

اُنھوں نے مجھے مخاطب کر کے فرمایا: تم پڑھ جاؤ گے، تمھارے لیے یہ خواب اچھا ہے۔

میں نے عرض کیا، جناب میں تو کنوئیں میں گر گیا ہوں۔

بولے! خواب میں پانی میں گرنا اچھی بات ہے۔

آیئے اب آگے چلتے ہیں۔

۱۹۳۶ء کے آخری دنوں کی بات ہے کہ حضرت مولانا محمد علی لکھوی کوٹ کپورے تشریف لے گئے اور حاجی محمد علی مرحوم کے مکان پر ٹھہرے۔ (جنھوں نے ۱۲۔اگست ۱۹۸۵ء کو جھنگ میں وفات پائی) نماز عشاء کے بعد مولانا عطاء اللہ صاحب کو بھی وہیں بلا لیا گیا، انجمن اصلاح المسلمین کے چند ارکان بھی وہاں آ گئے، حاجی محمد علی ہمارے قریبی رشتہ دار تھے اس لیے میں بھی وہاں موجود تھا۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مولانا محمد علی لکھوی نے انجمن کے سرکردہ ارکان سے کہا کہ میں آج اس لیے یہاں آیا ہوں کہ آپ سے کہوں کہ مولانا عطاء اللہ حنیف سے ہمارے پرانے مراسم ہیں، ہمارے ہاں لکھوکے میں یہ طالب علم کی حیثیت سے رہے ہیں اور ہم ان کی علمی صلاحیتوں سے واقف ہیں۔ ریاست فرید کوٹ میں ان سے متعلق جو حالات پیدا ہو گئے ہیں ان کی روشنی میں اب ان کا یہاں مزید قیام کرنا مشکل نظر آتا ہے۔ اس لیے میں چاہتا ہوں کہ آپ لوگ انھیں اجازت دے دیں کہ یہ میرے پاس مرکز الاسلام تشریف لے جائیں اور وہاں تدریسی خدمات سرانجام دیں۔ میری خواہش ہے کہ یہ میرے دونوں بیٹوں محی الدین اور معین الدین کو بھی پڑھائیں اور ان کے علاوہ دوسرے طلباء کو بھی تعلیم دیں۔

ارکانِ انجمن نے حاجی محمد علی کے مکان پر اُسی وقت اس مسئلے پر غور کیا اور مولانا محمد علی لکھوی سے عرض کیا کہ مولانا عطاء اللہ صاحب ہمارے ہاں جو خدمات سرانجام دے رہے ہیں اُس سے ہم بہت خوش اور مطمئن ہیں اور کئی مقامی اور غیر مقامی طلبا ان سے استفادہ کر رہے ہیں، ہماری گزارش ہے کہ جو طلباء ان سے تعلیم حاصل کرنے کے خواہاں ہیں ان کو یہ اپنے ساتھ لے جائیں۔

حضرت مولانا محمد علی لکھوی نے نہایت خوشی سے انجمن کے ارکان کا یہ مطالبہ منظور فرمایا اور مولانا عطاء اللہ صاحب اپنے بعض طلبا کے ساتھ کوٹ کپورے سے مرکز الاسلام تشریف لے گئے۔

۱۹۳۶ء کے آخر تک مولانا عطاء اللہ حنیف کے حالات وکوائف سے متعلق جو کچھ میں جانتا تھا وہ گزشتہ صفحات میں عرض کر دیا گیا ہے۔ آیئے اب ۱۹۳۷ء میں داخل ہوتے ہیں۔

یکم جنوری ۱۹۳۷ء کو مولانا عطاء اللہ بھوجیانی کوٹ کپورے سے مرکز الاسلام پہنچے۔ ان کے پہلے طلباء میں سے اس وقت محمد رفیق اور یہ بندۂ عاجز ان کے ہمراہ تھے صبح کو ٹرین سے ہم سوار ہوئے تھے، نو بجے کے قریب فیروز پور شہر کے ریلوے سٹیشن پر اُترے اور وہاں سے گیارہ بجے کے بعد اس گاڑی پر سوار ہوئے جو فاضلکا سے ہوتی ہوئی بہاول نگر اور سمہ سٹہ جاتی تھی۔ کوٹ کپورے سے فیروز پور تیس میل اور فیروز پور سے مرکز الاسلام بجانب مغرب

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

پندرہ میل کے فاصلے پر تھا اور جھوک ٹہل سنگھ اس کا ریلوے سٹیشن تھا، ہم بارہ بجے کے لگ بھگ وہاں پہنچے تھے اور اس سے ڈھائی فرلانگ مغرب میں ریلوے سٹیشن کے دوسرے سگنل کے بالکل برابر میں دائیں جانب مرکز الاسلام تھا۔

اب سوال یہ ہے کہ مرکز الاسلام کیا تھا؟

مرکز الاسلام، مولانا محمد علی لکھوی کے آبائی گاؤں ''لکھوکے'' سے جنوب میں کم وبیش دو میل کے فاصلے پر ایک مقام تھا جو مولانا محمد علی نے دو مربعے زمین میں ۱۹۲۶ء کے لگ بھگ آباد کیا تھا اور وہاں ایک مدرسہ بنایا تھا۔ اصل مدرسہ تو لکھوکے میں تھا، جو تقریباً ایک سو سال سے حافظ بارک اللہ اور ان کے بیٹے حافظ محمد لکھوی کے زمانے سے جاری تھا اور جس سے بے شمار طلبا نے استفادہ کیا تھا اور کر رہے تھے، مرکز الاسلام کا سلسلہ اس سے کچھ مختلف تھا، لکھوکے میں جو مدرسہ قائم تھا، اس کے مہتمم ان دنوں حضرت حافظ محمد لکھوی (متوفی ۱۳۱۱ھ) کے فرزندِ گرامی اور مولانا محمد علی لکھوی کے عم محترم مولانا محمد حسین لکھوی تھے۔

مولانا محمد علی لکھوی ہندوستان کی انگریزی حکومت کے شدید مخالف تھے اور ملکی سیاسیات میں ان لوگوں کے حامی تھے جو کسی نہ کسی انداز میں انگریزوں سے برسرِ پیکار تھے۔ ان لوگوں میں چمرقند کے مجاہدین کو بڑی اہمیت حاصل تھی جو ایک خاص اسلوب میں طویل عرصے سے برطانوی حکومت سے باقاعدہ جنگ کر رہے تھے مولانا محمد علی کی تمام تر ہمدردیاں ان کے ساتھ تھیں۔ مولانا ممدوح کا حلقہ عقیدت بڑا وسیع تھا اور وہ لوگوں کو مجاہدین کے مرکز میں بھیجتے تھے، خود بھی دو تین دفعہ وہاں گئے تھے مرکز الاسلام کو جہاں ایک مدرسے کی حیثیت حاصل تھی وہاں وہ مجاہدین کا اچھا خاص مرکز تھا اور ان کی تربیت گاہ بھی.....!

مرکز الاسلام کی کچی چار دیواری کے اندر پختہ اینٹوں کی ایک مسجد تھی ایک مدرسہ تھا جو گھنے درختوں کے سائے میں تھا، ایک مولانا کا کچا گھر، ایک گھر مزارعوں کا، ایک عیسیٰ ترکھان کا اور ایک فتح محمد لوہار کا تھا، جسے لوگ ''پھتا'' کہتے تھے، مسجد کے سوا تمام مکانات کچے تھے اور بڑی بڑی کچی اینٹیں تیار کر کے خود ہی تعمیر کیے تھے، کوئی کمرہ تعمیر کرنا ہوتا تو چھت اور

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

دروازوں کے لیے درخت کاٹ لیے جاتے اور تعمیر کے لیے گارا تیار کر کے دو دو فٹ کی لمبی چوڑی اینٹیں بنالی جاتی اور مولانا محمد علی اور ان کے بڑے صاحبزادے محی الدین اور چھوٹے معین الدین دیواریں تعمیر کرنا شروع کر دیتے دوسرے لوگ خود ہی ان کے ساتھ شامل ہو جاتے اور شام تک اچھا خاصا کوٹھا تعمیر ہو جاتا۔ بڑا سا مہمان خانہ بھی اسی طرح بنایا گیا تھا، اور طلباواساتذہ کے لیے کمرے بھی اسی طریقے سے سب نے مل کر تعمیر کیے تھے۔

مولانا محمد علی لکھوی بڑے دلچسپ بزرگ تھے اور بعض مسائل کا لطیفے لطیفے میں نہایت شاندار تجزیہ کر دیتے تھے۔

ایک دن ہمارے مدارس کے موجودہ نصاب تعلیم کے بارے میں مولانا عطاء اللہ صاحب سے گفتگو کرتے ہوئے فرمایا ہمارے اہل حدیث مدارس کے طلبا کی عجیب حالت ہے، ایک طرف وہ بخاری پڑھ رہے ہیں دوسری طرف منطق کی مرقات۔ یعنی ایک ٹانگ آسمان پر ہے اور دوسری زمین پر۔ اس حالت میں ہمیں آ کر کہتے ہیں ''دونوں کے درمیان تطبیق دے دو۔''

مرکز الاسلام کا محل وقوع ایک جنگل کا تھا جس میں بہترین ''منگل'' کا سماں پیدا ہو گیا تھا۔ اس کے اردگرد سکھوں کے گاؤں بھی تھے اور مسلمانوں کے بھی، جھوک نہل سنگھ، سکھوں کا گاؤں تھا اور وہاں کے اکالیوں میں سے بعض لوگ مولانا محمد علی سے عداوت رکھتے تھے لیکن کسی میں ان کو نقصان پہنچانے کی جرأت نہ تھی۔ تقسیم ملک کے نازک ترین زمانے میں بھی وہ مولانا محمد علی کے جنگل میں بیٹھے ہوئے خاندان کے کسی فرد کو کچھ نہیں کر سکے، خود مولانا محمد علی اس وقت مدینہ منورہ میں تھے اور دسمبر ۱۹۴۷ء میں مدینہ منورہ سے اوکاڑے آ کر اپنے خاندان کے لوگوں سے ملے تھے۔ جو تقسیم کے بعد وہاں آ بسے تھے۔

مرکز الاسلام اور مولانا محمد علیؒ کے بارے میں یہ چند باتیں محض اس لیے لکھی گئی ہیں تاکہ قابل احترام قارئین کو ان کے بارے میں کچھ ابتدائی معلومات حاصل ہو جائیں ورنہ اس کا تفصیلی تذکرہ ان شاء اللہ میری اس زیر تصنیف کتاب میں آئے گا جو ان علمائے کرام

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سے متعلق ہے جن سے میں ذاتی طور پر متعارف ہوں اور ان کی خدمت میں مجھے حاضر ہونے اور ان سے ہم کلام ہونے کے مواقع میسر آئے ہیں۔ ان میں حضرت مولانا محمد علی لکھویؒ کا اہم گرامی خاص طور سے قابل ذکر ہے۔ یہاں صرف مولانا عطاء اللہ حنیفؒ کے سلسلے میں کچھ گزارشات کرنا مقصود ہے۔

جیسا کہ پہلے عرض کیا گیا، یکم جنوری ۱۹۳۷ء کو مولانا عطاء اللہ صاحب اپنے دو شاگردوں (مجھے اور رفیق) کو ساتھ لے کر مرکز الاسلام پہنچے، وہاں مولانا محمد علی لکھوی اور ان کے دونوں صاحبزادے محی الدین اور معین الدین موجود تھے۔ دوسرے دن تعلیم کا آغاز ہو گیا چند روز بعد ان طالب علموں میں سے جو کوٹ کپورے میں ان سے پڑھتے رہے تھے، جمیل، عبدالعزیز اور نور محمد بھی وہاں چلے گئے۔ نور محمد ضلع حصار کا رہنے والا تھا اور اس علاقے کو ''سوتر'' کا علاقہ کہا جاتا تھا اس لیے ہم اُسے نور محمد سوتری کہا کرتے تھے۔ جمیل کا تعلق بھٹنڈہ سے تھا عبدالعزیز بھی بھٹنڈے کا رہنے والا تھا اور جمیل کا رشتے دار تھا۔

ان کے علاوہ مرکز الاسلام کے گردونواح کے بعض طالب علم بھی وہاں آ کر مولانا عطاء اللہ سے تحصیل علم کرنے لگے تھے، وہ صبح آتے اور شام سے پہلے گھر کو چلے جاتے تھے اس وقت مندرجہ ذیل طلبا مولانا کے حلقہ درس میں شریک تھے۔

۱۔ مولانا محی الدین لکھوی:

یہ مرکز الاسلام ہی کے رہنے والے تھے اور مقامی تھے۔

۲۔ مولانا معین الدین لکھوی:

ان کا تعلق بھی مرکز الاسلام سے تھا اور دراصل ان دونوں بھائیوں کی تعلیم کے لیے مولانا عطاء اللہ کو مولانا محمد علی صاحب وہاں لے گئے تھے۔

۳۔ محمد رفیق:

ان کا تعلق کوٹ کپورے سے تھا اور پہلے سے مولانا عطاء اللہ کے دائرۂ شاگردی میں شامل تھے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

۴۔نور محمد سوتری:

ان کا ذکر پہلے ہو چکا ہے۔

۵۔محمد جمیل:

یہ بھی مولانا کے پرانے طالب علم تھے۔

۶۔عبدالعزیز:

یہ بھی مولانا کے پرانے شاگرد تھے۔

۷۔محمد افضل:

یہ چک مولوی والا (ریاست مدوٹ) سے روزانہ آتے تھے۔ان کا گاؤں مرکز الاسلام سے تقریباً دو میل کے فاصلے پر تھا آج کل مولانا محمد افضل بورے والا میں رہتے ہیں اور تعلیم یافتہ خاندان سے تعلق رکھتے ہیں میرے پرانے دوستوں میں سے ہیں۔

مرکز الاسلام سے فرید کوٹ بذریعہ ریل ۳۸ میل تھا،لیکن وہاں سے پیدل کچے راستے سے جاتے تو صرف بارہ میل تھا۔عیدالاضحیٰ کی چھٹیاں ہوئیں تو میں رفیق،جمیل،عبدالعزیز اور نور محمد سوتری فرید کوٹ پیدل گئے وہاں سے کوٹ کپورہ سات میل تھا۔ریل سے جاتے تو دو آنے اور تانگے سے ایک آنہ کرایہ تھا۔فرید کوٹ سے ہم کوٹ کپورے تانگے پر گئے، میں اور رفیق تو وہیں رہ گئے،لیکن جمیل اور عبدالعزیز بھٹنڈے اور نور محمد اپنے گھر (ضلع حصار) کو روانہ ہو گئے۔ چھٹیوں کے بعد یہ تینوں واپس نہیں گئے،جمیل اور عبدالعزیز نے تو تعلیم کا سلسلہ ختم کر دیا اور نور محمد جو تپ دق کا مریض تھا وفات پا گیا۔ وہ بڑا محنتی اور ذہین لڑکا تھا، حصول علم کا اُسے بہت شوق تھا،اس کی موت کا سب کو افسوس ہوا۔

میں اور رفیق عیدالاضحیٰ کی چھٹیوں کے بعد واپس مرکز الاسلام آنے لگے تو میرے ایک عزیز محمد زکریا ہمارے ساتھ آ گئے۔ وہ تین چار مہینے وہاں رہے۔ پڑھنے میں وہ اچھے تھے۔ لیکن اس جنگل میں ان کا جی نہیں لگا،لہٰذا واپس چلے گئے۔

میاں محمد زکریا میرے نہایت قریبی رشتے دار ہیں اور قیامِ پاکستان کے بعد سے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جڑاں والا (ضلع فیصل آباد) میں اقامت گزین ہیں۔

مرکز الاسلام میں ہم ایک سال رہے اور اس اثنا میں مولانا عطاء اللہ صاحب سے میں نے مندرجہ ذیل کتابیں پڑھیں۔

اصول تفسیر: الفوز الکبیر فی اصول التفسیر

حدیث: نسائی، ابوداؤد

نحو: ہدایت النحو، ابن عقیل، مراح الارواح

صرف: زرادی، فصول اکبری، پنج گنج

فارسی: گلستان، بوستان

عربی ادب: سبعہ معلقات، مقامات حریری

منطق: تہذیب المنطق، شرح تہذیب

فقہ: شرح وقایہ

اصول حدیث: شرح نخبۃ الفکر

مناظرہ: رشیدیہ

اصول فقہ: نورالانوار

معانی و بیان: مختصر المعانی

بعض اور کتابیں بھی پڑھیں جو اُس وقت مدارس عربیہ میں پڑھائی جاتی تھیں۔

اس زمانے میں مرکز الاسلام میں مجھے عبدالحلیم شرر کے چار پانچ ناول مل گئے تھے جو بڑے شوق سے پڑھے۔ ان ناولوں میں سے سب سے پہلے حسن انجلینا، پھر ملک العزیز ورجنا، اس کے بعد فلورا فلورانڈا، پھر حسن بن صباح اور جو یائے حق پڑھے۔ مولانا عطاء اللہ صاحب کو پتہ چلا تو انھوں نے اس سلسلے میں میری حوصلہ افزائی کی اور فرمایا اُردو سیکھنے کے لیے یہ بڑے مفید ناول ہیں۔ ان میں معلومات بھی بہت ہیں۔

انہی دنوں ان کے کہنے سے اکبر شاہ نجیب آبادی کی تاریخ اسلام کی تینوں جلدیں

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

خریدیں جو صوفی سنز منڈی بہاؤ الدین ضلع گجرات کی چھپی ہوئی تھیں اور باریک خط میں تھیں۔ تاریخ کی اس کتاب سے مجھے بہت فائدہ پہنچا اور بہت سی باتیں علم میں آئیں جواب بھی ذہن میں محفوظ ہیں۔ اکبر شاہ خان کی بعض اور کتابیں بھی میں نے خریدیں اور پڑھیں۔

وہیں مولانا محمد علی لکھوی نے مولانا ابو الکلام آزاد کی مشہور تصنیف ''تذکرہ'' دکھایا۔ نہایت شاندار ٹائپ میں چھپا ہوا میں نے یہ پہلی دفعہ دیکھا اور پڑھا تھا۔

اسی زمانے کی بات ہے کہ ایک دن مولانا عطاء اللہ فیروز پور گئے مجھے بھی ساتھ لے گئے۔ وہ مولانا محمد سعید شبلی سے ملنا چاہتے تھے جو فیروز پور چھاؤنی میں اسلامیہ حنفیہ ہائی سکول میں دینیات کے اُستاد تھے اور چھاؤنی کی جامع مسجد میں خطابت وامامت کے فرائض سرانجام دیتے تھے۔ جیسا کہ پہلے بیان کیا گیا مولانا شبلی احناف کے بریلوی مسلک سے تعلق رکھتے تھے۔ چھاؤنی کی جس مسجد کے وہ امام وخطیب تھے وہ بھی بریلوی حضرات کی تھی شبلی صاحب کے مولانا عطاء اللہ صاحب سے اچھے مراسم تھے اور صاحب مطالعہ شخص تھے۔ دونوں کے درمیان اصل رشتہ یہی تھا کہ دونوں کتابوں کے رسیا تھے اور مختلف مضامین کی کتابیں خریدتے اور پڑھتے رہتے تھے۔

ہم مولانا شبلیؒ صاحب کی مسجد میں مغرب کی نماز کے وقت پہنچے تھے۔ اس وقت جماعت ہو رہی تھی اور وہ نماز پڑھا رہے تھے ہم دوسری رکعت میں شامل جماعت ہوئے تھے، انھوں نے ''ولا الضالین'' پڑھا تو ہم نے قدرے بلند آواز سے کہا: ''آمین''۔!

یہ اس مسجد میں بالکل نئی بات بلکہ نئی حرکت تھی جو ہم نے کی۔ جماعت ختم ہوئی تو لوگ غصے سے اِدھر اُدھر دیکھنے لگے اور بولے یہ کون لوگ ہیں جنھوں نے آمین پکاری ہے۔

سردیوں کے دن تھے اور مولانا عطاء اللہ صاحب نے کمبل اوڑھ رکھا تھا۔ مصلے پر بیٹھے ہوئے مولانا شبلیؒ نے ان کو پہچان لیا اور کھڑے ہو کر نہایت احترام سے سلام کیا اور اپنے پاس مصلے پر بٹھایا۔ لوگ اس صورت حال سے بڑے حیران ہوئے انھوں نے مولانا عطاء اللہ صاحب کے بارے میں لوگوں کو بتایا کہ یہ بہت بڑے عالم ہیں اور میرے دوست ہیں،

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

انھوں نے جو کچھ کیا ہے ٹھیک کیا ہے اور حدیث رسول ﷺ کے مطابق کیا ہے۔

اس کے بعد لوگ خاموش ہو گئے اور نماز سے فارغ ہو کر اپنے اپنے گھروں کو چلے گئے مولانا شبلی ہمیں اپنے مکان پر لے گئے اور کافی دیر باتیں کرتے رہے۔ انھوں نے ہمیں کھانا بھی کھلایا اور چائے بھی پلائی۔

دوسرے دن ہم واپس مرکز الاسلام جانے کے لیے فیروز پور کے ریلوے سٹیشن پر گئے تو معلوم ہوا کہ ٹرین نکل گئی ہے فیروز پور سے ''کھائی پھیمکی'' کا ریلوے سٹیشن سات میل تھا اور وہاں تک پختہ سڑک تھی، جس پر تانگے چلتے تھے اور اتنا ہی کرایہ لیتے تھے جتنا ریل کا تھا یعنی دو آنے۔ ''کھائی پھیمکی'' سے مرکز الاسلام سات میل تھا، ہم وہاں سے پیدل چل پڑے اور ریل کی پٹڑی کے ساتھ ساتھ چلتے ہوئے دو گھنٹے میں مرکز الاسلام پہنچ گئے۔

ایک مرتبہ اس علاقے میں مولانا عبدالستار دہلوی مرحوم تشریف لے گئے جو جماعت غرباء اہل حدیث کے امام تھے۔ اس جماعت سے تعلق رکھنے والے حضرات اپنے سربراہ کے لیے ''امام'' کا لفظ استعمال کرتے ہیں۔ مرکز الاسلام کے قریب ایک گاؤں چک مولوی والا تھا، وہاں ایک متدین بزرگ میاں عبدالقادر رہتے تھے جو مولوی محمد افضل (بورے والا) کے والد محترم تھے۔ مولانا عبدالستار صاحب کا قیام ان کے دولت خانے پر تھا۔ یہ ۱۹۳۷ء کی گرمیوں کا واقعہ ہے۔

مولانا عبدالستار صاحب قرآن مجید کے حافظ اور بہت اچھے واعظ تھے توحید پر عمدہ اور مؤثر وعظ کہتے تھے۔ بعض مسائل میں (جن کے تذکرے کی یہاں ضرورت نہیں) یہ حضرات اس دور میں بڑے متشدد تھے اور اپنے نقطۂ نظر سے اختلاف کرنے والوں پر سخت الفاظ میں تنقید کرتے تھے وہ ایک خاص قسم کا دور تھا جو گزر گیا اور اس میں بیتے ہوئے واقعات اب محض یادوں کا ایک حصہ ہیں۔

عرض کرنے کا مقصد یہ ہے کہ مولانا عبدالستار صاحب نے اس نواح کے بعض دیہات میں تقریریں کیں اور اپنے اسلوب خاص سے اپنے سے اختلاف رکھنے والوں کو ہدفِ تنقید

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ٹھہرایا اور مناظرے کا چیلنج دیا۔ مولانا محمد علی لکھوی کے بارے میں بھی فرمایا کہ وہ آئیں اور میرے ساتھ مناظرہ کریں۔ فاضلکا کے مشہور عالم عبداللہ اوڈ بھی مولانا عبدالستار کے ساتھ تھے اور وہاں کی اوڈ برادری کی اکثریت کا تعلق جماعت غرباء اہل حدیث سے تھا اور مولانا عبداللہ اوڈ ان کے سربراہ تھے۔

مولانا محمد علی اپنے علاقے کے صاحب اثر ورسوخ عالم دین تھے اور ان کا خاندانی پس منظر بھی تھا جو کم وبیش سو سال پر محیط تھا، اِردگرد کے بہت سے لوگ ان کے پاس آئے اور مولانا عبدالستار صاحب کے چیلنج کا جواب دینے کے لیے کہا لیکن مولانا محمد علی اس پر آمادہ نہ ہوئے۔ فرمایا میرے نزدیک جماعت اہل حدیث کے لوگوں کا آپس میں جھگڑنا مناسب نہیں، لیکن سات آٹھ روز میں حالات ایسے پیدا ہو گئے کہ مناظرے تک نوبت پہنچ گئی۔ وہ مناظروں اور مباحثوں کا دور تھا اور لوگ اس میں بے حد دلچسپی لیتے تھے۔ مولانا محمد علی صاحب نے مولانا عطاء اللہ صاحب سے اس سلسلے میں مشورہ کیا تو انھوں نے فرمایا کہ مولانا احمد الدین گکھڑوی کو ان سے مناظرے کے لیے لانا چاہیے۔ چنانچہ مولانا عطاء اللہ صاحب گکھڑ گئے اور مولانا احمد الدین کو مرکز الاسلام لائے۔

بہت بڑا مجمع تھا اور نہر کے قریب ایک گاؤں میں مناظرہ ہوا تھا۔ اوڈ بڑی تعداد میں آئے تھے مولانا عبداللہ اوڈ بھی موجود تھے جو ان کے سربراہ تھے اوڈوں نے ہاتھوں میں بڑی بڑی لاٹھیاں پکڑ رکھی تھیں۔ یہ لوگ مولانا عبدالستار کے حامی اور عقیدت مند تھے۔ مولانا احمد الدین سے مناظرہ خود مولانا عبدالستار صاحب کر رہے تھے۔

مولانا احمد الدین گکھڑوی کے بالکل قریب مولانا عطاء اللہ بیٹھے تھے اور مختلف کتابوں سے ان کو حوالے نکال کر دے رہے تھے۔ مولانا احمد الدین بڑے تیز ذہین اور حاضر جواب مناظر تھے ان کی نظر کمزور تھی پڑھتے وقت کتاب آنکھوں کے بالکل قریب لے جاتے تھے مناظرے کے دوران انھوں نے کئی دفعہ پنجابی میں مولانا عطاء اللہ صاحب سے کہا کہ مولوی عطاء اللہ جلدی سے فلاں کتاب سے فلاں حدیث نکالو، میں ان کو بتاؤں کہ اس کا صحیح مطلب کیا ہے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اوڈ حضرات نے جب دیکھا کہ دلائل اور گفتگو کے اعتبار سے مولانا احمد الدین کا پلہ بھاری ہو رہا ہے تو انھوں نے شور مچا دیا اور فضا میں لاٹھیاں لہرانے لگے۔ اِدھر جلدی سے مولانا عطاء اللہ صاحب نے کچھ لڑکوں کی مدد سے کتابیں اکٹھی کیں اور مولانا احمد الدین کو کھینچ کر قریب کی مسجد میں لے گئے اور پھر انھیں گھوڑی پر بٹھا کر مرکز الاسلام کو روانہ ہو گئے جو وہاں سے تین میل کے فاصلے پر تھا۔

مرکز الاسلام کا نام بظاہر بڑا بارعب تھا لیکن وہاں گئے تو پتہ چلا کہ یہ تو بالکل جنگل ہے نہ کوئی دکان، نہ گلی نہ محلّہ۔ ہم اچھے خاصے بارونق شہر سے گئے تھے۔ اب اجاڑ میں آ گئے تھے پہلی دفعہ گھر سے نکلے تھے اور بیابان میں جا بیٹھے تھے۔ ابتداء میں تو بڑی وحشت اور گھبراہٹ سی ہوئی لیکن آہستہ آہستہ دل کو سمجھا لیا کہ اس ماحول سے اب صلح کرنا پڑے گی چنانچہ اپنے آپ کو اس سے مانوس کر لیا۔

مولانا محی الدین اور معین الدین سے ہماری پکی دوستی ہو گئی تھی جو بحمد اللہ اب تک قائم ہے۔ یہ دونوں بھائی بڑے زندہ دل، خوش مزاج، ہنس مکھ اور ذوقِ لطیف رکھتے ہیں اب بھی اسی طرح ملتے ہیں۔ جس طرح آج سے پچپن برس پہلے ۱۹۳۷ء میں ملتے تھے۔ مولانا معین الدین سے تو ملاقات کے مواقع میسر آتے رہتے ہیں لیکن مولانا محی الدین سے کبھی کبھی ملنے کا اتفاق ہوتا تھا۔

مرکز الاسلام سے روزانہ دو ٹرینیں فیروز پور سے آتیں اور فاضلکا کی طرف جاتی تھیں، پہلی دوپہر کو تقریباً بارہ بجے اور دوسری شام کو چھ بجے۔ دو ہی فاضلکا کی طرف سے آتی اور فیروز پور کو جاتی تھیں۔ ایک صبح نو بجے کے لگ بھگ اور دوسری بعد از دوپہر تین بجے کے قریب۔! ان چار وقت کی گاڑیوں میں سے ہر گاڑی سے مہمان آتے تھے کسی سے کم کسی سے زیادہ بعض اوقات دس دس پندرہ مہمان جمع ہو جاتے تھے۔ جمعے کے دن تو مختلف مقامات سے چالیس چالیس آدمی آ جاتے تھے۔ سب کو کھانا کھلایا جاتا تھا مولانا محمد علی صاحب کے گھر کھانا پکانے اور گھر کا کام کرنے کے لیے کوئی ملازمہ نہ تھی سب کام گھر

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کی خواتین کرتی تھیں۔ طلبا کے لیے، مہمانوں کے لیے، گھر کے افراد کے لیے اور مزارع کے لیے جس کا نام چراغ تھا، وہی کھانا تیار کرتی تھیں۔ اُس وقت تو خیال نہیں آتا تھا، اب سوچتا ہوں تو حیرانی ہوتی ہے کہ مولانا محمد علی لکھوی کتنے کھلے دل کے عالم تھے جو روزانہ بیس تیس افراد کو کھانا کھلاتے تھے اور ان کی خواتین کس درجہ بلند حوصلہ تھیں کہ گرمی اور سردی کے موسم میں اتنے لوگوں کے لیے صبح شام کھانا تیار کرتی تھیں اور ان کا دن رات کا زیادہ وقت چولہے پر گزرتا تھا۔

۱۹۳۷ء میں ایک سال میں طالب علم کی حیثیت سے مرکز الاسلام رہا، اس کے بعد ۱۹۴۳ء سے جون ۱۹۴۷ء تک وہاں معلم کی حیثیت سے خدمات سرانجام دیں، کھانا ہمیشہ ان کے گھر سے آتا رہا، میرے دورِ معلمی میں مولانا محمد علی تو مدینہ منورہ میں قیام فرما تھے۔ البتہ ان کے صاحبزادے مولانا محی الدین اور معین الدین مرکز الاسلام میں تھے، جو وہاں رہنے اور آنے جانے والوں کی خدمت کرتے تھے، اس قسم کا وسیع القلب، عالی ہمت اور صاحب جود وسخا گھرانہ میں نے کوئی نہیں دیکھا، علمائے کرام کی جماعت میں تو اس سلسلے میں کوئی ان کا مقابلہ نہیں کرسکتا، اللہ تعالیٰ یقیناً ان کی اس بہت بڑی نیکی کو شرفِ قبولیت عطا فرمائے گا۔

مولانا عطاء اللہ صاحب کی ماہانہ تنخواہ کوٹ کپورے میں بھی پندرہ روپے تھی اور مرکز الاسلام میں بھی پندرہ رپے تھی لیکن دونوں مقامات کے اخراجات میں بہت فرق تھا، کوٹ کپورے کرائے کا مکان تھا اور سبزی وغیرہ بھی وہ اسی تنخواہ سے لیتے تھے۔ علاوہ ازیں ایک روپیہ مہینے کا ستے کو بھی دیتے تھے، جو روزانہ پانی کی ایک مشک (جس سے درمیانے درجے کے تین گھڑے بھر جاتے تھے۔) ان کے گھر لے کر جاتا تھا۔ ایندھن بھی مہینے میں ایک روپے کا خرچ ہوتا ہوگا لیکن مرکز الاسلام میں مکان کا کرایہ نہیں تھا۔ مولانا محمد علی صاحب نے اپنے مکان سے بالکل متصل ان کے لیے مکان کا انتظام کر دیا تھا اور سبزی وغیرہ مولانا کا مزارع گھر پہنچا دیتا تھا۔ ستے کو بھی ایک روپیہ نہیں دینا پڑتا تھا۔ ایندھن بھی بغیر کچھ خرچ کیے مل جاتا تھا۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مولانا عطاء اللہ صاحب کے مہمان بھی وہاں آتے تھے۔ کوٹ کپورے سے بھی بعض لوگ ان سے ملاقات کے لیے آجاتے تھے ان کے دوستوں اور رشتے داروں کی آمدورفت بھی رہتی تھی۔

مولانا کا پندرہ روپے مشاہرہ اس زمانے میں کوئی معمولی مشاہرہ نہ تھا، ان کے علم وفضل کے مطابق بڑا معقول اور مناسب تھا، یہ وہ دور تھا جب گندم زیادہ سے زیادہ دو روپے من تھی، چینی ایک روپے کی پانچ سیر، گھی ایک روپے کا سیر، دودھ چھ پیسے کا سیر، بکرے کا گوشت چار آنے کا سیر، شکر ایک روپے کی بارہ سیر، گڑ روپے کا پندرہ سیر اور نمک روپے کا بیس سیر تھا، جو بارہ آنے کے ایک من اور چنے ایک روپے کے ایک من عام ملتے تھے۔ اس طرح کپڑا بھی بہت سستا تھا، البتہ روپیہ بہت مہنگا تھا۔ پندرہ بیس روپے اچھے خاصے سرکاری افسر کی تنخواہ تھی۔

ایک مرتبہ ایک عجیب لطیفہ ہوا۔ قاضی عبیداللہ جو کوٹ کپورے سے تعلق رکھتے تھے مرکز الاسلام گئے اور دو ڈھائی مہینے وہاں رہے مرکز الاسلام میں ایک سہ روزہ اخبار بذریعہ ڈاک آتا تھا، اب یاد نہیں رہا کہ وہ اخبار ''زمزم'' تھا جو لاہور سے شائع ہوتا تھا یا ''مدینہ'' تھا جو بجنور (یوپی) سے نکلتا تھا۔ ''زمزم'' کے ایڈیٹر ممتاز صحافی محمد عثمان فارقلیط تھے اور ''مدینہ'' کے ملک نصراللہ عزیز تھے۔

قاضی عبیداللہ اخبار تو پڑھتے ہی تھے لیکن اس کے ساتھ ہی انھیں مختلف امراض کی دواؤں کے وہ اشتہار پڑھنے کی بھی عادت تھی جو اخبار میں شائع ہوتے تھے۔ ایک دن وہ صبح لسی پی کر مرکز الاسلام سے نکلے اور شام کے بعد واپس آئے..... مولانا محی الدین نے پوچھا کہ دن بھر کہاں رہے؟

جواب دیا، بس یوں ہی اِدھر اُدھر گھومتا رہا۔

دوسرے دن پھر صبح سے شام تک غائب.....!

چار پانچ دن یہی سلسلہ رہا۔ صبح گئے اور شام کے بعد آئے پوچھا تو جواب دیا کہیں نہیں

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

گیا، بس اِدھر اُدھر گھومتے پھرتے دن غروب ہو گیا۔

بالآخر ایک دن بتایا کہ میں نے اخبار میں ایک اشتہار پڑھا تھا، جس میں لکھا تھا کہ فلاں مرض کے لیے یہ یہ دوائیں لو اور اس طریقے سے استعمال کرو۔ ان دواؤں میں ایک دوا کا نام ''کشنیز'' ہے۔ سب دوائیں مل گئی ہیں لیکن کشنیز نہیں ملا۔ پچھلے چار پانچ روز میں کئی دیہات کا چکر لگا چکا ہوں۔ ''کشنیز'' خدا جانے کیا دوا ہے اس کا کچھ پتہ نہیں چلا۔

قاضی عبیداللہ کی یہ بات سن کر سب ہنس پڑے۔ مولانا عطاء اللہ صاحب نے مولانا محی الدین سے کہا آپ تکلیف کیجیے اور قاضی صاحب کی یہ مشکل حل کر دیجئے۔ وہ مسکراتے ہوئے اٹھے گھر گئے اور دو تین منٹ کے بعد دھنیا کا بھرا ہوا کٹورا قاضی صاحب کی خدمت میں پیش کر دیا۔

قاضی عبیداللہ آج کل فیصل آباد میں اقامت گزیں ہیں۔

قیام مرکز الاسلام کے زمانے میں مولانا عطاء اللہ حنیف کا یہ معمول تھا کہ پچیس دن یا ایک مہینے کے بعد اپنے استاذ محترم حضرت مولانا عطاء اللہ صاحب لکھویؒ کی خدمت میں لکھو کے جاتے تھے جو اس وقت وہاں خدمتِ تدریس انجام دیتے تھے۔

مولانا محمد علی لکھویؒ اور مولانا عطاء اللہ حنیف بھوجیانی میں بعض معاملات میں بڑی ذہنی ہم آہنگی تھی، مثلاً سیاسیات میں دونوں کا نقطۂ نظر ایک تھا۔ اور دونوں کی اس موضوع پر اکثر گفتگو رہتی تھی۔

مولانا محمد علی نہایت دلچسپ بزرگ تھے۔ بہت بڑے عالم اور انتہائی خوش مزاج ذہن رسا پایا تھا اور لطیفے لطیفے میں بعض اوقات بڑی پتے کی بات کہہ دیتے تھے ایک دن مولانا عطاء اللہ صاحبؒ نے کسی سلسلے میں ان سے گفتگو کرتے ہوئے کہا آپ کے بہت مُرید ہیں۔

فوراً جواب دیا۔ اب وہ مَرید ہو گئے ہیں۔

۱۹۳۷ء کے آخر تک مولانا عطاء اللہ صاحبؒ مرکز الاسلام میں رہے۔ اس سال کے اکتوبر یا نومبر کی بات ہے [illegible] وز پور سے مولانا عبیداللہ احرار اور خان عبدالعظیم خاں

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مرکز الاسلام مولانا محمد علی صاحب کی خدمت میں گئے۔ انھوں نے مولانا لکھویؒ سے کہا کہ فیروز پور کی مسجد گنبداں والی کے لیے خطیب کی ضرورت ہے اور وہاں ہم ایک مدرسہ بھی قائم کرنا چاہتے ہیں۔ لہٰذا ہماری درخوست ہے کہ آپ مولانا عطاء اللہ صاحب کو اجازت دیں کہ وہ فیروز پور تشریف لے جائیں، اور وہاں خطابت وتدریس کی خدمات سرانجام دیں۔

فیروز پور میں جماعت اہل حدیث کی ایک ہی مسجد تھی اور وہ تھی مسجد گنبداں والی۔ اس مسجد میں طویل مدت سے مولانا عبدالکریم صاحب فرائض خطابت وامامت سرانجام دینے پر مامور تھے انھیں ''گرنتھی'' اور ''امین خاندانِ غزنویہ'' کہا جاتا تھا۔ گرنتھی اس لیے کہ انھیں سکھوں کی مذہبی کتاب گرنتھ صاحب کے اکثر مقامات زبانی یاد تھے وہ اس موضوع پر بہت اچھی تقریر کرتے تھے اور اس کی تعلیمات بیان کرنے پر انھیں قدرت حاصل تھی یہی وجہ ہے کہ سکھ حضرات ان کا بے حد احترام کرتے تھے۔

''امین خاندانِ غزنویہ'' وہ اس لیے کہلاتے تھے کہ حضرت الامام مولانا عبدالجبار غزنویؒ کے شاگرد و مرید تھے اور عرصے تک امرتسر کے مدرسہ غزنویہ کے سفیر رہے تھے۔ پنجابی زبان کے وہ بہت اچھے شاعر تھے۔ مختلف موضوعات پر انھوں نے پنجابی نظم میں کئی بہترین کتابیں تصنیف کیں۔ انھوں نے امام صاحب کی وفات پر پنجابی نظم میں ایک چھوٹی سی کتاب لکھی تھی جو اس زمانے میں نہایت مقبول ہوئی تھی۔ اس کا نام تھا۔

''جھوک ہادی میرے عبدالجبار دی''

اس کتاب کا ایک بند ملاحظہ ہو۔

دَور داؤد دی کجھ قابل تسلی اے
سارے گھرانے دی ایہ پونی تے چھلی اے
ایہہ دی بدولت نہر علم دی چلی اے
عمر دراز قومی خدمت گذار دی
جھوک ہادی میرے عبدالجبار دی

اب مولانا عبدالکریم گرنتھی بوڑھے ہو گئے تھے اور خدمت خطابت وامامت سے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سبکدوش ہونا چاہتے تھے..... انھوں نے ۲۴۔اپریل ۱۹۶۱ء کو بہاول نگر میں وفات پائی۔

وہاں کے رام سکھ داس (آر ایس ڈی) کالج میں دینیات اور عربی کے پروفیسر قاضی احمد اللہ صاحب تھے جو اصلاً سیالکوٹ کے رہنے والے تھے اور کالج کی ملازمت کی بنا پر فیروز پور میں مقیم تھے۔ وہ اہل حدیث مسلک سے تعلق رکھتے تھے، مولانا عبدالکریم کی سبکدوشی کے بعد گنبداں والی مسجد میں وہی خطبہ دیا کرتے تھے، لیکن یہ عارضی انتظام تھا، وہاں ایک ایسے مستقل خطیب کی ضرورت تھی جو مدرسہ جاری کر کے تدریس کا فریضہ بھی ادا کرے۔ اس کے لیے مسجد کی مجلس انتظامیہ کی نظر مولانا عطاء اللہ حنیف پر پڑی اور انتظامیہ میں زیادہ فعال اور سرگرم رکن مولانا عبید اللہ احرار اور خان عبدالعظیم خاں تھے۔ چنانچہ یہ دونوں مولانا محمد علی لکھوی کی خدمت میں مرکز الاسلام گئے اور مولانا عطاء اللہ صاحب کو فیروز پور لے آئے۔ تو آیئے اب ہم ۱۹۳۸ء کے دور میں داخل ہوتے اور فیروز پور شہر کا رُخ کرتے ہیں۔

مولانا عطاء اللہ صاحبؒ نے فیروز پور جاتے ہی خطابت کی ذمہ داریاں بھی سنبھال لیں اور ''دارالحدیث نذیریہ'' کے نام سے ایک درس گاہ قائم کر کے تدریسی سرگرمیاں بھی شروع کر دیں۔ اس مدرسے کو دو اور فاضل اساتذہ کی خدمات حاصل ہوگئی تھیں ایک مولانا محمد شفیع ہوشیار پوری کی اور دوسرے ان کے قریبی عزیز مولانا ثناء اللہ صاحب کی۔

مولانا محمد شفیع قیامِ پاکستان کے بعد صوبہ سندھ کے ایک علاقے میں مقیم ہو گئے تھے، اب بھی وہیں ہیں، دو یا تین دفعہ وہ لاہور تشریف لائے تو مولانا عطاء اللہ صاحبؒ کے دولت کدے پر اس فقیر کو ان کی زیارت کا شرف حاصل ہوا۔

مولانا ثناء اللہ صاحب کئی سال سے جامعہ سلفیہ (فیصل آباد) میں تدریسی خدمات سرانجام دے رہے ہیں۔ ان کا شمار میرے فاضل اساتذہ میں ہوتا ہے۔ مجھے ان سے فیروز پور میں منطق، ادب اور صرف ونحو کی بعض کتابیں (یا ان کتابوں کے بعض حصے) پڑھنے کی سعادت حاصل ہوئی ہے۔ اس کی ضروری تفصیل اس مضمون میں لکھ چکا ہوں جو میں نے ماہنامہ ''ترجمان السنہ'' (لاہور) ۱۹۹۱ء کے ایک شمارے میں ان کے بارے میں تحریر کیا ہے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مرکز الاسلام میں اگرچہ حضرت مولانا محمد علی لکھوی سیاسیات میں مولانا عطاء اللہ صاحبؒ سے ذہنی طور پر مطابقت رکھتے تھے اور حضرت مولانا ابوالکلام آزاد کے افکار وتصورات کے حامل تھے لیکن وہاں ان کا حلقہ بہرحال محدود تھا اور ذہنی وفکری وسعت کے باوجود ماحول ومقام اور آبادی کے اعتبار سے سمٹا ہوا تھا۔ فیروز پور پہنچتے ہی ان کا دائرہ تعلقات پھیل گیا تھا اور ان سے میل جول رکھنے والوں کی تعداد بہت بڑھ گئی تھی۔

مجلس احرار کا فیروز پور میں خاصا اثر تھا جو لوگ اس میں عملاً حصہ لیتے تھے ان میں مولانا عبید اللہ احرار، خان عبدالعظیم خان، مہر محمد علی، شیخ غلام حیدر ایڈووکیٹ، حکیم احمد علی اور چوہدری علی محمد کے نام قابل ذکر ہیں۔ یہ حضرات ذاتی اور معاشرتی طور پر وہاں کے بااثر اور کھاتے پیتے لوگوں میں سے تھے، مولانا عطاء اللہ صاحب اگرچہ مجلس احرار سے تعلق رکنیت نہیں رکھتے تھے اور اس کے نقطۂ نظر کے بعض پہلوؤں سے انھیں اختلاف بھی تھا تاہم آزادی وطن کے باب میں وہ اس کی سرگرمیوں کے مؤید تھے، اور اس کا کھل کر اظہار کرتے تھے ان کا تصوراتی اور عملی تعلق کانگرس سے تھا، چنانچہ انھیں فیروز پور شہر کی کانگرس کمیٹی کا نائب صدر منتخب کر لیا گیا تھا۔ جمعیت علمائے ہند کی ضلع فیروز پور کی شاخ کے وہ صدر تھے۔

مولانا عطاء اللہ صاحب کی بہت بڑی خوبی جو ہمیشہ ان کی زندگی کا لازمی جز رہی، یہ تھی کہ سیاسی مسائل کے اظہار وبیان میں انھوں نے کبھی اپنے دل کی بات کو چھپایا نہیں جس بات کو اپنے علم ومطالعہ کی روشنی میں صحیح سمجھا اس کا کھل کا اظہار کیا۔ اس ضمن میں کسی کے دباؤ میں آنا یا کسی مصلحت کا شکار ہونا ہرگز ان کا شیوہ نہ تھا۔

گنبداں والی مسجد کی مجلسِ منتظمہ میں اور فیروز پور کی جماعت اہل حدیث کے معزز ارکان میں احراری بھی تھے اور مسلم لیگی بھی اور سیاسی اعتبار سے وہ انتہائی ہنگامہ خیز دور تھا، لیکن خطبہ جمعہ اور جماعت کے عام جلسوں میں مولانا عطاء اللہؒ اپنے خیالات وافکار کی وضاحت وتبیین پوری جرأت اور آزادی سے کرتے تھے، نماز جمعہ کے بعد اگر کوئی شخص ان کی کسی بات سے اختلاف کا اظہار کرتا تو اس کا جواب دینے میں ان کو کبھی کوئی

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہچکچاہٹ محسوس نہیں ہوئی۔

فیروز پور میں ان کے اثر ورسوخ کا یہ عالم تھا کہ مخالف وموافق ان کا احترام کرتے تھے، بریلوی اور دیوبندی حضرات بھی ان کی خدمت میں آتے اور نہایت اکرام وتکریم کے ساتھ ان سے مخاطب ہوتے تھے، ان کے خلاف کبھی کسی نے سیاسی یا مسلکی معاملے میں ہنگامہ آرائی نہیں کی اور کبھی کوئی ایسی بات نہیں کی جس سے ان کا وقار مجروح ہوا ہو۔ وہاں کے گوکھلے ہال میں بھی مسلمانوں اور غیر مسلموں کے مشترکہ اجتماعات میں انھوں نے تقریریں کیں اور لوگوں نے سکون واطمینان کے ساتھ سنیں۔

سیاسیات کے میدان میں مقامی طور پر ان کی بڑی حیثیت تھی، فیروز پور کی شہری اور ضلعی سیاست میں ان کا مقام بڑا اونچا تھا اور اس دور میں یہ بہت بڑی بات تھی۔

حق گوئی اور صاف بیانی کی بنا پر ہر حلقے میں ان کو لائق تکریم گردانا جاتا تھا، اپنی رفتار طبع کے مطابق بسا اوقات جلسوں اور میٹنگوں میں جانے سے احتراز کرتے تھے، ان کی سادگی اور مسلک کی پختگی ہر لحہ ان کے ساتھ رہی۔ اس باب میں کسی نوع کی لچک ان میں کبھی نہیں آئی۔

ان کے متعلق تمام ضروری باتیں میں بغیر کسی ذہنی تحفظ کے صاف لفظوں میں بیان کر رہا ہوں اور کرنی چاہییں ملکی سیاسیات سے متعلق اپنے یا اپنے اکابر کے قبل از آزادی کے نقطۂ نظر کو چھپانا یا اس کی غلط اور خلافِ واقعہ توجیہات کرنا ذہنی کمزوری کی دلیل اور بزدلی کی علامت ہے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ بعض لوگ اپنے اکابر کے اس زمانے کے سیاسی افکار وتصورات کی ایسی تاویلیں کرتے ہیں جو سراسر جھوٹ اور کذب بیانی پر مبنی ہیں۔ معلوم نہیں مرحومین پر یہ لوگ کیوں افترا باندھنے پر مصر ہیں۔

ہمارا نقطہ نظر یہ ہے کہ آزادی کسی ایک ہی تحریک کے نتیجے میں حاصل نہیں ہو جاتی اور کسی ایک ہی جماعت کی جدوجہد سے گلستانِ حریت میں داخل نہیں ہوا جا سکتا، آزادی کی نعمتِ عظمیٰ مختلف تحریکوں، مختلف رہنماؤں اور مختلف جماعتوں کی سعی مسلسل سے حاصل ہوتی ہے۔ اگرچہ وہ جماعتیں اور وہ رہنما بظاہر کتنے ہی مختلف الخیال ہوں، آزادی کے لیے ان کی

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کوششیں قدرِ مشترک کا درجہ رکھتی ہیں۔

برصغیر پاک وہند کی آزادی وحریت کا بھی ایک پس منظر تھا جو بڑا طویل تھا بہت سی جماعتوں اور بے شمار افراد کی مساعی اور بے پناہ قربانیاں اس میں شامل تھیں۔ جو لوگ آزادی کے پس منظر کو سامنے نہیں رکھتے اور کسی ایک ہی جماعت کی جدوجہد کو آخری اور قطعی قرار دینے پر بضد ہیں، وہ وادیٔ سیاست کے نشیب وفراز اور اُس کے صحیح اصولوں کو ہرگز نہیں سمجھ سکتے۔ آج ہم جس آزاد فضا میں سانس لے رہے ہیں اُس کے حصول میں بہت سے گروہوں، بہت سے رہنماؤں اور بہت سی جماعتوں کا حصہ ہے۔

یہاں یہ بات یاد رکھنی چاہیے کہ مولانا عطاء اللہ صاحبؒ کی سیاست ہمہ وقتی نہیں تھی اور اسی کو انھوں نے اپنی زندگی کا اوڑھنا بچھونا نہیں بنا لیا تھا۔ ان کی سرگرمیوں کا اصل اور بنیادی محور کتاب وسنت کی خدمت، حدیثِ رسول کی ترویج واشاعت اور درس وتدریس تھا۔ اس اہم اور اساسی کام کو انھوں نے تمام اُمور پر ہمیشہ مقدم قرار دیا اور اسی کو اپنی حیاتِ مستعار کا اصل مقصد سمجھا۔

فیروز پور میں انھوں نے تدریسی خدمت سرانجام دینے کے لیے جو درس گاہ قائم کی اس کا نام ''دارالحدیث نذیریہ'' رکھا یہ مدرسہ مسجد گنبداں والی میں قائم کیا گیا تھا اور جو بیرونی طلباء وہاں تعلیم حاصل کرتے تھے ان کے نام درج ذیل ہیں۔

۱۔ محمد اسماعیل: تحصیل زیرہ کے ایک گاؤں کے رہنے والے تھے۔ بڑے ذہین اور نیک نوجوان تھے۔ فارغ التحصیل ہونے کے بعد عالم جوانی میں وفات پا گئے تھے۔

۲۔ سید عبیداللہ شاہ: ضلع فیروز پور کی تحصیل زیرہ کے ایک مشہور قصبے ''مکھو'' کے رہنے والے تھے اور اس نواح کے ممتاز عالم سید عبدالرحیم شاہ کے فرزند گرامی قدر تھے۔ بڑے لائق اور متدین نوجوان تھے۔ عین عالمِ شباب میں اللہ کو پیارے ہو گئے تھے۔

۳۔ علی محمد: ان کا تعلق بھی ضلع فیروز پور کی تحصیل زیرہ کے ایک گاؤں سے تھا۔

۴۔ محمد جابر: یہ بھی اسی علاقے کے رہنے والے تھے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

۵۔محمد ابراہیم: ضلع قصور کے ایک گاؤں فتوحی والا کے رہنے والے تھے۔ اب بھی وہیں ہیں۔ اور ایک سکول میں معلم ہیں۔ ان سے کبھی ملاقات ہوتی ہے تو بہت خوشی کا اظہار کرتے ہیں۔ میرے پرانے دوستوں میں سے ہیں۔

۶۔محمد افضل: جیسا کہ پہلے بتایا جا چکا ہے کہ یہ مرکز الاسلام میں بھی مولانا سے تعلیم حاصل کرتے رہے تھے۔ فیروز پور میں اپنے عزیزوں کے ہاں ان کا قیام تھا، آج کل بورے والا میں اقامت گزیں ہیں۔

۷۔حافظ علی محمد: مولانا کے پرانے شاگرد تھے، ہمارے گاؤں چک ۵۳ گ ب (تحصیل جڑاں والا) میں سکونت پذیر ہیں۔

۸۔محمد شریف: ان کا تعلق کوٹ کپورہ سے تھا۔ اس وقت گگو منڈی (ضلع وہاڑی) میں کاروبار کرتے ہیں۔ طویل مدت سے ان سے ملاقات نہیں ہو سکی۔

۹۔عبدالکریم: مولانا عطاء اللہ صاحب کے عزیز تھے جو بعد میں ان کے ہم زلف ہوئے۔ ان کا اصل وطن ویرووال (ضلع گورداسپور) تھا۔ ان کی شادی میاں نور الدین کی چھوٹی صاحبزادی ''شریفہ بی بی'' سے ہوئی تھی۔ ماشاء اللہ اس جوڑی کو اللہ تعالیٰ نے بہت سی اولاد واحفاد سے نوازا ہے۔ اب یہ گوندلاں والا (ضلع گوجراں والا) میں رہ رہے ہیں۔

۱۰۔محمد سلیمان انصاری: ان کا ذکر پہلے بھی ہو چکا ہے۔ یہ مولانا عطاء اللہ صاحب کے حقیقی بھانجے ہیں اور ہفت روزہ ''الاعتصام'' میں کام کرتے ہیں۔

۱۱۔حبیب الرحمٰن لکھوی: حضرت مولانا عطاء اللہ صاحب لکھوی کے لائق فرزند تھے۔ کئی سال ہوئے وفات پا چکے ہیں۔

۱۲۔عبدالرحمٰن: ان کا تعلق مولانا عطاء اللہ صاحب کے گاؤں بھوجیاں سے تھا۔

۱۳۔ابوبکر صدیق: ضلع فیروز پور میں لکھو کے کے قریب ان کا گاؤں تھا، جس کا نام کرماں والا تھا، فیروز پور میں کچھ عرصہ مولانا عطاء اللہ صاحبؒ سے استفادہ کرتے رہے، اس کے بعد دہلی چلے گئے تھے۔ قیامِ پاکستان کے بعد لاہور میں بھی انھوں نے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مولانا سے اخذ علم کیا۔ آج کل لاہور میں مقیم ہیں۔ اور ایک ہائی سکول میں خدمت تدریس انجام دے رہے ہیں۔

۱۴۔محمد ابراہیم خلیل: گوندلاں والا کے رہنے والے تھے، مولانا عطاء اللہ صاحب سے ان کے اس وقت سے مراسم تھے۔ جب وہ طالب علم کی حیثیت سے گوندلاں والا میں مقیم تھے۔ اور حضرت حافظ محمد صاحب سے اکتساب فیض کر رہے تھے۔ ۱۹۳۸ء میں مولانا عطاء اللہ صاحب، فیروز پور گئے تو خلیل صاحب وہاں پہنچے اس وقت خلیل صاحب شادی شدہ اور صاحبِ اولاد تھے، کئی مہینے فیروز پور رہے اور علومِ مروجہ کی بعض کتابیں پڑھیں۔ مجھے یاد ہے انھوں نے صحیح مسلم مولانا سے اسی زمانے میں پڑھی تھی۔ مولانا سے ان کے گھریلو قسم کے تعلقات تھے۔ اللہ مغفرت کرے خوب آدمی تھے۔

۱۵۔مشتاق احمد: انھوں نے فیروز پور میں مولانا سے چند کتابیں پڑھیں۔ آج کل اوکاڑہ میں ہیں۔

۱۶۔محمد الدین: انھوں نے بھی مروجہ نصاب کی بعض کتابیں پڑھی تھیں۔ ان کا اصل تعلق کوٹ کپورہ سے تھا۔ آزادی کے بعد اوکاڑہ آ گئے تھے۔

۱۷۔محمد یحییٰ عثمان والا: فارغ التحصیل ہونے کے بعد تقسیم ملک تک یہ ہمارے ہاں کوٹ کپورہ (ریاست فرید کوٹ) میں پڑھاتے رہے۔ بعدازاں عثمان والا (ضلع قصور) میں خدمتِ تدریس وخطابت سرانجام دینے لگے تھے۔ اب بھی وہیں ہیں۔

۱۸۔ان سطور کا راقم فیروز پور میں تین سال (۱۹۳۸ء تا ۱۹۴۰ء) مولانا کے حلقۂ تلامذہ میں شامل رہا۔

فیروز پور کے تین حضرات نے ان سے قرآن مجید کا ترجمہ پڑھا تھا، اُن کے اسمائے گرامی یہ ہیں:

۱۔چوہدری بدرالدین: ضلع فیروز پور کے کسی گاؤں کے رہنے والے تھے اور غالباً محکمہ تعلیم میں کسی بڑے عہدے پر فائز تھے۔ تقسیم کے بعد ساہیوال میں وفات پائی۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

۲۔میاں محمد یعقوب: ضلع فیروز پور کی تحصیل زیرہ کے ایک گاؤں کے رہنے والے تھے اور اس نواح کے تعلیم یافتہ خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔ بسلسلہ ملازمت فیروز پور میں مقیم تھے اور گنبداں والی مسجد کے بالکل قریب رہائش پذیر تھے۔ تقسیم کے بعد فیصل آباد آ گئے تھے اور وہاں وکالت شروع کر دی تھی، کبھی ان سے ملاقات کا موقع ملتا تو نہایت خوشی کا اظہار کرتے۔ بڑے ملنسار، خوش مزاج اور ہنس مکھ تھے۔ ۸ مئی ۱۹۹۲ء کو (جمعے کے روز) فیصل آباد میں فوت ہوئے۔

۳۔سید حسن زمان نقوی: میرے خیال میں یہ اصلاً جالندھر کے رہنے والے تھے اور فیروز پور میں محکمہ ریلوے میں ملازم تھے۔ زندہ دل بزرگ تھے۔ سب لوگ انھیں شاہ صاحب کہا کرتے تھے۔ زبان کے میٹھے اور مزاج کے دھیمے تھے۔ تقسیم کے بعد ملتان چلے گئے تھے۔ وہیں فوت ہوئے۔

مولانا کے کوٹ کپورے اور مرکز الاسلام کے جن شاگردوں کا قبل ازیں ذکر کیا گیا ہے۔ اُن میں محمد رفیق بھی شامل ہیں۔ یہ ۱۹۳۸ء میں مزید تعلیم کے لیے دہلی چلے گئے تھے۔..... وہاں سے حضرت مولانا عبدالجبار کھنڈیلوی انھیں کھنڈیلہ (ریاست جودھ پور) لے گئے تھے اس کے بعد یہ دہلی آ کر حضرت مولانا احمد اللہ صاحب کے حلقۂ درس میں شامل ہو گئے تھے۔ انہی سے سندِ فراغت حاصل کی۔

میں نے فیروز پور میں مولانا عطاء اللہ صاحبؒ سے مندرجہ ذیل کتابیں پڑھیں۔

۱۔علم تفسیر: بیضاوی، جامع البیان

۲۔علم حدیث: ترمذی، ابن ماجہ، مؤطا امام مالک، صحیح مسلم

۳۔اصولِ حدیث: مقدمہ ابن الصلاح، معارف الحدیث

۴۔فقہ: ہدایہ اولین

۵۔اصولِ فقہ: توضیح وتلویح، مسلم الثبوت

۶۔علم نحو: کافیہ، الفیہ، شرح جامی

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

۷۔علم صرف: تحریر سمبٹ، زنجانی، شافیہ

۸۔عربی ادب: حماسہ، متنبّی، مقامات حریری

۹۔منطق: قطبی، میر قطبی

۱۰۔معانی و بیان: مطول

۱۱۔کلام: شرح عقائد نسفی، شرح مواقف

۱۲۔حکمت وفلسفہ: میبذی، صدرا

۱۳۔عروض: عروض المفتاح

شرح عقیدہ طحاوی بھی انھوں نے مجھے پڑھائی تھی۔

یہ کتابیں میں نے فیروز پور میں مولانا عطاء اللہ صاحب سے اور ان میں سے بعض مولانا ثناء اللہ ہوشیار پوری سے پڑھی تھیں۔ ۱۹۴۱ء میں یہ عاجز گوجراں والا حضرت مولانا حافظ محمد گوندلویؒ اور مولانا محمد اسماعیلؒ کے حلقۂ درس میں چلا گیا تھا۔۱۹۴۲ء کے آخر تک دو سال وہاں رہا اور مروجہ علوم معقول ومنقول کی دیگر انتہائی کتابیں ان دونوں حضرات سے پڑھیں۔اس کا تذکرہ ان شاء اللہ ان مضامین میں آئے گا جو حضرت حافظ صاحبؒ اور مولانا اسماعیل صاحبؒ پر لکھنا چاہتا ہوں۔

فیروز پور گئے تو بعض نئی چیزوں کا پتہ چلا۔

ہمارے ہاں بجلی نہیں تھی ہم لوگ سرسوں کے تیل سے دیا جلاتے تھے یا لالٹین میں مٹی کا تیل ڈال لیتے اور اس کی روشنی میں پڑھتے تھے۔ فیروز پور میں دیکھا کہ دیواروں پر بٹن لگے ہوئے ہیں اور چھتوں پر سفید شیشے کے انڈے سے لٹک رہے ہیں ادھر انگشت شہادت سے بٹن دبایا اور ادھر انڈے میں چنگاری سی نمودار ہوئی اور کمرے میں روشنی پھیل گئی۔

وہ ''ڈی، سی'' کی بجلی کہلاتی تھی جو کرنٹ لگنے کی صورت میں ایک جھٹکے کے ساتھ انسان کو پیچھے دھکیل دیتی تھی۔

ایک دن میں دیوار پر نصب شدہ لکڑی کی اس پلیٹ کو غور سے دیکھنے لگا جس میں کالے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کالے کئی بٹن سے لگے ہوئے تھے، پلیٹ میں چند سوراخ بھی تھے میں نے ایک سوراخ میں انگلی ڈال دی فوراً ایک زور کا جھٹکا لگا اور میں پیچھے کو ہٹ گیا اس کے بعد ہم نے کبھی یہ حرکت نہیں کی۔

ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ سردیوں کا موسم تھا اور صبح کا وقت، میں اپنے کمرے میں بیٹھا پڑھ رہا تھا آواز آئی ''ہکری اُوْ'' یہ آواز تھوڑے تھوڑے وقفے کے بعد مسلسل آ رہی تھی جو میرے قریب ہوتی جا رہی تھی۔ صاف پتہ چلتا تھا کہ آواز لگانے والا حلق کے نیچے سے کھینچ کر یہ الفاظ بول رہا ہے۔ ''ہکری اُوْ''

کچھ سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ یہ کیا کہہ رہا ہے اور اس کا کیا مطلب ہے؟

دوسرے دن بھی اُسی وقت یہ آواز آئی اور اسی انداز سے آئی جس انداز سے پہلے دن آئی تھی..... تیسرے دن بھی وہی وقت اور وہی انداز.....!

اب میں اٹھا کہ دیکھوں تو یہ کیا ہے؟ دیکھا کہ ایک شخص نے دائیں ہاتھ میں بڑی سی لاٹھی پکڑ رکھی ہے اور بائیں ہاتھ میں سلور کا ایک برتن ہے۔ اس کے آگے ساتھ آٹھ بکریاں ہیں وہ ان کا دودھ بیچ رہا ہے۔ اس کے اصل الفاظ ہیں ''بکری دودھ'' جو آواز کی بلندی کے ساتھ ''ہکری اُوْ'' سنائی دیتے ہیں۔

اسی طرح رات کو آٹھ بجے کے قریب ایک دن آواز آئی ''ہیکی بُو''۔ دوسرے دن پھر اسی وقت آواز آئی ''ہیکی بُو''۔ باہر نکل کر دیکھا تو ایک شخص مٹی کے تیل کا کنستر سر پر اٹھائے ہوئے تھا اور ہاتھ میں بوتل تھی وہ ایک آنے میں تیل کی بوتل دے رہا تھا، اس کے اصل الفاظ تھے ''تیل کی بوتل''..... جو کثرت استعمال سے اختصار کے سانچے میں ڈھل کر ''ہیکی بُو'' میں بدل گئے تھے۔

فیروز پور میں جلد ہی مولانا عطاء اللہ صاحب کے بہت سے لوگوں سے بہت اچھے تعلقات ہو گئے تھے۔ بعض حضرات سے ان کی بڑی بے تکلفی ہو گئی تھی، جن میں مولانا عبیداللہ احرار اور میاں محمد یعقوب خاص طور سے قابل ذکر ہیں۔ عبیداللہ احرار کو نام بدلنے اور ان کا ہندی میں ترجمہ کرنے میں خاص مہارت حاصل تھی۔ خود اپنے نام عبیداللہ کا انھوں

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نے ''چھوٹو رام'' ترجمہ کیا تھا اور عطاء اللہ کو ''رام دتہ'' کہتے تھے۔ مولانا محمد شفیع کو وہ ایک دلچسپ نام سے پکارتے تھے جواب ذہن میں نہیں رہا۔

عبدالعظیم خان اور بعض دوسرے حضرات بڑے متین اور سنجیدہ طبیعت کے مالک تھے وہ اس قسم کی بے تکلفی نہیں کرتے تھے، البتہ مولانا عبیداللہ کے اس نوع کے اسلوب پر خوش ضرور ہوتے تھے۔

فیروز پور میں مولانا عطاء اللہ کی تنخواہ بائیس روپے مقرر ہوئی تھی، جو اس سستے زمانے میں نہایت معقول تنخواہ تھی۔ ابتداء میں کچھ عرصہ وہ مسجد کے بالکل متصل کرائے کے مکان میں رہے۔ یہ مکان ایک کمرے اور ایک بیٹھک پر مشتمل تھا، صحن اچھا خاصہ تھا پرانے زمانے کے تعمیر شدہ اس مکان کا کرایہ تین روپے ماہانہ تھا۔

بعدازاں قصوری دروازے کے اندر باولی رام دیال میں نیا مکان مل گیا تھا۔ یہ بھی ایک کمرے اور بیٹھک پر مشتمل تھا، چھوٹا سا صحن بھی تھا، گرمیوں میں سونے کے لیے چھت پر باپردہ انتظام تھا، یہ مکان پہلے مکان سے چھوٹا تھا لیکن صاف ستھرا اور بالکل نیا تھا، اس کا کرایہ پانچ روپے ماہانہ تھا۔

''باولی رام دیال'' کے لفظ سے شبہ ہوتا ہے کہ یہ ہندوؤں کا محلہ ہوگا۔ ایسا نہیں تھا، مسلمانوں کا محلّہ تھا، (ممکن ہے ہندوؤں یا سکھوں کے بھی دو تین مکان ہوں۔) لیکن مجھے یاد پڑتا ہے اس محلے کے مالک مکان بھی مسلمان تھے اور کرائے دار بھی غالباً یہ جگہ جو کافی پھیلی ہوئی تھی اور کئی گلیوں پر مشتمل تھی مسلمانوں نے کسی ہندو (رام دیال) سے خریدی تھی، پھر اسی نام سے موسوم رہی جس سے پہلے موسوم تھی۔

مولانا نے فیروز پور میں مختلف موضوعات کی بہت سی کتابیں خریدیں۔ ان کے گھر کو اچھے خاصے کتب خانے کی حیثیت حاصل تھی۔ وہ لکھتے بہت کم تھے اور پڑھتے بہت زیادہ تھے کسی کتاب میں دوران مطالعہ کوئی ایسی بات آجاتی جو ان کے نزدیک اہم ہوتی تو اس پر نشان لگا لیتے اور جلد میں خالی چھوڑے ہوئے کاغذ پر تحریر کر دیتے کہ فلاں بات فلاں صفحے پر مرقوم ہے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ان کے ہاں فیروز پور میں بھی بہ کثرت مہمانوں کی آمدورفت رہتی تھی جن میں زیادہ تر علمائے کرام ہوتے تھے۔ مولانا مسعود عالم ندوی کو میں نے پہلی مرتبہ انہی کے ہاں دیکھا تھا۔

مولانا سید محمد جعفر شاہ پھلواروی ایک مرتبہ فیروز پور چھاؤنی آئے۔ وہ اس زمانے میں کپورتھلہ کی شاہی مسجد کے خطیب تھے اور مولانا ابوالاعلیٰ مودودی سے متاثر تھے۔ مولانا عطاء اللہ صاحبؒ کو ان کی آمد کا علم ہوا تو ان کی قیام گاہ پر پہنچے اور انھیں اپنے یہاں لے آئے۔ دوسرے دن نمازِ عشاء کے بعد قصوری دروازے کے اندر ایک مسجد کے سامنے ان کی تقریر ہوئی جس میں بہت کم تعداد میں لوگ شریک ہوئے تھے۔ اس جلسے یا جلسی کا اہتمام ایک شخص مستری محمد علی نے کیا تھا جو مولانا مودودی کی تحریریں پڑھا کرتے تھے اور مولانا عطاء اللہ صاحب کے دوست تھے۔ تقریر کے بعد شاہ صاحب کو مولانا پھر اپنے یہاں لے گئے تھے۔ مولانا کو مودودیؒ صاحب سے متعلق شاہ صاحب کے افکار وخیالات سے کوئی تعلق نہ تھا۔

مستری محمد علی جنھوں نے شاہ صاحب کی تقریر کا اہتمام کیا تھا، آزادی کے بعد لاہور آ گئے تھے اور مغل پورہ میں سکونت اختیار کر لی تھی۔ ان کا تعلق جماعت اسلامی سے تھا وہ مولانا عطاء اللہ صاحب سے ملاقات کے لیے شیش محل روڈ پر آیا کرتے تھے، میرے بھی وہ مہربان تھے اور مجھ سے ملاقات کا سلسلہ جاری رکھتے تھے اللہ ان کی مغفرت فرمائے، بہت نیک آدمی تھے۔

ایک نہایت متقی اور پرہیزگار عالم دین مولانا کریم الٰہی صاحب تھے جو مولانا عطاء اللہ صاحبؒ کے پاس وہاں تشریف لایا کرتے تھے۔ وہ ضلع فیروز پور کی تحصیل زیرہ کے ایک گاؤں قادر والا کے رہنے والے تھے، مولانا ممدوح بہت سے اوصاف کے مالک اور صاحب علم ومطالعہ بزرگ تھے، ان کا اندازِ گفتگو نہایت میٹھا، منکسرانہ اور دل نشین تھا، ناصحانہ اسلوب میں بات کرتے جو سامعین کے ذہن میں اُترتی جاتی۔ مولانا عطاء اللہ صاحب اور تمام ارکانِ جماعت انتہائی احترام کے ساتھ ان سے پیش آتے اور بڑی توجہ اور غور سے ان کے ارشادات سنتے اور ان سے مستفید ہوتے ان سطور کے راقم عاجز پر وہ بے حد شفقت فرماتے تھے، ان کے چہرے پر مسکراہٹ طاری رہتی تھی۔

www.KitaboSunnat.com

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

درسی کتابوں کے علاوہ میری عادت دوسری کتابیں پڑھنے اور خریدنے کی بھی تھی، ایک دن وہ تشریف لائے تو میں عزیز ہندی کی ایک کتاب کا مطالعہ کر رہا تھا جو تاریخ افغانستان سے متعلق تھی۔ انھوں نے کتاب دیکھی اور ادھر سے اُدھر اس کی چند سطریں پڑھیں تو ازراہِ کرم فرمایا بڑی خوشی کی بات ہے تم اس قسم کی عام معلومات کی کتابیں بھی پڑھتے ہو۔ پھر ارشاد ہوا اگر تم یہ کتاب عاریتاً مجھے دے دو تو میں اسے اپنے بیٹے کو مطالعہ کے لیے دینا چاہتا ہوں، (انھوں نے اپنے جس فرزند گرامی کا نام لیا وہ مجھے یاد نہیں رہا) چند روز کے بعد واپس کر دوں گا۔

میں نے عرض کیا میرے لیے یہ بے حد مسرت کی بات ہے کہ آپ کو اس فقیر کی کوئی کتاب پسند آئی، آپ یہ کتاب لے جایے اسے واپس کرنے کی ضرورت نہیں ہے میں اس کا مطالعہ کر چکا ہوں۔

وہ بڑے خوش ہوئے اور اس عاجز کے لیے دعا کی مولانا عطاء اللہ صاحب بھی اُس وقت تشریف فرما تھے، ان سے فرمایا کہ آپ کے اس شاگرد کا میں شکر گزار ہوں..... یہ ان کے مشفقانہ الفاظ تھے جن میں اس خاکسار کی حوصلہ افزائی کا پہلو پایا جاتا تھا۔

مولانا کرم الٰہی اسم بامسمّٰی تھے اور اللہ نے ان پر بڑا کرم فرمایا تھا، وہ خود بھی صاحبِ کرم اور صاحب جود وسخا تھے۔ اگست ۱۹۴۷ء میں وہ ایک قافلے کے ساتھ قصور تشریف لائے، میں بھی وہیں تھا، انھیں ہیضہ ہو گیا تھا اور یہ مرض اس وقت عام تھا، ان کے فرزندِ گرامی عبدالرحمٰن صاحب پاک پٹن کے ہائی سکول میں ہیڈ ماسٹر تھے وہ ان کو وہاں لے گئے تھے، مولانا ممدوح بیٹے کے پاس پاک پٹن پہنچتے ہی وفات پا گئے تھے۔

مولوی عبدالرحمٰن نے اپنے مسلک کی بڑی خدمت کی اور ان کی کوشش سے پاک پٹن میں مسجد اہل حدیث تعمیر کی گئی، یہ مولانا کرم الٰہی کے بڑے صاحبزادے تھے جو اللہ کو پیارے ہو چکے ہیں۔

مولانا کے ایک بیٹے کا نام عبداللہ تھا، آزادی کے بعد وہ خانیوال چلے گئے تھے،

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ان کا وہیں انتقال ہوا۔

ان دونوں بھائیوں کے دل میں مولانا عطاء اللہ صاحب کا بے حد احترام تھا اور وہ ان کی بڑی قدر کرتے تھے، عبدالرحمٰن صاحب تو اکثر لاہور تشریف لاتے اور مولانا سے ملتے تھے، اس عاجز کے بھی وہ مہربان تھے۔

مولانا کرم الٰہی صاحب کے دو صاحبزادے میاں عبدالعزیز صاحب اور میاں عبدالقادر صاحب کراچی میں اقامت گزین ہیں اور وہاں کاروبار کرتے ہیں، دونوں اپنے مرحوم ومغفور والدگرامی کی روایات کے پاسبان ہیں، اللہ ان کو خوش رکھے۔ ہمارے ساتھ ان کے بہت اچھے مراسم ہیں، اس مادی دور میں اس قسم کے عمدہ اوصاف کے حامل لوگوں کا وجود بڑا غنیمت ہے۔

اہل حدیث علما وصوفیا میں سے مولوی کمال الدین صاحب ڈوگر (سکنہ چھینبیا نوالہ) جناب سید محمد شریف صاحب گھڑیالوی، مولانا عبداللہ (موضوع کھپیا نوالی) اور دیگر بہت سے بزرگانِ کرام مولانا عطاء اللہ صاحب کے ہاں بطور مہمان آتے اور قیام فرماتے تھے۔

انہی دنوں ایک صاحب تشریف لائے طویل قامت، متوسط جسم، بھرا ہوا چہرہ، روشن آنکھیں، خشخشی سی ڈاڑھی، پاجامہ اور شیروانی زیب تن، زبان میں لکنت، یہ تھے مولانا ابو یحییٰ امام خان نوشہروی، وہ خالص دلی کے لہجے میں شُستہ اُردو بولتے تھے۔ اس زمانے میں اپنی مشہور کتاب ''تراجم علمائے حدیث'' لکھ رہے تھے۔ اپنے وطن سوہدرہ سے دلی جاتے ہوئے، اس کتاب سے متعلق مولانا عطاء اللہ صاحب سے گفتگو کے لیے وہ فیروز پور رُکے تھے جو اُن کے راستے میں پڑتا تھا، کئی دن ان کا قیام فیروز پور میں رہا، میں نے بعض علمائے کرام کے بارے میں ان سے کچھ استفسارات کیے تھے، جس پر خوش ہوئے تھے اور ازراہِ کرم مولانا عطاء اللہ صاحب سے بھی میرے استفسارات کا ذکر کیا تھا۔

قیام فیروز پور کے زمانے میں مولانا عطاء اللہ صاحب نے ایک کتاب ''امام شوکانی'' لکھی۔ اس کتاب کے سرورق پر بطور مصنف ''حنیف بھوجیانی'' لکھا ہے اور دوسرے صفحے پر یہ الفاظ تحریر ہیں۔ ''از فقیر ابوالطیب محمد عطاء اللہ حنیف بھوجیانی حال فیروز پور شہر''

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

یہ کتاب ۱۶/۳۰+۲۰ سائز کے ۷۰ صفحات پر مشتمل ہے اور دو صفحات کا ''تقدمہ'' مولانا اسماعیل صاحب کے قلم سے ہے۔ تقدمہ نویس کا نام اس طرح مرقوم ہے۔

تقدمہ کے بعد ''عرض حال'' مولانا عطاء اللہ صاحب نے سات صفحوں میں تحریر کیا ہے۔ اس کے نیچے لکھا ہے۔

''بندۂ فانی حنیف بھوجیانی۔ خادم طلباء دارالحدیث النذیریہ فیروز پور۔''

اس چھوٹی سی کتاب کا ناشر منیجر مکتبہ عتیقیہ، جھوک داؤد، تاندلیانوالہ، لائل پور ہے۔

اصل میں یہ کتاب میاں محمد باقر مرحوم کے بڑے صاحبزادے حافظ محمد زکریا مرحوم نے شائع کی تھی۔ غالباً کتابت بھی حافظ صاحب مرحوم نے کی تھی، اور انھوں نے جو اشاعتی ادارہ قائم کیا تھا اُس کا نام مکتبہ عتیقیہ رکھا تھا، جس کی طرف سے چھوٹی چھوٹی کئی کتابیں شائع کی گئی تھیں۔ مولوی عتیق اللہ ان کے چھوٹے بھائی کا نام تھا، جن کے نام سے یہ مکتبہ قائم کیا گیا تھا۔ اب یہ سب حضرات اللہ کو پیارے ہو چکے ہیں۔ رحمھم اللّٰہ تعالیٰ

مسجد گنبداں والی کی مجلس انتظامیہ میں دو رکن ذہنی طور سے پکے مسلم لیگی تھے، ایک میاں محمد یعقوب جن کا ذکر پہلے ہو چکا ہے اور وہ قیامِ پاکستان کے بعد فیصل آباد میں مقیم ہو گئے تھے۔ دوسرے میاں محمد سعید۔

میاں محمد سعید کے والدِ گرامی مولوی محمد حسین تھے جن کا شمار فیروز پور کی معروف شخصیتوں میں ہوتا تھا لیکن ہم نے ان کو نہیں دیکھا، ان کے بیٹے میاں محمد سعید بڑے شریف آدمی تھے، مولوی محمد افضل (بورے والا) کے تایا زاد تھے اور ان کی شادی افضل صاحب کی ہمشیرہ سے ہوئی تھی، آزادیٔ وطن کے بعد وہ ملتان چلے گئے تھے اور وہیں عین عالمِ جوانی میں فوت ہوئے۔

بعض دفعہ سیاسی معاملات میں عجیب عجیب لطیفے بھی ہو جاتے تھے۔ ایک دن نمازِ جمعہ کے بعد انتظامیہ کی میٹنگ ہو رہی تھی کہ میاں سعید صاحب نے مولانا عطاء اللہ صاحب سے پوچھا آپ کی شادی ہوگئی ہے؟

میاں محمد یعقوب نے کہا ہوگئی ہے بی بی سیاست سے.....!

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سعید صاحب کو مولانا سے بے تکلفی نہیں تھی وہ مولانا کا بہت احترام کرتے تھے، میاں یعقوب صاحب مولانا کا احترام بھی کرتے تھے اور ان سے گفتگو میں عام طور پر بے تکلفی کا اظہار بھی ہو جاتا تھا۔

ایک دفعہ اخبار ''زمزم'' (لاہور) میں جس کے ایڈیٹر مشہور صحافی مولانا محمد عثمان فارقلیط تھے، کسی اہم مسئلے پر بحث شروع ہوگئی۔ یہ ۱۹۳۸ء کی بات ہے۔ اس کی تفصیلات تو یاد نہیں رہیں، البتہ اتنی بات یاد ہے کہ اس بحث میں اس دور کے متعدد اہل علم اور اصحابِ قلم نے حصہ لیا تھا اور اُسے بڑی دلچسپی سے پڑھا جاتا تھا مولانا عطاء اللہ صاحب نے بھی اس میں حصہ لیا اور مضمون لکھا............ ایڈیٹر نے مولانا کا پورا مضمون شائع نہیں کیا تھا، اس کے بعض حصے کاٹ دیے تھے۔ اس پر جو نوٹ لکھا اس میں مولانا کے کسی حصۂ مضمون سے متعلق ''جسارتِ ناروا'' کا لفظ تحریر کیا تھا، جیسا کہ پہلے عرض کیا گیا، میاں یعقوب صاحب ان کے شاگرد بھی تھے اور بے تکلف دوست بھی۔ انھوں نے مضمون پڑھا تو مولانا کے پاس آئے اور مسکراتے ہوئے کہا: ''آپ نے جسارتِ ناروا کی'' کئی روز مولانا کے حلقۂ تعلقات میں اس مضمون پر گفتگو ہوتی رہی اور ان کی ''جسارتِ ناروا'' کا بطور لطیفے کے چرچا رہا۔

مولانا عطاء اللہ ولایتی چیزوں کے استعمال کے سخت مخالف تھے، نہ وہ خود انگریزوں کے ملک کی بنی ہوئی کوئی چیز خریدتے تھے اور نہ یہ پسند کرتے تھے کہ کوئی دوسرا خریدے۔ وہ دیسی چیزیں استعمال کرتے تھے اور لوگوں کو اس کی تلقین کرتے تھے، ولایتی مال خریدنا ان کے نزدیک ممنوع تھا۔

وہ ہندوستان کی انگریزی حکومت کے شدید مخالف تھے اور اس کے خلاف چلنے والی ہر تحریک کے حامی تھے لیکن جس تحریک سے عوام کو تکلیف پہنچتی ہو اُس کو بُرا سمجھتے تھے، مثلاً ریل کی پٹڑی اکھاڑنا اور ٹیلی فون وغیرہ کے تار کاٹنا ان کے نزدیک غلط کام تھا، اس لیے کہ اس سے عوام کو تکلیف پہنچتی ہے اور احتجاج کا یہ طریقہ قطعی غیر پسندیدہ اور ناروا ہے۔

مولانا عطاء اللہ صاحب ہر اس شخص سے ہمدردی کا اظہار کرتے تھے جو [illegible]

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

انگریز کو نکالنے کا خواہاں تھا، اگرچہ وہ کسی سیاسی جماعت سے منسلک ہوتا، مولانا ممدوح کے نزدیک وہ بہرحال قابل احترام تھا، ایک مرتبہ وہاں اس دور کا مشہور کمیونسٹ کارکن ٹیکا رام سخن آیا اور اس نے گھوکھلے ہال میں تقریر کی۔ مولانا بھی تقریر سننے گئے اور اس سے ملے، وہ تیز طرار مقرر تھا، شاندار اُردو میں شاندار تقریر کرتا تھا۔

ستمبر ۱۹۳۹ء میں دوسری عالم گیر جنگ شروع ہوئی تو ہندوستان کی انگریزی حکومت نے بہت سے سیاسی لوگوں کو گرفتار کر کے جیلوں میں ڈالنا شروع کر دیا تھا، ریاست فرید کوٹ کے کمیونسٹ ورکر رلیا سنگھ برگاڑی کو گرفتار کر کے لاہور سنٹرل جیل میں بند کر دیا گیا تھا وہ مولانا کا بہت احترام کرتے تھے، ان کو اور ٹیکا رام سخن کو (جو لاہور سنٹرل جیل میں بند تھے) حکومت نے فیروز پور جیل میں لے جانے کا فیصلہ کیا۔ اور ریل کے ذریعے ان کو فیروز پور شہر کے ریلوے سٹیشن پر لایا گیا۔ پولیس کے جو اہل کار ان کو لاہور سے فیروز پور لے کر گئے تھے، ان سے انھوں نے کہا کہ وہ مولانا عطاء اللہ صاحب اور ان سطور کے راقم سے ملنا چاہتے ہیں۔ چنانچہ ان میں سے ایک پولیس والا ہمارے پاس گیا اور ہمیں ریلوے سٹیشن پر لے آیا۔ رلیا سنگھ اور ٹیکا رام سخن دونوں کو ہتھکڑیاں لگائی گئی تھیں اور وہ پولیس کے چار پانچ اہل کاروں کی تحویل میں ریلوے سٹیشن پر بیٹھے تھے ہم نے ان کو چائے پلائی اور بسکٹ وغیرہ پیش کیے۔ کافی دیر ان سے سلسلۂ گفتگو جاری رہا۔

غالباً ۱۹۳۹ء کی بات ہے کہ ریاست فرید کوٹ کے حکام نے وہاں کی پرجامنڈل کے ارکان کے خلاف بڑا سخت رویہ اختیار کر لیا تھا۔ جس کے نتیجے میں انھوں نے فیروز پور جا کر گھوکھلے ہال میں اپنا کیمپ لگا لیا تھا۔ تقریباً ایک مہینہ پرجامنڈل کے ارکان نے اس کیمپ میں گزارا اور اس اثنا میں وہ ریاستی حکام کے متشددانہ رویے کے خلاف تحریر و تقریر کے ذریعے احتجاج کرتے رہے، ان دنوں مولانا عطاء اللہ صاحب کا یہ معمول رہا کہ ہر روز ایک یا دو مرتبہ ان کے پاس جاتے اور ان سے ہمدردی کا اظہار فرماتے۔

برصغیر میں چھوٹی بڑی ساڑھے پانچ سو ریاستیں تھیں ان ریاستوں میں تحریر و تقریر کی

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

آزادی نہ تھی اور ان میں بسنے والے لوگ سخت قسم کی سیاسی گھٹن کا شکار تھے۔ اس گھٹن کو دور کرنے کے لیے دوسری جنگ عظیم سے پہلے ایک سیاسی جماعت بنائی گئی تھی جس کا نام آل انڈیا سٹیٹس پیپلز کانفرنس رکھا گیا تھا، اس کے پہلے صدر کشمیر کے شیخ عبداللہ مرحوم منتخب ہوئے تھے۔ اس کانفرنس کا پہلا اور آخری جلسہ عام ۱۹۳۹ء کے آغاز میں شیخ عبداللہ کے زیر صدارت لدھیانہ میں منعقد کرنے کا فیصلہ کیا گیا تھا۔ اس لیے کہ کسی ریاست میں سیاسی جلسے کا انعقاد نہیں ہوسکتا تھا۔ لیکن شیخ عبداللہ کو حکومتِ کشمیر نے گرفتار کر لیا تھا، لہٰذا اس کی صدارت پنڈت جواہر لال نہرو نے کی تھی۔ اسی جلسے میں کانفرنس کا مستقل صدر مدراس کے پٹابی ستیہ رامیہ کو بنایا گیا تھا، اور یہ وہی پٹابی ستیہ رامیہ ہیں جو آزادیٔ وطن کے بعد مدراس کے گورنر مقرر کیے گئے۔

مولانا عطاء اللہ صاحبؒ اس جلسے میں شریک ہوئے، میں بھی ان کے ساتھ گیا تھا ہم لدھیانہ جانے والی ٹرین پر فیروز پور چھاؤنی کے سٹیشن سے صبح کے وقت سوار ہوئے تھے، اس وقت پنجاب میں یونینسٹ پارٹی کی حکومت تھی، اور پنجاب کے وزیراعظم سر سکندر حیات تھے۔ (۱۹۳۵ء کے ایکٹ کے مطابق اس زمانے میں صوبائی وزیراعلیٰ کو وزیراعظم کہا جاتا تھا) اس حکومت کے وزیر تعلیم میاں عبدالحئ تھے جو لدھیانہ کے رہنے والے تھے اور فقہی مسلک کے اعتبار سے اہل حدیث تھے۔ لدھیانہ میں مسجد اہل حدیث میاں عبدالحئ مرحوم نے بنوائی تھی اور وہی اس کے منتظم ومتولی تھے، یہ مسجد ان کے مکان سے متصل تھی تین دن آل انڈیا سٹیٹس پیپلز کانفرنس کا جلسہ جاری رہا اور تین دن ہم اسی مسجد میں رہے۔

یہاں یہ بھی عرض کر دوں کہ آل انڈیا سٹیٹس پیپلز کانفرنس بعض وجوہ کی بنا پر ریاستوں میں مقبول نہ ہوسکی، اور مقبول ہو بھی نہیں سکتی تھی، اس لیے کہ سب ریاستوں کے الگ الگ مسائل تھے اور کسی ایک مقصد پر سب لوگوں کا جمع ہونا ممکن نہ تھا، پھر شیخ عبداللہ کی گرفتاری اور قید کی وجہ سے یہ کانفرنس زیادہ دیر قائم بھی نہ رہ سکی، صرف مشرقی پنجاب کی چند ریاستوں تک محدود ہو کر رہ گئی، ان ریاستوں کی آسان زبان میں اس جماعت کا نام ''ریاستی پرجامنڈل'' تھا۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

فیروز پور کے رام سکھ داس (آر ایس ڈی) کالج کا پرنسپل پی وی کنل تھا جو ہندوؤں کے دیو سماج فرقے سے تعلق رکھتا تھا، بڑی بڑی سفید ڈاڑھی والا گورا چٹا یہ پرنسپل ''نیتی کی گھنٹی'' میں ملک کے سیاسی رہنماؤں کے خلاف نہایت زہریلے خیالات کا اظہار کرتا تھا اور اخلاق کے متعلق ۴۵ منٹ کے اس پریڈ کو اس نے ہندوستان کے ان قائدین کی مخالفت کے لیے خاص کر رکھا تھا جو ملک کی آزادی کے لیے قربانیاں دے رہے تھے، اس سے طلبا کے جذبات مشتعل ہوئے جو ایک تحریک کی شکل اختیار کر گئے۔ شیخ غلام حیدر ایڈووکیٹ نے اس تحریک کو ہاتھ میں لیا اور کالج کے تمام دروازوں پر پکٹنگ شروع ہوگئی۔ شیخ صاحب کو مقامی حکومت نے گرفتار کر لیا، تو مولانا عبید اللہ احرار میدان میں اُترے جن کی بیوی اور بہن کالج میں پڑھتی تھیں، تیسرے دن مولانا عبید اللہ احرار کو بھی پکڑ لیا گیا۔

اس سلسلے کے جلسے گھوکھلے ہال میں ہوتے تھے۔ یہ بہت بڑا ہال تھا جسے ایک وسیع میدان کی حیثیت حاصل تھی۔ ان حضرات کی گرفتاری کے بعد تحریک جاری رہی، روزانہ رات کو جلسہ ہوتا تھا جلسے کے مقرروں میں مولانا عطاء اللہ صاحب کی شخصیت نمایاں تھی۔

پکٹنگ (یا ستیہ گرہ) کرنے اور گرفتار ہونے والوں میں، میں بھی شامل تھا۔ ایک ایک مہینہ ہم لوگ فیروز پور جیل میں رہے، ان دنوں وہاں کے سیشن جج ایس اے رحمان مرحوم تھے، جنھوں نے بعد میں اتنی ترقی کی کہ پاکستان کی سپریم کورٹ کے چیف جسٹس بنائے گئے، ہماری ضمانت انہی نے لی تھی۔

آزادیٔ وطن کے بعد میں لاہور آیا تو ایس اے رحمان صاحب سے اچھے مراسم قائم ہو گئے تھے۔ بعض مسائل سے متعلق گھنٹوں ان سے گفتگو رہتی تھی کئی دفعہ خیال آیا کہ انھیں بتاؤں کہ آپ نے ہماری ضمانت لی تھی اور جیل سے باہر نکالا تھا لیکن نہیں بتایا بہرحال یہ بھی ہماری یادداشتوں کا ایک حصہ ہے جو مولانا عطاء اللہ صاحبؒ کا تذکرہ کرتے ہوئے نوکِ قلم پر آ گیا۔

مولانا عطاء اللہ صاحبؒ کے قیام فیروز پور کے زمانے میں ان کی بعض کتابیں

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کوٹ کپورے میں ایک صاحب کے مکان میں رکھی ہوئی تھی۔ ایک دن مولانا نے مجھے وہاں سے یہ کتابیں لانے کے لیے کوٹ کپورے بھیجا۔ میں نے کتابیں ایک کپڑے میں باندھ کر بس کی چھت پر رکھ دیں، وہ بس ہمارے ایک عزیز کی تھی، میں خود ڈرائیور کے ساتھ فرنٹ سیٹ پر بیٹھ گیا۔ پندرہ بیس میل کا سفر کیا ہوگا کہ بس میں بیٹھے ہوئے ایک شخص نے بلند آواز سے کہا:

موٹر کی چھت پر سے کاغذ اُڑ رہے ہیں۔

فوراً بس روکی گئی، دیکھا تو کپڑے کی گانٹھ کھل گئی تھی اور کئی کتابیں اُڑ گئی تھیں، دو تین کتابیں جو وہیں سے اڑی تھیں، سڑک کے اردگرد سے مل گئیں لیکن چھ سات کتابوں کا کچھ پتہ نہیں چل رہا تھا، بس واپس کی گئی، آنے جانے والوں سے پوچھا گیا مگر کتابوں کا پتہ نہ چلا۔ نہایت افسوس ہوا، فیروز پور پہنچ کر مولانا کو بتایا تو انھیں افسوس تو ہوا لیکن مجھے کچھ نہیں کہا کہنے سے کچھ حاصل بھی نہیں ہوسکتا تھا۔

جو کتابیں بس کی چھت پر سے اُڑیں، ان میں دو کتابیں نہایت اہم اور نایاب تھیں، ایک سید غلام علی آزاد بلگرامی کی تصنیف "سبحة المرجان فی آثار هندوستان" اور دوسری تھی سید نواب صدیق حسن خان کی "اتحاف النبلاء" یہ دونوں کتابیں مولانا نے بعد میں کہیں سے خریدیں جو ان کی اس لائبریری میں موجود ہیں جو انھوں نے تمام قارئین کے لیے وقف کر دی ہے اور شیش محل روڈ پر ایک شاندار بلڈنگ میں قائم ہے۔

فیروز پور میں مولانا عطاء اللہؒ صاحب نے مولانا مسعود عالم ندویؒ سے ایک چھوٹی کتاب مولانا عبیداللہ سندھیؒ کے افکار ونظریات کے متعلق لکھوائی تھی وہ کتاب اسی زمانے میں چھپ گئی تھی، مولانا عطاء اللہ صاحبؒ نے یہ کتاب اپنے ذرائع سے چھپوائی تھی۔

مولانا مسعود عالم ندویؒ سے مولانا عطاء اللہ صاحبؒ کے بہت اچھے مراسم تھے، مجھے یاد پڑتا ہے تقسیم سے کچھ عرصہ قبل مولانا مسعود عالم مالیر کوٹلے میں قیام پذیر رہے تھے اور اس زمانے میں مولانا عطاء اللہ صاحبؒ ان سے ملاقات کے لیے وہاں گئے تھے۔

ذہن میں کچھ ایسے نقوش بھی اُبھر رہے ہیں کہ ایک یا دو مرتبہ مولانا عبدالغفار حسن بھی

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مولانا عطاء اللہ صاحبؒ سے ملاقات کے لیے فیروز پور تشریف لے گئے تھے۔ مولانا عطاء اللہ صاحب جب مالیر کوٹلے گئے تھے۔ اس وقت مولانا عبدالغفار حسن بھی غالباً وہیں تھے۔ مولانا عطاء اللہ صاحبؒ نے کئی دفعہ ان کا ذکر فرمایا تھا۔

مالیر کوٹلہ پنجاب میں واحد ریاست تھی جس کا حکمران مسلمان تھا۔ ریاست تو آزادی کے بعد ختم ہوگئی تھی اور ضلع لدھیانہ میں شامل کر لی گئی تھی لیکن مسلمان وہاں اب بھی آباد ہیں اور بہت آرام میں ہیں۔

فیروز پور سے کوٹ کپورہ اور مکتسر کو فرید کوٹ ٹرانسپورٹ کی بسیں چلتی تھیں، جن سے ہمارا تعلق تھا اور یہ ٹرانسپورٹ مسلمانوں کی تھی، صرف ایک بس مکتسر کے ایک ہندو کی تھی جس پر دونوں بھائی چلتے تھے، ایک ڈرائیور تھا اور ایک کنڈیکٹر.....!

مولانا عطاء اللہ صاحبؒ کو اس طرف جانا ہوتا تو کوئی بس والا ان سے کرایہ نہیں لیتا تھا، اور نہایت احترام سے انھیں فرنٹ سیٹ پیش کی جاتی تھی، مگر وہ ہندو بہت سخت اور بول چال میں کڑوے تھے، اسی بنا پر ہم انھیں ''بھونڈ کھانے'' کہا کرتے تھے۔ پنجابی میں بھڑ کو بھونڈ کہا جاتا ہے۔ ایک دن مولانا ان کے ساتھ کوٹ کپورے گئے تو انھوں نے مولانا سے فیروز پور سے کوٹ کپورے تک کا آٹھ آنے کرایہ وصول کر لیا، ہمارے ایک عزیز میاں محمد صدیق کو جو آج کل جڑاں والا میں مقیم ہیں اس کا پتہ چلا تو انھوں نے ان دونوں بھائیوں سے کہا کہ ''بھونڈ کھانو'' تم نے ہمارے مولوی صاحب سے کرایہ وصول کیا ہے، یاد رکھو! تمھاری گاڑی کے تمام ٹائر پھٹ جائیں گے۔

بھونڈ کھانوں نے یہ بات سنی اور ہنس پڑے، اُن کا خیال تھا کہ یہ ہنسی مذاق کی بات ہے۔ ایسی باتیں ہوتی رہتی ہیں اور واقعی یہ بات ہنسی مذاق ہی کی تھی، لیکن یہ عجیب اتفاق ہوا کہ اُسی دن ان کے دو ٹائر پھٹ گئے اور دو دوسرے دن اڑ گئے۔ اب بھونڈ کھانے حیران اور سخت پریشان کہ یہ کیا ہوگیا۔ میاں محمد صدیق کے پاس آئے اور کہا خدا کے لیے ہم سے دوگنا اور چار گنا کرایہ لے لو اور اپنے مولوی صاحب سے کہو کہ ہم سے غلطی ہوگئی ہے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

آئندہ ان سے کبھی کرایہ نہیں لیا جائے گا، بے شک وہ ہر روز ہماری گاڑی سے جائیں اور آئیں.....مگر مولوی صاحب کو کسی بات کا علم نہیں تھا اور اُن کے خواب وخیال میں بھی یہ بات نہ تھی کہ ان سے کرایہ لیا گیا ہے یا نہیں لیا گیا ہے یا کیوں لیا گیا ہے۔

۱۹۳۷ء کے انتخابات کے بعد ملک کے مختلف صوبوں میں وزارتیں قائم ہوئیں تو مولانا عبید اللہ سندھی جو پچیس برس سے ہندوستان سے باہر تھے اور کئی سال سے مدینہ منورہ میں قیام پذیر تھے، ہندوستان واپس آئے۔ دریائے ستلج کے کنارے ایک گاؤں ''فتوحی والا'' ہے، وہاں ایک نہایت نیک عالم دین مولانا صوفی ولی محمد فروکش تھے، جن کا تعلق چرکنڈ کے مجاہدین سے تھا، وہ مولانا عبیداللہ سندھی کے دوستوں میں سے تھے، اور اُن کے ورودِ ہند سے کچھ عرصہ پہلے وفات پا چکے تھے مولانا سندھی کے وہ سمدھی بھی تھے، ان کی ایک بیٹی کی شادی مولانا سندھی کے ایک بھتیجے سے ہوئی تھی۔ مولانا سندھی اُن کی تعزیت کے لیے ۱۹۳۹ء میں اُن کے گاؤں فتوحی والا تشریف لائے۔

فیروز پور کے بعض حضرات کو پتہ چلا تو وہ مولانا سندھی کی زیارت وملاقات کے لیے فتوحی والا پہنچے۔ ان میں مولانا عطاء اللہ صاحب، مولانا عبیداللہ احرار، عبدالعظیم خاں صاحب اور دو چار اور لوگ تھے۔ ان سطور کا راقم بھی ان کے ساتھ تھا جو سب سے کم سن تھا۔ یہ پہلا موقع تھا کہ ہم لوگوں کو مولانا سندھی کی زیارت کا شرف حاصل ہوا۔ لمبی سفید ڈاڑھی، گورا رنگ، ننگا سر، لمبا کھدر کا کرتہ اور پاجامہ نما شلوار..... وہ جمعیت علمائے ہند کے سخت مخالف تھے اور اس جماعت سے تعلق رکھنے والے علمائے کرام سے شدید بیزاری کا اظہار کرتے تھے ان کے ارشادات سننے کے بعد ان سے ملنے والے سب لوگوں کا تاثر یہ تھا کہ امام انقلاب کا لب ولہجہ اور اسلوبِ اظہار ان کی ذات سے ہم آہنگ ہونا چاہیے، اگر وہ اس قسم کی باتیں نہ کرتے تو حاضرین ان سے بہت متاثر ہوتے۔

ایک دن مولانا عطاء اللہؒ نے ہنستے ہوئے یہ لطیفہ سنایا کہ انھوں نے ایک طالب علم کو جو ایک مشہور عالم کے صاحبزادے تھے، خط لکھ کر دیا کہ اُسے لیٹر بکس میں ڈال آئیں کچھ دیر

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بعد انھیں شبہ ہوا کہ یہ خط کہیں مدرسے کے لیٹر بکس میں ہی نہ ڈال دیا ہو، کھول کر دیکھا تو واقعی خط مدرسے کے لیٹر بکس میں پڑا تھا۔

یہ چھوٹے بڑے وہ واقعات ہیں جو میرے فیروز پور کے زمانۂ طالب علمی (۱۹۳۸ء سے وسط ۱۹۴۰ء تک تین سال) میں پیش آئے۔ اس کے بعد میں گوجراں والا چلا گیا تھا، مولانا اگست ۱۹۴۷ء تک فیروز پور رہے۔ اس اثنا میں ایک سال (۱۹۴۶ء) میں وہ حضرت صوفی عبداللہ مرحوم کی درخواست پر اوڈاں والا (ضلع فیصل آباد) کے مدرسہ تعلیم الاسلام میں بحیثیت مدرس خدمات سرانجام دیتے رہے لیکن اس دور میں ان کا اصل تعلق فیروز پور ہی سے رہا، اُن کے اہل وعیال فیروز پور میں اسی مکان میں رہے، جو باولی رام دیال میں انھوں نے پانچ روپے ماہانہ کرائے پر لیا تھا۔ اُن کا کتب خانہ جو مختلف موضوع کی کتابوں پر مشتمل تھا اور آہستہ آہستہ بہت بڑھ گیا تھا، اسی مکان میں تھا، اسی مکان سے وہ اگست ۱۹۴۷ء میں پاکستان کو روانہ ہوئے۔

۱۹۴۰ء میں میرے فیروز پور سے جانے کے بعد کون کون حضرات ان کے حلقۂ درس میں شامل ہوئے اور ان سے کون کون سی کتابیں پڑھیں، اس کی تفصیل کا مجھے علم نہیں، اوڈاں والا میں البتہ اُن سے جن حضرات نے تھوڑا بہت استفادہ کیا ان میں مولانا محمد یعقوب پیر جہلمی، مولانا محمد صادق خلیل، مولانا محمد یعقوب ملہوی اور بعض دیگر حضرات شامل ہیں۔ جنھوں نے آگے چل کر درس وتدریس اور ترجمہ وتصنیف میں بڑی شہرت پائی۔

چھ سات سال کے ان واقعات کا تذکرہ جو مولانا عطاء اللہ صاحبؒ سے متعلق ہیں، انہی حضرات میں سے کسی صاحب کو کرنا چاہیے جو ان واقعات کے چشم دید یا کم از کم گوش شنید شاہد ہوں، آئندہ سطور میں، میں وہ واقعات بیان کروں گا جن کا مجھ سے تعلق ہے یا میرے سامنے وقوع میں آئے۔

گوجراں والا میں میرے زمانہ طالب علمی میں مولانا ممدوح کئی دفعہ گئے وہاں اُن کا اچھا خاصا حلقہ تعارف تھا، گوجراں والا شہر میں مولانا اسماعیل صاحب اور بعض دیگر حضرات

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سے ان کے گہرے مراسم تھے، پھر وہاں سے چار میل کے فاصلے پر گوندلاں والا میں ان کے متعدد احباب سکونت پذیر تھے، جن سے وہ باقاعدہ میل جول رکھتے تھے۔

ایک دفعہ مولانا وہاں گئے تو واپسی پر مجھے بھی اپنے ساتھ لے آئے۔ گوجراں والا سے چلے تو ہمارا پہلا پڑاؤ لاہور میں ہوا چینیانوالی مسجد میں قاری فضل کریم صاحب کے ہاں سامان رکھا، اور پھر کشمیری بازار چلے گئے۔ مختلف کتب فروشوں کی دکانوں سے کچھ کتابیں دیکھیں اور کچھ خریدیں پھر پرانی کتابیں بیچنے والے کباڑیوں کی دکانوں پر گئے، ان سے بھی کچھ لیا، کچھ دیکھا اور کچھ پوچھا، کباڑیوں کی چند دکانیں مجھے یاد پڑتا ہے شاہ عالمی دروازے کے باہر اور دو چار ہسپتال روڈ پر تھیں۔ اسی اثنا میں چلتے پھرتے ہسپتال روڈ پر انھوں نے ایک آدمی کی طرف اشارہ کر کے مجھے کہا یہ دیکھو دیوندر ستیارتھی جا رہا ہے، اس سے قبل ماہنامہ ''بیسویں صدی'' میں جو خوشتر گرامی کا بڑا صاف ستھرا ادبی رسالہ تھا، میں دیوندر ستیارتھی کے چند افسانے پڑھ چکا تھا، اس لیے میں نے اسے غور سے دیکھا، درمیانہ قد، بھرا ہوا جسم، لمبی سیاہ گھنی ڈاڑھی، بڑی بڑی مونچھیں اور سر کے بال پیچھے سے گردن کے نیچے تک لٹکتے ہوئے، کھلے پائنچے کا لٹھے کا پاجامہ اور لمبا کرتہ۔

ایک مرتبہ جب اخبار ''الاعتصام'' نیا نیا گوجراں والا سے جاری ہوا تھا اور مولانا حنیف ندوی اس کے ایڈیٹر تھے، انھوں نے بھی سر اور ڈاڑھی کے بال بڑھا لیے تھے، ہم لاہور آئے تو ملک نصر اللہ خاں عزیز (مرحوم) نے انھیں دیکھ کر کہا تھا کہ آپ تو دیوندر ستیارتھی بنے ہوئے ہیں۔ پھر اسی قسم کے الفاظ انھوں نے اپنے اخبار ''کوثر'' کے سیر و سفر کے مزاحیہ کالم میں لکھ بھی دیے تھے۔

دیوندر ستیارتھی کو میں نے ۱۹۴۱ء میں دیکھا تھا، جب اُن کا جوانی کا زمانہ تھا، گزشتہ سال پچاس برس کے بعد (۱۹۹۱ء میں) ان کو دلی کے ایک ٹیلی ویژن پروگرام میں دیکھا تو وہ بالکل اسی ہیئت و لباس میں تھے، فرق صرف یہ پڑا تھا کہ اب وہ بوڑھے ہو گئے تھے اور سیاہ بالوں نے سفیدی کا لبادہ اوڑھ لیا تھا۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بات میرے اور مولانا عطاء اللہ صاحبؒ کے سفرِ لاہور کی ہو رہی تھی ہم کتابیں دیکھتے، خریدتے اور پوچھتے ہوئے مغرب کے بعد مسجد چینیانوالی گئے اور رات وہاں قاری فضل کریم صاحب کے پاس بسر کی، دوسرے دن مولانا نے امرتسر جانے کا پروگرام بنایا اور مجھے بھی ساتھ چلنے کو کہا۔ لاہور سے امرتسر کا کرایہ اُس زمانے میں بذریعہ ٹرین چار آنے تھا، ہم وہاں گئے لیکن یہ معلوم نہیں کہ رات کہاں رہے۔ جو مقامات ہم نے وہاں دیکھے ان میں سے مجھے ایک مقام بہت اچھی طرح یاد ہے اور وہ مقام اپنے بچپن کے ماحول کی بنا پر مجھے یاد رکھنا ہی چاہیے تھا، وہ ہے دربار صاحب! ہم دربار صاحب کے درشن کے لیے نہایت خوشی کے ساتھ گئے اور درشن کر کے انتہائی خوش ہوئے۔

دربار صاحب کے دروازے پر بیٹھے ہوئے سکھ ''سیوادار'' نے نرم لہجے میں ''بینتی'' کرتے ہوئے کہا:

میاں جی! مہربانی کر کے ''جوڑے'' یہاں اُتار دیں۔

سکھ صاحبان ''جوڑا'' جوتے کو کہتے ہیں۔ ہم نے جوڑے اُتار دیے اور سیوادار نے اپنے قبضے میں کر لیے، نہایت تعجب ہوا، نہ ٹوکن، نہ رسید، نہ پرچی کوئی آدھ گھنٹے کے قریب ہم دربار صاحب میں گھومتے اور اس کے مختلف مقامات کے درشن کرتے رہے، واپس آئے تو جوڑے وہیں پڑے تھے جہاں رکھے تھے، جن لوگوں کے سر ننگے تھے ان کو وہ سفید کھدر کے دھوبی کے دھوئے ہوئے ''پرنے'' (رومال) دے رہے تھے تاکہ وہ اس سے سر ڈھانپ لیں۔

دربار صاحب میں ''کڑاہ پرشاد'' بھی تھا جو برگد کے بڑے بڑے پتوں میں تقسیم کیا جا رہا تھا ہمیں بھی پیش کیا گیا میں اکیلا ہوتا تو شاید لے ہی لیتا مگر مولانا نے شکریے کے ساتھ انکار کر دیا۔ صفائی ستھرائی میں ہمارے ہاں کے مزاروں کے ''تبرک'' سے اس میں کئی گنا فرق تھا۔

یہاں بھی مزاروں کے باہر دروازے پر ''زائرین'' کے جوتے رکھے جاتے ہیں، جن کا باقاعدہ ٹھیکہ لیا جاتا ہے اور ٹھیکے دار جوتے والے سے جو چاہے وصول کرتے ہیں، پھر ٹوکن کے باوجود یہ ضروری نہیں ہوتا کہ واپسی پر ہر شخص کو جوتا مل جائے یا مل جائے تو اس کی وہی

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

حالت ہو جس حالت میں رکھا گیا تھا۔

بہر حال امرتسر سے ہم بس پر سوار ہوئے اور ترنتارن گئے، ترنتارن کے ایک بازار میں مولانا ایک طبیب کی دکان پر لے گئے، طبیب صاحب نہایت خندہ پیشانی سے پیش آئے، انھوں نے پہلے شربت پلایا، پھر چائے پلائی، وہ طبیب تھے حافظ ثناء اللہ صاحب جو تقسیم کے بعد لاہور آ گئے تھے، اور آسٹریلیا بلڈنگ میں اپنا مطب قائم کر لیا تھا۔

مولانا حافظ محمد اسماعیل ذبیح سے پہلی دفعہ اسی دکان پر ترنتارن میں ملاقات ہوئی تھی، وہ حافظ ثناء اللہ صاحب کے اطلاع دینے پر مولانا سے ملاقات کو تشریف لائے تھے، انھوں نے جماعت اہل حدیث کے مشہور واعظ ومقرر کی حیثیت سے بڑی شہرت پائی اور کئی سال پیشتر راولپنڈی میں ان کا انتقال ہوا، مرحوم نہایت ملنسار اور بلند اخلاق عالم تھے۔ یہاں جی چاہتا ہے کہ چند لفظوں میں ترنتارن کا تعارف کرا دیا جائے جو مولانا عطاء اللہ صاحبؒ کے گاؤں کی تحصیل تھا۔

اُس دور میں ضلع امرتسر کی تین تحصیلیں تھیں، ایک امرتسر، دوسری اجنالہ اور تیسری ترنتارن ..... ترنتارن سکھوں کا بہت بڑا تیرتھ اور مذہبی مقام ہے۔ یہاں ان کے پانچویں گورو (بقول ان کے پانچویں پادشاہی) گورو ارجن دیو جی کا دربار ہے جو رقبے کے لحاظ سے امرتسر کے دربار سے بھی بڑا ہے۔ ہر مہینے یہاں ''مسیا کا میلہ'' لگتا ہے جس میں دور ونزدیک کے بے شمار سکھ شامل ہوتے اور تالاب میں اشنان کرتے ہیں۔ ان کے عقیدے کے مطابق اس تالاب کا پانی اس درجے ''پوتر'' ہے کہ اس میں اشنان کرنے سے جسم کے پاپ جھڑ جاتے ہیں اور پاپی انسان گناہوں سے پاک ہو جاتا ہے۔ یہاں یہ بات قابل ذکر ہے کہ جس جگہ یہ تالاب اور گوردوارہ واقع ہے وہ جگہ ضلع امرتسر کے ایک گاؤں ''پلاسور'' کے ایک مسلمان چوہدری مسے خاں نے مغل شہنشاہ نورالدین محمد جہانگیر کے زمانے میں سکھوں کو عطا کی تھی۔

مسیا کا میلہ قمری مہینے کی ۱۶ ویں اور ۱۷ ویں تاریخ کو ہوتا ہے جب اندھیری راتیں شروع ہو جاتی ہیں۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

یہ تو معلوم نہیں کہ ترنتارن سے بھوجیاں کتنے فاصلے پر ہے، یہ البتہ یاد ہے کہ وہاں سے ہم پیدل بھوجیاں گئے تھے اور راستے میں ایک یا دو گاؤں بھی آئے تھے، شام تک ہم بھوجیاں پہنچ گئے تھے۔

بھوجیاں جاتے ہوئے راستے میں مولانا نے ایک بات سنائی جو نصف صدی سے میرے ذہن میں محفوظ ہے، جی چاہتا ہے وہ آپ کو بھی سنادوں..... انھوں نے بتایا کہ مولانا فیض محمد خاں بھوجیانی جو اپنے عہد کے بہت بڑے عالم اور علمائے غزنویہ کے شاگرد تھے، شادی بیاہ کے موقعے پر دف بجانے اور چھوٹی بچیوں کے ہلکے پھلکے سے گانا گانے کے قائل تھے، انھوں نے اپنی ایک صاحبزادی کی شادی پر اپنے اُستادِ محترم مولانا عبدالرحیم غزنوی کو دعوتِ شرکت دی، وہ تشریف لائے تو مولانا فیض محمد خاں نے ان کو مسجد میں بٹھایا اور خود ان کے لیے پانی لانے کی غرض سے گھر گئے۔ مولانا عبدالرحیم غزنوی کے کان میں دف کی اور بچیوں کے گانے کی آواز پڑی تو وہ چپکے سے مسجد سے باہر نکلے اور امرتسر کو روانہ ہو گئے۔ مولانا فیض محمد پانی لے کر آئے تو مولانا غزنوی وہاں موجود نہیں تھے۔ لوگوں سے پوچھا تو انھوں نے بتایا کہ وہ تو واپس چلے گئے ہیں۔ مولانا فیض محمد خاں ان کے پیچھے دوڑے اور گاؤں سے باہر ان کو جا پکڑا۔ مولانا نے ان سے واپس تشریف لے جانے کی وجہ پوچھی تو فرمایا میں اس غیر شرعی ماحول میں کیونکر رہ سکتا ہوں، جہاں ڈھولکی بج رہی ہو اور گانے گائے جا رہے ہوں۔

مولانا فیض محمد خاں نے چھوٹی بچیوں کے لیے جواز کی دلیل دی تو فرمایا چھوٹی بچیوں کے ساتھ جوان عورتیں بھی یہ سلسلہ شروع کر دیں گی تو انھیں کس طرح روکا جائے گا۔

تھوڑی دیر بعد واقعی جوان عورتوں نے بھی دف بجانے اور گانا گانے کا سلسلہ شروع کر دیا کہ مولوی صاحب نے اجازت دے دی ہے۔

اب مولانا فیض محمد خاں سخت پریشان ہوئے اور بڑی مشکل سے انھیں اس کام سے روکا گیا۔

دو دن ہم بھوجیاں رہے، مولانا نے اپنا آبائی گھر دکھایا۔ وہاں کی مسجدیں دکھائیں اور

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بچپن کے دور کے بعض حضرات کے بارے میں بتایا اور اپنے والد گرامی سے تعلق رکھنے والے ان بزرگوں سے ملایا جو اس وقت زندہ تھے۔

بھوجیاں سے مولانا عطاء اللہ صاحب مجھے ویرووال لے گئے کہ جہاں ان کے بعض عزیز سکونت پذیر تھے۔ ضلع امرتسر میں ''ویرووال'' نام کے دو گاؤں تھے ایک ''افغاناں'' اور دوسرا ''ویرووال راجپوتاں'' دونوں قریب قریب تھے دریائے بیاس کے کنارے واقع تھے، مولانا کے رشتے دار ''ویرو وال افغاناں'' میں رہتے تھے اور ان کا وہاں ایک ہی گھر تھا اور وہ تھا میاں عبداللہ کا گھر.....!

میاں عبداللہ نہایت نیک اور متدین بزرگ تھے جو مولانا عطاء اللہ صاحب کے ہم زلف مولوی عبدالکریم کے والدِ گرامی تھے۔ عبدالکریم صاحب کی شادی میاں نور الدین کی سب سے چھوٹی بیٹی شریفہ بی بی سے ہوئی تھی، جیسا کہ گزشتہ سطور میں بتایا گیا یہ خاندان اب گوندلاں والا میں مقیم ہے۔

ویرووال افغاناں کو ''کیڑی'' بھی کہا جاتا تھا۔ یہ گاؤں سطح زمین سے کچھ اونچائی میں واقع تھا، اور اس کے اردگرد خاصے گڑھے سے تھے، یعنی زمین ناہموار تھی، اب آنکھوں کے سامنے وہ نقشہ گھومنے لگا ہے تو ذہن میں یہ بات آتی ہے کہ دریائے بیاس میں سیلاب کے موقعے پر کبھی پانی کا ریلا ادھر سے تیزی کے ساتھ گزرتا ہوگا تو زمین میں ہل چل کی سی کیفیت رونما ہو جانے کی بنا پر سطح زمین میں اُونچ نیچ کا عمل پیدا ہو جاتا ہوگا، اور پھر یہ عمل اس نواح میں مستقل طور پر اپنے آثار چھوڑ گیا۔

ویرووال افغاناں میں مجھے یاد پڑتا ہے، ایک دن اور ایک رات ہمارا قیام رہا، وہاں مولانا عطاء اللہ صاحب سے ملاقات کے لیے گئے، میں بھی ساتھ تھا وہ قدرے چھوٹے قد کے دبلے پتلے نوجوان تھے، لباس اور رہن سہن کے اعتبار سے نہایت صاف ستھرے، گندمی سارنگ اور لمبی سیاہ ڈاڑھی، ٹھہر ٹھہر کر پر اعتماد لہجے میں صفائی سے بات کرتے تھے، میں ان کی گفتگو اور لباس وغیرہ سے بڑا متاثر ہوا۔ ان کا اسلوب کلام عام علمائے کرام سے بہت حد

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تک مختلف تھا، پتہ چلا کہ ان کا اسمِ گرامی مولانا حکیم عبدالرحیم اشرف ہے۔ اور یہ اسی گاؤں کے رہنے والے ہیں جہاں ہم بیٹھے تھے وہ ان کا مطب تھا۔

ممکن ہے کسی صاحب کے ذہن میں یہ سوال پیدا ہو کہ یہ جو میں گوجراں والا سے لاہور اور لاہور سے امرتسر گیا۔ اور پھر اس ضلع کے مختلف مقامات میں مولانا عطاء اللہ صاحب کے ساتھ گھومتا پھرتا رہا، یا وہ مجھے گھماتے پھراتے رہے، اس کا خرچ کس نے ادا کیا تھا؟

بات یہ ہے کہ یہ سوال ذہن میں لانے اور اس پر غور کرنے کی ضرورت نہیں ہے سیدھی سادی جنگی سی بات ہے کہ یہ خرچ انہی کو ادا کرنا چاہیے تھا جو مجھے ساتھ ساتھ لیے پھرتے تھے اور انہی نے کیا۔ اپنا کام صرف چلنا پھرنا، مختلف مقامات کے درشن کرنا اور لوگوں سے مصافحے کرنا تھا یا پھر اثنائے سفر میں پیش آنے والے واقعات کو ذہن میں محفوظ رکھنا تھا جو اس وقت آپ کی خدمت میں عرض کیے جا رہے ہیں لیکن اُس وقت یہ بات ہرگز ذہن میں نہ تھی کہ ان واقعات کی تفصیل یا ان اسفار کی روداد میں کسی اور کو بھی کسی وقت شریک کرنا پڑے گا۔ یہ تو ایسا ہوا کہ مولانا عطاء اللہ صاحب کے بارے میں کچھ لکھنے کا ارادہ کیا تو دورِ گزشتہ اور ماضی بعید کے بے شمار واقعات قطار باندھ کر سامنے آ کھڑے ہوئے اور میں نے مناسب سمجھا کہ انھیں قلم وقرطاس کی گرفت میں لے آؤں تاکہ کہیں بھاگ نہ جائیں۔ نیز یہ بات بھی ذہن میں نہ لائیں کہ پرانے اور بوسیدہ سمجھ کر انھیں نظرانداز کیا جا رہا ہے یعنی ان واقعات کو بیان کرنے میں خود ان واقعات کی دلجوئی بھی مقصود ہے۔ انھوں نے میرا اتنا ساتھ دیا کہ طویل عرصے سے ذرہ بھر اِدھر اُدھر نہیں ہوئے ان کی قدیم رفاقت کی بنا پر مجھ پر فرض عائد ہوتا تھا کہ ان کی مستقل حفاظت کا کوئی معقول بندوبست کردوں چنانچہ بحمد اللہ میں نے یہ فرض پورا کر دیا۔

اس سفر سے جو اُوپر بیان کیا گیا فارغ ہونے کے بعد مولانا عطاء اللہ فیروز پور تشریف لے گئے اور میں گوجراں والا جا کر حسبِ سابق اپنی تعلیم میں مصروف ہو گیا۔

اس سے کچھ عرصے بعد ۲۵۔ اگست ۱۹۴۱ء کو چند کتابیں خریدنے کے لیے لاہور آیا اور

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

دلی دروازے کی جانب سے کشمیری بازار میں داخل ہوا۔ بازار میں دائیں بائیں کتابوں کی بہت سی دکانیں تھیں اور لوگ کتابیں خرید رہے تھے لیکن میں کسی دکان پر نہیں رکا اِدھر اُدھر دیکھتا ہوا آگے چلتا گیا۔ سنہری مسجد کے قریب پہنچا تو دیکھا کہ دائیں جانب چھوٹی سی دکان پر بڑی بڑی کالی ڈاڑھی والے صحت مند جوان سر پر ترکی ٹوپی رکھے تنہا بیٹھے ہیں اور کسی کتاب کا مطالعہ کر رہے ہیں میں نے نہایت ادب سے ان کو سلام کیا۔ اُنھوں نے نظر اُوپر اٹھائی اور بے دلی سے سلام کا جواب دیا اور پھر نگاہیں کتاب کے حروف پر جمالیں۔

عرض کیا: چند کتابیں خریدنا چاہتا ہوں۔

بولے: جو کتابیں لینا چاہتے ہو دیکھ لو۔

اپنے مطلب کی چھ سات کتابیں دیکھیں اور ان کی قیمت پوچھی۔ انھوں نے قیمت بتائی تو عرض کیا۔

کچھ رعایت ہو جائے گی؟

فرمایا: کوئی رعایت نہیں۔

عرض کیا: طالب علم ہوں، گوجراں والا سے آیا ہوں اور سیدھا آپ کی دکان پر آیا ہوں، کچھ تو رعایت کیجیے۔

ترش لہجے میں جواب دیا، بازار میں بہت دکانیں ہیں جہاں سے رعایت ملتی ہیں جا کر لے لو۔

یوں تو ہر گاہک رعایت چاہتا ہے لیکن طالب علم خاص طور پر رعایت کا طالب ہوتا ہے۔ جو پیسے گھر سے ملتے ہیں، اُس نے کئی جگہ پر خرچ کرنے ہوتے ہیں، ڈھیٹ بن کر مسکینوں کی سی شکل بنائے کھڑا رہا کہ شاید ترس کریں اور کچھ رعایت ہو جائے لیکن انھوں نے کتاب کے صفحات سے نظر اٹھا کر نہ میری طرف دیکھا اور نہ کسی قسم کی رعایت کرنے پر آمادہ ہوئے اس زمانے میں لاہور سے گوجراں والا کا کرایہ چار آنے تھا، عرض کیا آٹھ آنے تو میرا آنے جانے کا کرایہ ہی خرچ ہو گیا۔ اس کا بھی ان پر کوئی اثر نہ ہوا۔

اتنے میں میرے دائیں اور بائیں جانب سے آواز بلند ہوئی۔ ''السلام علیکم''

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

دکاندار نے آواز سنتے ہی کتاب بند کر دی۔ کھڑے ہو کر انتہائی ادب سے سلام کا جواب دیا اور مصافحے کے لیے ہاتھ بڑھائے۔

میں نے دیکھا تو وہ میرے اُستادِ محترم مولانا عطا اللہ حنیف اور کرم فرما مولانا حکیم عبداللہ روڑی والے تھے۔ انھوں نے میری طرف دیکھ کر فرمایا: ''تم کہاں''؟

دکاندار سے مصافحہ کرنے سے پہلے نہایت شفقت سے ان میں سے ایک نے میرے دائیں کندھے پر اور دوسرے نے بائیں کندھے پر ہاتھ رکھا۔ میں نے ان کو جھک کر سلام کیا، دکاندار انھیں اندر لے گئے اور وہ میرا ہاتھ پکڑ کر مجھے اپنے ساتھ لے گئے۔ ان کو شربت پیش کیا گیا اور ساتھ مجھے بھی پلایا گیا۔ اب دکاندار مجھ پر مہربان تھے۔

یہ دکاندار تھے معروف اہل حدیث عالم حافظ محمد یوسف گکھڑوی اور دکان تھی مشہور پبلشر شیخ محمد اشرف کی، شیخ صاحب کا دفتر تو سنہری مسجد کے سامنے ایک بلڈنگ کی دوسری منزل میں تھا اور وہیں ملک اور بیرون ملک سے آرڈر آتے تھے جن کی تعمیل کی جاتی تھی، لیکن یہ دکان کشمیری بازار میں تھی، جس میں بازار میں آنے جانے والے گاہکوں کے لیے چھوٹی بڑی کتابیں رکھی گئی تھیں اور ان کی فروخت کا انتظام حافظ محمد یوسف صاحب کے سپرد تھا۔

حافظ صاحب نہایت نیک اور پرہیزگار بزرگ تھے، صاف دل اور پاکیزہ خصال..... ان کا لب ولہجہ ہی کچھ ایسا تھا کہ سننے والے کو سختی کلام کا گمان گزرتا تھا ورنہ طبیعت کے بہت اچھے تھے میں لاہور آیا اور پہلے مرکزی جمعیت اہل حدیث کی نظامت دفتر سے اور پھر اخبار ''الاعتصام'' کے اجرا کے بعد اس سے وابستہ ہوا تو مجھ سے وہ بے حد مشفقانہ برتاؤ کرتے تھے، ایک مرتبہ گرمیوں کے دن تھے کہ مجھ سے ملاقات کے لیے گوجراں والا سے لاہور تشریف لائے، میں اس دن چھٹی پر تھا اور اپنے گاؤں چلا گیا تھا گرم موسم میں میرے گاؤں پہنچے اور رات وہیں رہے۔

مجھے وہ ''چوہدری صاحب'' کہا کرتے تھے اور انتہائی خلوص اور محبت سے پیش آتے تھے، انھوں نے ۷ مئی ۱۹۸۰ء کو گوجراں والا میں وفات پائی، مجھے پتہ چلا تو ریڈیو پاکستان

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

لاہور سے ان کی خبر وفات نشر کروائی اور نمازِ جنازہ کے وقت کا اعلان کرایا۔ اس کے بعد گوجراں والا گیا اور نماز جنازہ میں شریک ہوا بہت بڑا جنازہ تھا، نماز جنازہ مولانا عبدالرشید (رام گڑھ لاہور) نے پڑھائی تھی۔

حافظ محمد یوسف کی دکان سے اُٹھے تو حکیم عبداللہ صاحب اور مولانا عطاء اللہ صاحب نے مجھے فرمایا کہ آج تم ہمارے پاس رہو، کل گوجراں والا چلے جانا، میں نے تعمیل ارشاد کی اور ہم تنگ سی گلیوں میں سے گزرتے ہوئے چینیانوالی مسجد پہنچے، وہاں جا کر پتہ چلا کہ حکیم عبداللہ صاحب اپنے مسکن (روڑی ضلع حصار) سے مولانا ابو الاعلیٰ مودودی کی دعوت پر لاہور تشریف لائے ہیں اور کل (۲۶۔اگست ۱۹۴۱ء) اس اجلاس میں شریک ہو رہے ہیں جو مولانا مودودی نے اپنے مکان پر بلایا ہے۔ وہ روڑی سے فیروز پور پہنچے اور مولانا عطاء اللہ صاحب سے ملے جو ان دنوں وہاں اقامت گزیں تھے وہاں سے یہ دونوں حضرات اجلاس میں شریک کے لیے لاہور آئے۔

رات ہم مسجد چینیانوالی میں رہے اور دوسرے دن اسلامیہ پارک میں مولانا مودودی کے مکان پر پہنچے، یہ جماعت اسلامی کا تاسیسی اجلاس تھا، اس سے قبل مولانا مودودی کی تحریریں تو ہم نے پڑھی تھیں۔ لیکن ان کی زیارت کا پہلی دفعہ موقع ملا تھا، میں اجلاس میں مولانا عطاء اللہ صاحب اور حکیم عبداللہ صاحب کے درمیان میں بیٹھا تھا، مولانا مودودی کا حلیہ اور وہ لباس جو اُس وقت پہنے ہوئے تھے اب بھی آنکھوں کے سامنے ہے۔

گورا اور سرخ رنگ، موٹی موٹی چمک دار آنکھوں پر نظر کی عینک، بھرے ہوئے چہرے پر پھیلی ہوئی اتنی سی چھوٹی چھوٹی ڈاڑھی جیسے یکم ذی الحجہ سے دس ذی الحجہ تک حصولِ ثواب کی غرض سے شیو بڑھا لی گئی ہو، ننگا سر اور اس پر انگریزی کٹ کے سیاہ گھنے اور قدرے بڑے بال، گھٹا ہوا جسم اور میانہ قد..... علی گڑھی طرز کا کھلے پائنچے کا سفید لٹھے کا پاجامہ، باریک ململ کا تازہ استری کیا ہوا کرتہ اور کرتے کے نیچے بغیر بازو کے بنیان جو کرتے کے اندر سے صاف دکھائی دے رہی تھی۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اس سے پہلے کبھی کسی ایسے عالمِ دین اور مبلغ اسلام کو دیکھنے کا اتفاق نہیں ہوا تھا جس کی ڈاڑھی اور سر کے بال مولانا مودودی کے سے ہوں اور جو اپنے سوا ہر شخص کے اسلام کو محلِ نقد واعتراض ٹھہراتا ہو۔

اجلاس میں جماعتِ اسلامی سے منسلک ہونے والوں کی ''درجہ بندی'' ہوئی تو حکیم عبداللہ صاحب دائرۂ رکنیت میں .....اور مولانا عطاء اللہ صاحب زمرۂ متفقین میں شامل ہوئے اور اس بندۂ عاجز نے ہمدردوں کی فہرست میں نام لکھوایا..... بعدازاں حکیم صاحب تو زندگی کے آخری دم تک رکن رہے، لیکن مولانا عطاء اللہ صاحب کو ہمیشہ اسی اسلام سے اتفاق رہا اور وہ عمر بھر اسی پر عامل رہے جو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کا اسلام تھا، اور یہ فقیر جماعت اسلامی سے تعلق رکھنے والوں کا اس وقت بھی ہمدرد تھا اب بھی ہمدرد ہے، اس موضوع کی ضروری تفصیلات ایک طویل مضمون میں لکھ چکا ہوں، جو اکتوبر ۱۹۹۱ء کے ''قومی ڈائجسٹ'' (لاہور) میں شائع ہوا اسی مضمون کی اکثر قارئین نے ازراہِ کرم بہت تحسین کی اور جماعت اسلامی کے بعض حضرات نے اپنے خاص الخاص اسلام کی روشنی میں حسبِ عادت اس پر برہمی کا اظہار فرمایا۔ ان کے اظہار برہمی کے بعد میرا ان سے جذبۂ ہمدردی اور بڑھ گیا۔ ''اللھم زد فزد'' یعنی اللہ ان کی برہمی (یا بے رحمی) میں اضافہ فرمائے اور ہماری ہمدردی میں.....!

۱۹۳۸ء کے آغاز سے اگست ۱۹۴۷ء تک کم وبیش دس سال مولانا عطاء اللہ صاحب فیروز پور رہے۔ اس اثناء (۱۹۴۶ء) میں وہ حضرت صوفی عبداللہ مرحوم ومغفور کے کہنے پر اوڈاں والا (ضلع فیصل آباد) تشریف لے گئے تھے، وہاں ایک سال دارالعلوم تعلیم الاسلام میں شیخ الحدیث کی حیثیت سے خدمت درسِ حدیث سرانجام دی، لیکن اس ایک سال کے عرصے میں ان کے اہل وعیال بدستور فیروز پور ہی میں اقامت گزیں رہے۔

یہاں چلتے چلتے یہ بھی عرض کردوں کہ مولانا عطاء اللہ صاحب کی اپنے شاگردوں کے بارے میں ایک خواہش یہ ہوتی تھی کہ ان کا اُردو اور عربی خط اچھا ہو، جس کا خط اچھا ہوتا اس

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کی وہ تعریف کرتے۔ اپنے اساتذہ کرام اور علمائے عظام کا تذکرہ کرتے ہوئے بھی وہ عام طور پر فرمایا کرتے تھے کہ فلاں بزرگ کا خط بہت اچھا ہے۔

فیروز پور کے محلّہ ''باولی رام دیال'' میں مولانا کے بالکل ساتھ والے مکان میں جو انہی کے مکان جیسا تھا، اور اسی مالک کا تھا، ایک خوش نویس رہتے تھے، جن کا نام ثناء اللہ تھا، وہ لمبے تڑنگے خوش پوش اور خوبرو جوان تھے، اور ضلع فیروز پور کی تحصیل زیرہ کے ایک گاؤں اللہ آباد کے رہنے والے تھے، مسلکاً اہل حدیث تھے، فیروز پور سے ڈسٹرکٹ بورڈ کا ایک ہفت روزہ اخبار ''زمیندار'' نکلتا تھا ثناء اللہ صاحب اس کی سرخیاں لکھا کرتے تھے۔ اس اخبار کا دفتر دہلی دروازے سے باہر تھا اور وہیں اس کا پرنٹنگ پریس تھا، جس میں وہ چھپتا تھا۔

ثناء اللہ صاحب بڑے ٹھاٹھ سے رہتے تھے اور مولانا عطاء اللہ صاحب کا بے حد احترام کرتے تھے، مولانا کے کہنے پر انھوں نے مجھے اور سلیمان انصاری کو اپنا شاگرد بنا لیا اور حکم دیا کہ عصر کے بعد آیا کرو اور مجھ سے اصلاح لیا کرو، ہم نے ایک ایک آنے کی دو تختیاں خریدیں اور ایک ایک پیسے کی ''گاچی'' لی جو خدا جھوٹ نہ بلوائے ہم اگر باقاعدگی سے روزانہ ایک ایک دفعہ تختیاں ''پوچتے'' تو دو مہینے کے لیے کافی ہوتی۔ ایک ایک پیسے کی کالی سیاہی اور دو دو پیسے کی شیشے کی دو دواتیں خریدیں، اس تمام سامانِ اصلاحِ خط پر ہمارے دو آنے خرچ ہوئے۔

اب ہم دونوں ثناء اللہ صاحب کی شاگردی میں داخل ہوئے۔ مولوی سلیمان انصاری کا خط پہلے بھی اچھا تھا، انھوں نے مستقلِ مزاجی سے کام لیا اور صوفیا کی اصطلاح میں کہنا چاہیے اچھی خاصی ریاضت کی جس کے نتیجے میں ان کا خط اور نکھر گیا لیکن میں جس طرح دیگر معاملات میں غیر مستقل مزاج ہوں، اس معاملے میں بھی اپنی وضع داری پر قائم رہا، تاہم اس چند روزہ غیر ارادی بلکہ جبری حاضری سے اپنا خط بھی ماشاء اللہ اتنا اچھا ہو گیا کہ اللہ کی مہربانی سے مجھے اپنا لکھا ہوا پڑھنے میں زیادہ دقت پیش نہیں آتی۔

مولانا محمد سلیمان انصاری کا ذکر پہلے بھی تین چار دفعہ آ چکا ہے، قیامِ پاکستان کے بعد سے بفضل خدا یہ ''سکہ بند'' مولانا ہیں اور ہفت روزہ الاعتصام کے مدارالمہام ہیں یا یوں کہیے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کہ الاعتصام کی ''مہار الانتظام'' ان کے ہاتھ میں ہے۔

مولانا عطاء اللہ صاحب سے متعلق چھوٹی بڑی بے شمار باتیں تیزی کے ساتھ ذہن میں گردش کرنے لگی ہیں اور ایک بات بیان کی جاتی ہے تو اس کی تہہ سے دوسری بات نکل آتی ہے، معذرت خواہ ہوں کہ اس طرح گزارشات کا سلسلہ طویل ہوتا جا رہا ہے۔

انھوں نے ریاست فرید کوٹ کی سکونت ترک کر دی تھی لیکن وہاں کے لوگوں کے ساتھ ان کی ہمدردیاں بدستور قائم رہیں اور وہ ان کے دکھ سکھ میں باقاعدہ شریک رہے، بالخصوص کوٹ کپورے کے باشندوں سے انھوں نے ہمیشہ سلسلۂ علائق استوار رکھا، ان کے گھریلو معاملات سے لے کر سیاسیات تک میں وہ دلچسپی کا اظہار کرتے رہے۔

دوسری جنگ عظیم جو ستمبر ۱۹۳۹ء سے ستمبر ۱۹۴۵ء تک چھ سال جاری رہی تھی، ختم ہوئی تو ہندوستان کی ریاستوں میں تحریک آزادی کی بڑی سخت لہر شروع ہو گئی تھی، ہماری ریاست فرید کوٹ میں بھی اس لہر کے آثار نمودار ہوئے، چنانچہ وہاں کی پرجا منڈل کے ارکان نے میدانِ عمل میں نکلنے کا فیصلہ کیا، مولانا عطاء اللہ صاحب اس وقت فیروز پور میں تھے اور میں مرکز الاسلام میں خدمتِ تدریس انجام دیتا تھا، میرا تعلق اپنی ریاست کی پرجا منڈل سے تھا، جس میں سکھ، مسلمان، ہندو سب شامل تھے، ایک میٹنگ میں ہم نے تحریک چلانے کے لیے تاریخ اور دن کا تعین کیا۔ ریاستی حکومت کو پتہ چلا تو دفعہ ۱۴۴ لگا دی گئی اور جلسے جلوس کا انعقاد ممنوع قرار دے دیا گیا، فرید کوٹ کا ریلوے سٹیشن اور اس کے اردگرد کا کچھ علاقہ ریاستی حکومت کے دائرۂ حدود سے باہر انگریزی علاقے میں تھا، سخت گرمی اور حبس کا موسم تھا، ہم نے اسٹیشن کے قریب درختوں کے نیچے ڈیرہ لگالیا، اچانک مولانا عطاء اللہ صاحب بھی فیروز پور سے وہاں آ گئے۔ (فیروز پور وہاں سے اکیس میل کے فاصلے پر تھا) ان کو دیکھ کر ہمیں تعجب بھی ہوا اور خوشی بھی۔

پانچ آدمیوں کا پہلا جتھا جو ریاست کی حد میں داخل ہو کر ۱۴۴ توڑنے کے لیے روانہ ہوا، اس میں مَیں بھی شامل تھا، ہمیں گرفتار کر کے جیل بھیج دیا گیا، اس کے بعد تحریک شروع

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہو گئی جو کافی عرصہ جاری رہی، ہم لوگ تو جیل میں تھے لیکن مولانا تیسرے چوتھے دن فیروز پور سے تشریف لاتے رہے۔

اس تحریک کے آغاز سے چند روز پہلے دہلی میں جمعیت علمائے ہند کے مرکزی دفتر میں ملکی انتخابات کے سلسلے میں ایک میٹنگ ہوئی تھی جس میں مولانا عطاء اللہ صاحب بھی شامل ہوئے تھے، اور یہ بندۂ عاجز بھی اس میں شریک تھا، ہم اکٹھے دہلی گئے اور اکٹھے ہی وہاں سے آئے تھے، دہلی میں چار پانچ دن ہمارا قیام رہا، اس اثناء میں مولانا نے ہمیں دہلی کے بہت سے مقامات کی سیر کرائی اور بہت سے اہل علم سے ملایا۔

جماعت غرباء اہل حدیث کی مسجد اور مدرسے میں جانے کا اتفاق بھی انہی دنوں ہوا۔ یہ مسجد دہلی کے صدر بازار میں تھی اور ہم نے وہاں مغرب کی نماز پڑھی تھی، اس موقعے پر ایک عجیب واقعہ پیش آیا، جماعت شروع ہوئی تو سیرے اور مولانا عطاء اللہ صاحب کے درمیان ایک صاحب کھڑے تھے میں ان کے دائیں جانب تھا، انھوں نے اس انداز میں سیرے پاؤں کے ساتھ پاؤں ملانے کی کوشش کی کہ میں پریشان ہو گیا۔ ہم اتنے ولی اللہ تو کبھی نہیں ہوئے کہ نماز میں دنیا کا کوئی خیال دل میں نہ آئے اور متوجہ الی اللہ رہیں، لیکن اس دن تو یہ ہوا کہ فقط وہی صاحب توجہ کا مرکز قرار پائے۔ نماز ختم ہوئی تو میں نے ان کی طرف گھور کر دیکھا اور پنجابی میں کہا: کیا پاؤں سے پاؤں ملانے کا یہی شرعی طریقہ ہے جو آپ نے اختیار فرمایا ہے؟

انھوں نے اس کے جواب میں مجھ سے پنجابی میں سوال کیا:

''تسیں کتھوندے رہن والے ہو؟

اس کے فوراً بعد اُن سے مولانا عطا اللہ صاحب مخاطب ہوئے۔

یہ صاحب مولانا عبدالرحمٰن تھے جو دراصل ضلع فیروز پور کے شہر ''موگا'' کے رہنے والے تھے، مگر طویل عرصے سے دہلی میں اس مسجد میں مقیم تھے اور ان کا تعلق جماعت غربائے اہل حدیث سے تھا، مولانا عطاء اللہ صاحب سے وہ دوستانہ مراسم رکھتے تھے، نماز کے بعد وہ

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہمیں اپنے کمرے میں لے گئے، پہلے پانی پلایا پھر کھانا کھلایا اس کے بعد چائے پلائی، خالص دیہاتی انداز کی میری گستاخانہ حرکت سے وہ بہت محظوظ ہوئے، حالاں کہ یہ حضرات اس قسم کے معاملات میں بڑے نازک مزاج بلکہ سخت مزاج واقع ہوئے ہیں۔ یہ ان کی مہربانی تھی کہ اس فقیر کے ناروا الفاظ پر خوش گوار ردِعمل کا اظہار کیا۔ رحمہ اللہ تعالیٰ!

پہلے عرض کر چکا ہوں کہ ۱۹۴۶ء میں صوفی عبداللہ مرحوم کی درخواست پر مولانا عطاء اللہ صاحب اوڈاں والے تشریف لے گئے تھے، وہاں وہ آزادئ ملک (یعنی ۱۹۴۷ء) تک ایک سال قیام پذیر رہے۔ ہمارے دینی مدارس کا تعلیمی سال دس پندرہ شوال سے لے کر دس پندرہ شعبان تک چلتا ہے۔ ۱۹۴۶ اور ۱۹۴۷ء کا تعلیمی سال شمسی حساب سے جولائی (۱۹۴۷ء) کے آغاز میں ختم ہو گیا تھا۔ اس اثنا میں وہاں ان سے کن کن حضرات نے کون کون سی کتابیں پڑھیں۔ اس کا مجھے علم نہیں۔ البتہ مولانا محمد صادق خلیل کا شمار ان کے اس دور کے تلامذہ میں ہوتا ہے۔ یہ اس لیے کہہ رہا ہوں کہ انہی دنوں ایک مرتبہ وہ مولانا عطاء اللہ صاحب کے ساتھ ہمارے ہاں کوٹ کپورے گئے تھے، یہ ان کے آغازِ شباب کا زمانہ تھا، میرا ان سے تعارف ہوا تو پتہ چلا کہ ان کا تعلق اوڈاں والا سے ہے اور یہ مولانا عطاء اللہ صاحب کے حلقۂ تلامذہ میں شامل ہیں۔ اس وقت سے اب تک صادق صاحب سے میرے پرخلوص دوستانہ مراسم ہیں۔

اوڈاں والا اور ماموں کانجن وغیرہ مقامات سے تعلق رکھنے والے مولانا عطاء اللہ صاحب کے اہل علم معتقدین میں سے جامعہ تعلیم الاسلام (ماموں کانجن) کے مہتمم و منتظم مولانا عبدالقادر ندوی کا اسم گرامی خاص طور سے قابلِ ذکر ہے، وہ ہمیشہ ادب واحترام سے ان کا نام لیتے اور انتہائی تکریم کے لہجے میں ان کا تذکرہ کرتے ہیں۔ وہ ۱۹۴۶ء میں دارالعلوم ندوۃ العلماء (لکھنؤ) میں داخل ہوئے تھے اور اوڈاں والا سے فیروز پور آ کر مولانا سید سلیمان ندویؒ کے نام داخلے کے لیے سفارشی خط لیا تھا۔

مولانا عبدالقادر صاحب جب سفارشی خط کے لیے مولانا عطا اللہ صاحب کے ہاں فیروز پور کی مسجد گنبداں والی میں گئے، اس وقت ان کے پاس جھوک داؤد (متصل تاندلیاں والا)

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کے حافظ محمد زکریا مرحوم بیٹھے تھے، جنھوں نے علم صرف کی مشہور کتاب ''زرادی'' کا اردو ترجمہ کیا تھا اور وہ مولانا سے ''زرادی'' کے مصنف کے بارے میں دریافت فرما رہے تھے۔

عبدالقادر صاحب کو مولانا نے سید سلیمان ندوی مرحوم ومغفور کے نام خط لکھ کر دیا، وہ لکھنؤ پہنچے تو سید صاحب نے خط پڑھ کر فوراً ان کو ندوے میں داخل کر لیا، اس کے بعد جب بھی سید صاحب دارالمصنفین اعظم گڑھ سے دارالعلوم ندوۃ العلماء (لکھنؤ) جاتے، عبدالقادر صاحب سے مولانا عطاء اللہ صاحب کے بارے میں ضرور پوچھتے کہ ان کا کیا حال ہے۔

فیروز پور میں مولانا عبدالقادر صاحب کی بحیثیت طالب علم کے مولانا عطاء اللہ صاحبؒ سے یہ پہلی ملاقات تھی جس سے وہ نہایت متاثر ہوئے اور یہ تاثر ان کے ذہن پر ہمیشہ قائم رہا۔

مولانا عبدالقادر ندوی نے مولانا عطاء اللہ صاحب سے متعلق گفتگو کرتے ہوئے ایک دفعہ بتایا کہ وہ ان کی سفارش پر دارالعلوم ندوۃ العلما (لکھنؤ) میں داخل ہوئے تھے۔

یہاں مجھے چند لفظوں میں علمائے احناف اور علمائے اہل حدیث کے شاگردوں میں فرق بیان کرنے کی اجازت دیجئے۔ کم وبیش بیس سال پہلے کی بات ہے کہ ایک دن میں فیصل آباد میں مولانا محمد اسحاق چیمہ کی دکان پر بیٹھا تھا، ان کی دکان اس زمانے میں منٹگمری بازار کے باہر سرکلر روڈ پر تھی، وہاں ایک صاحب کی موجودگی میں (جن کے متعلق بتایا جاتا ہے کہ اوڈاں والا میں وہ مولانا عطاء اللہ صاحب سے پڑھتے رہے ہیں۔) مولانا عطاء اللہ صاحب کے قیام اوڈاں والا کا تذکرہ ہوا، گفتگو میں وہ صاحب ہمارے مخاطب نہیں تھے، لیکن انھوں نے جس انداز میں دخل انداز ہو کر مولانا کے متعلق اظہار رائے فرمانا شروع کیا اُس سے مجھے تو جو تکلیف ہوئی سو ہوئی خود چیمہ صاحب نے اس سے ذہنی کوفت محسوس کی، میں نے ان صاحب سے کہا ہم آپ سے مخاطب نہیں ہیں، کیا یہ ممکن ہے کہ آپ تھوڑی دیر خاموشی اختیار فرمائے رکھیں؟

ایک اور صاحب کے بارے میں سنیے، جنھیں میں ۱۹۴۱ء سے جانتا ہوں، اس وقت میں گوجراں والا میں حضرت مولانا محمد اسماعیل صاحبؒ کے حلقۂ درس میں شامل تھا وہ

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

صاحب بھی وہیں تھے اور مولانا محمد اسماعیل صاحبؒ کے شاگرد تھے، اب وہ جماعت اہل حدیث کے ایک خاص گروپ سے تعلق رکھتے ہیں، مولانا ممدوح کے یہ ''شاگردِ رشید'' کبھی استادِ محترم سے ہم کلام نہیں ہوئے تھے، یہاں تک کہ انھوں نے کبھی استاد کو سلام بھی نہیں کیا تھا اور استاد بھی ہمیشہ ان سے شاکی رہتے تھے۔

اسی طرح قیامِ پاکستان کے بعد لاہور میں ایک صاحب نے مولانا عطاء اللہ صاحب سے استفادہ کیا لیکن بعد میں انھوں نے مولانا سے متعلق جو طرزِ عمل اختیار کیا وہ انتہائی تکلیف دہ تھا، میں ہرگز اس بات کا حامی نہیں کہ اس قسم کے لوگوں کی نسبت تلمذان عالی مقام حضرات کی طرف کی جائے۔

ان کے مقابلے میں علمائے احناف کے تلامذہ کو لیجیے، وہ بے شک کسی عمر کو پہنچ جائیں اور کتنے بھی بڑے دینی یا دنیوی مناصب پر ان کی رسائی ہو جائے وہ اپنے اساتذہ سے بہ درجہ غایت احترام کے ساتھ پیش آتے ہیں اور ''حضرت، حضرت'' پکارتے ہوئے ان کی زبانیں خشک ہو ہو جاتی ہیں، لیکن اکثر اہل حدیث علما اپنے اساتذہ کے ادب واحترام کے تقاضوں کو ملحوظ نہیں رکھتے۔

بے شک بعض معاملات ومسائل میں بعض اوقات شاگرد کو استاد کے نقطۂ نظر سے اختلاف ہوتا ہے اور کسی وقت اس کے اظہار وبیان کی نوبت بھی آ جاتی ہے لیکن اس کا ایک خاص ڈھنگ ہوتا ہے اور ایسے مواقع پر ایسا نہج کلام اختیار کیا جاتا ہے کہ بات بھی کہہ دی جائے اور استاد کا احترام بھی برقرار رہے۔

آیئے! اب آزادی کے دور میں داخل ہوتے ہیں۔

یوں تو ۱۴ اگست ۱۹۴۷ء سے پہلے ہی برصغیر کے سیاسی حالات تشویش ناک صورت اختیار کر گئے تھے اور فضا پر خونی گھٹائیں چھا گئی تھیں لیکن ۱۴۔اگست کے بعد تو معاملہ بالکل بدل گیا تھا، ہماری ریاست فرید کوٹ میں بھی ملک کے دوسرے شہروں اور علاقوں کی طرح شدید نازک حالات پیدا ہو جانے کا خطرہ لاحق ہو گیا تھا۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ملک کی ریاستوں سے متعلق امور پر غور کرنے کے لیے آل انڈیا سٹیٹس مسلم لیگ کا اجلاس اس کے صدر منظر عالم صاحب نے ۱۱۔اگست کو دہلی کے عریبک کالج میں منعقد کیا۔ اس میں شرکت کے لیے ریاست فرید کوٹ کے تین آدمیوں کو دعوت دی گئی تھی، عبدالرشید کو، قاضی عبیداللہ کو (جو آج کل فیصل آباد میں مقیم ہیں۔) اور ان سطور کے راقم کو۔

ہم میں سے عبدالرشید صاحب واقعی مسلم لیگی تھے، لیکن میرا اور قاضی عبیداللہ کا تعلق مسلم لیگ سے نہیں تھا، جو وہاں پہنچے تو ریاست نابھ کی پرجا منڈل کے صدر خواجہ عبدالرشید اور ریاست پٹیالہ کے عبدالرب صاحب بھی وہاں موجود تھے، انھیں بھی اجلاس میں بلایا گیا تھا اور یہ بھی مسلم لیگی نہیں تھے، ان کا تعلق ہماری طرح پرجا منڈل سے تھا۔..... اجلاس میں بعض حضرات نے جن میں ریاست حیدرآباد (دکن) کی اتحاد المسلمین کے ارکان پیش پیش تھے، تجویز پیش کی کہ اپنی جانیں بچانے کے ہندوستان میں شامل ہونے والی ریاستوں کے مسلمانوں کو کانگرس سے وابستہ ہو کر اپنے گھروں پر اس کا جھنڈا لہرا دینا چاہیے۔ اس پر کافی بحث وتمحیص ہوئی جس کا یہاں ذکر کرنے کی ضرورت نہیں، یہ اجلاس دو دن جاری رہا۔

اسی اثناء میں ہم سردار عبدالرب نشتر سے ملے، وہ ہندوستان کی عارضی حکومت میں شامل تھے اور ان ریاستوں کے معاملات سے بھی ان کا تعلق تھا، جو پاکستان کی حدود میں واقع تھیں۔ سردار صاحب پاکستان کی وزارت کا حلف اٹھانے کے لیے دہلی سے کراچی آنے کی تیاری کر رہے تھے، ان سے اپنی ریاست کے مسلمانوں کے تحفظ کے سلسلے میں ہم نے بات کرنا چاہی تو فرمایا میں کچھ نہیں کر سکتا، میں کراچی جانے کی جلدی میں ہوں۔

اس کے بعد سردار پٹیل سے ملے، ملک کے اُمورِ داخلہ کے وزیر کی حیثیت سے ان کا تعلق ریاستوں سے بھی تھا اور وہ ریاستیں ان کے محکمے میں آتی تھیں، جو ہندوستان کی حدود میں شامل تھیں، انھوں نے ہماری بات سنی اور جواب دیا کہ آئندہ ہم راجوں، مہاراجوں اور نوابوں کو ختم کر دیں گے، میں آج رات ۸ بجے رام لیلا گراؤنڈ میں تقریر کروں گا، جس میں ریاستوں کے بارے میں کانگرس کی پالیسی کی وضاحت کی جائے گی۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

۱۳۔ اگست کو ہم مولانا ابوالکلام آزاد کی خدمت میں حاضر ہوئے وہ اس وقت خود بھی سخت پریشان تھے، اتفاق کی بات یہ ہے کہ اس دن مہاراجہ فریدکوٹ بھی دہلی میں تھا، مولانا نے اس سے ٹیلی فون پر بات کی اور فرمایا فریدکوٹ سے آئے ہوئے کچھ مسلمان میرے پاس بیٹھے ہیں اور وہاں کے حالات سے متعلق پریشانی کا اظہار کر رہے ہیں، وہاں آپ ایسا انتظام کیجیے کہ مسلمانوں کو کوئی نقصان نہ پہنچے، مہاراجہ نے مولانا سے اپنی ریاست کے مسلمانوں کی حفاظت کا وعدہ کیا اور سچی بات یہ ہے کہ اس نے یہ وعدہ نباہایا۔

مولانا آزاد اس زمانے میں وزیر تعلیم تھے اور وزیر کی حیثیت سے ۲۲ پرتھوی راج روڈ نئی دہلی میں مقیم تھے۔

ان دنوں پورے پنجاب میں آتش وآہن کا کھیل جاری تھا، صرف ریاست فریدکوٹ تھی، جس میں کوئی جانی نقصان نہیں ہوا تھا۔ ریاست میں ارائیاں والا ایک مشہور گاؤں تھا جس کی تمام آبادی مسلمانوں پر مشتمل تھی اور یہ سب لوگ ارائیں برادری سے تعلق رکھتے تھے اور خوش حال تھے، سکھوں کے ہاتھوں وہاں کے تین مسلمان مارے گئے تھے، تقسیم سے کچھ عرصہ بعد بعض مسلمان فریدکوٹ گئے اور مہاراجہ سے ملے تو مہاراجہ نے خود اُن سے ارائیاں والا کے ان مقتولین کا ذکر کیا اور کہا کہ مجھے ان کی موت سے بہت افسوس ہوا میں چاہتا تھا کہ ہماری ریاست کی حدود میں کوئی جانی نقصان نہ ہو لیکن جو مسلمان مارے گئے تھے میں نے ذاتی طور پر ان کی موت کے بارے میں تحقیق کی تو پتہ چلا کہ یہ حادثہ خود ارائیاں والا کے باشندوں کی غلطی سے پیش آیا تھا۔

یہ بات بہت حد تک صحیح تھی۔

۱۴۔ اگست کی صبح کو ہم دہلی سے وطن واپس پہنچے تو دو بجے دوپہر کے قریب مجھے ایک نوجوان ملا میں اسے نہیں جانتا تھا، اس نے مجھے مولانا عطاء اللہ صاحب کا ایک رقعہ دیا جو چند سطور پر مشتمل تھا، اور مولانا نے یہ رقعہ قصور سے بھیجا تھا، اس میں لکھا تھا کہ حامل رقعہ قابل اعتماد آدمی ہے، اسے میں صرف آپ لوگوں کے لیے قصور سے بھیج رہا ہوں فیروز پور شہر

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اور چھاؤنی سے مسلمان تیزی کے ساتھ نکل رہے ہیں میں بھی وہاں سے آ گیا ہوں اور بچوں کو گوندلاں والا چھوڑ کر آج یہاں آیا ہوں۔ حالات نہایت خطرناک ہیں، آپ لوگ جس طرح بھی ہو سکے فوراً قصور آ جائیں۔ میں آپ لوگوں کی وجہ سے بہت فکر مند ہوں۔

اس نوجوان نے مجھے اپنا نام نہیں بتایا اور یہ بھی نہیں بتایا کہ وہ کہاں کا رہنے والا ہے اور کیا کام کرتا ہے، رمضان کا مہینہ تھا اور وہ روزے سے تھا، اس لیے اس نے مجھ سے کچھ کھایا پیا بھی نہیں۔

وہ نوجوان خط دیکر اُسی وقت واپس چلا گیا۔ بعد میں پتہ چلا کہ وہ فوجی تھا لیکن مولانا عطاء اللہ صاحب سے اس کی ملاقات کیسے ہوئی اور کیوں ان کے کہنے سے وہ ہمارے ہاں پہنچا؟ اس کا مجھے علم نہیں۔

یہ ۱۴۔اگست کی بات ہے لیکن ہم لوگ ۱۵۔اگست کو صبح چھ بجے بذریعہ ٹرک کوٹ کپورے سے روانہ ہوئے۔ٹرک میں چھوٹے بڑے کل ایک سو تیس افراد سوار تھے، لیکن میرے والد اور بہت سے عزیز اور رشتے دار ہمارے ساتھ نہیں آئے تھے۔کوٹ کپورے سے قصور ۴۵ میل کے فاصلے پر ہے اِدھر اُدھر سے ہوتے ہوئے ہم نے یہ فاصلہ چودہ گھنٹے میں طے کیا اور غروبِ آفتاب سے کافی دیر بعد ٹھیک آٹھ بجے قصور پہنچے، رات ایک سرائے میں بسر کی۔

یہاں یہ عرض کر دوں کہ ہم میں سے کسی کے پاس چھوٹا موٹا کوئی سامان نہیں تھا بلکہ ہم نے چلتے وقت عام اعلان کر دیا تھا، کہ ہمارے ساتھ وہی شخص جا سکتا ہے جس کے پاس سامان نہ ہو، یہ ٹرک سامان لادنے کے لیے نہیں ہے، انسانوں کو لے جانے کے لیے ہے، وہ بچے ہوں، بوڑھے ہوں، مرد ہوں یا عورتیں جس کو جہاں جگہ ملتی ہے، بیٹھ جائے اس کے لیے کسی سے اجازت لینے یا پوچھنے کی ضرورت نہیں۔..... ایک سو تیس افراد کے اس پورے قافلے کے پاس جو مختلف خاندانوں اور برادریوں پر مشتمل تھا، چار پانچ گلاس تھے اور ایک دیگچہ..... یہ تھا ہمارا کل سامان جو ہم ہندوستان سے پاکستان لے کر آئے تھے۔

بہرحال پاکستان پہنچنے کے دوسرے دن (یعنی ۱۶۔اگست کو) صبح آٹھ بجے ہم مولانا محمد علی قصوری ایم اے کینٹب سے ان کی کوٹھی پر ملے وہ ہمیں ایک بہت بڑے مکان میں

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

لے گئے جس کا نام ''کتوہی والی حویلی'' تھا، یہ حویلی دو منزلہ تھی اور شہباز روڈ پر تھی، یہی روڈ کھیم کرن کو جاتی تھی۔

ہمارے اس حویلی میں جانے کے ڈھائی تین گھنٹے بعد مولانا محمد علی قصوری دوبارہ آئے تو مولانا عطاء اللہ صاحب ان کے ساتھ تھے۔ انھوں نے مولانا عطاء اللہ صاحب سے مسکراتے ہوئے فرمایا:

یہ ہیں کوٹ کپورے کے لوگ جن کو آپ کئی دنوں سے تلاش کر رہے تھے۔

مولانا عبدالقادر قصوری اور ان کے صاحب زادوں (مولانا محی الدین احمد قصوری اور مولانا محمد علی قصوری ایم اے کینٹب) سے مولانا عطاء اللہ صاحب کے بہت اچھے تعلقات تھے، کوٹ کپورے کے زمانۂ قیام میں وہ کئی دفعہ ان حضرات سے ملاقات کے لیے قصور تشریف لائے تھے، ایک مرتبہ میں بھی ان کے ساتھ قصور آیا تھا، انجمن اصلاح المسلمین کے جلسے میں بھی مولانا کی دعوت پر وہ حضرات کوٹ کپورے تشریف لے گئے تھے۔

اگست ۱۹۴۷ء کا دور انتہائی ہولناک تھا، کوئی نہیں جانتا تھا کہ کون کہاں ہے، دوست دوستوں سے بچھڑ گئے تھے، عزیز عزیزوں سے جدا ہو گئے تھے، اور تعلق ورفاقت کے سلسلے اس طرح ٹوٹ گئے تھے کہ بظاہر ان کے جڑنے کی کوئی صورت نظر نہیں آتی تھی، ہر شخص اپنے ساتھیوں کی تلاش میں سرگرداں تھا، مختلف مقامات سے پناہ گزینوں کے لٹے پٹے قافلے آ رہے تھے اور لوگ ان قافلوں میں اپنے دوستوں اور تعلق داروں کو تلاش کرتے پھرتے تھے، مولانا عطاء اللہؒ بھی چند روز قصور میں رہ کر اپنے پرانے ملنے والوں کے متعلق پوچھ گچھ کرتے رہے، کسی کا پتہ چلا کسی کا پتہ نہ چلا۔ بالآخر وہ گوندلاں والے چلے گئے، ان کے زیادہ تر عزیز ورشتے دار وہیں چلے گئے تھے اور اگست کی ابتدائی تاریخوں میں وہ وہیں اپنے اہل وعیال کو چھوڑ آئے تھے۔

فیروز پور میں مولانا کا اچھا خاصا کتب خانہ تھا جو تفسیر وحدیث، فقہ وتاریخ، سیرت وسوانح، عقائد واخلاق اور ادبیات ودرسیات وغیرہ بہت سے علوم وفنون پر مشتمل تھا، یہ تمام

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کتب خانہ وہیں رہ گیا تھا اس میں سے صرف تین چار کتابیں وہ اپنے ساتھ لا سکے تھے۔

جیسا کہ پہلے بتایا گیا ہم ٹرک پر قصور پہنچے تھے، لیکن ہوا یہ کہ دوسرے دن ہمارا ٹرک وہاں کی پولیس نے اپنے قبضے میں لے لیا اور بھی دس پندرہ بسیں اور ٹرک اس کے قبضے میں تھے، اس کا مقصد ٹرکوں اور بسوں کے ذریعے دور دراز بیٹھے ہوئے لوگوں کو محفوظ مقامات میں پہنچانا اور ان کو کھانے پینے کی چیزیں مہیا کرنا تھا۔

ہمارے قصور کی مقامی پولیس سے اچھے تعلقات ہو گئے تھے۔ قصور کے ڈی ایس پی کا نام خضر حیات تھا، وہ ایک مخلص اور ہمدرد پولیس افیسر تھا، دلیر اور جرأت مند بھی تھا، لمبے قد اور متوسط جسم کا وہ ڈی ایس پی بڑا متحرک اور چاق و چوبند تھا۔ اس نے مہاجروں کی بڑی خدمت کی، اللہ تعالیٰ اس کو اس کا ضرور اجر دے گا۔ مجھے نہیں معلوم کہ وہ زندہ ہے یا سفر آخرت اختیار کر گیا ہے لیکن یہ واقعہ ہے کہ جس شخص کا اس سے واسطہ پڑتا تھا وہ مطمئن ہو کر واپس جاتا تھا، قصور اس وقت ضلع لاہور کی تحصیل تھا۔

یہ وہ دور تھا کہ تقسیم کے بعد ابھی تک قصور سے فیروز پور آنے جانے کے لیے پولیس افسروں اور فوجیوں پر کوئی پابندی نہیں تھی ہمارا ٹرک ڈی ایس پی کے قبضے میں تھا اور ہماری بڑی مدد کرتا تھا۔

ایک دن میں نے اس سے مولانا عطاء اللہ صاحبؒ کا ذکر کیا اور کہا کہ ان کا کتب خانہ فیروز پور میں رہ گیا ہے اگر ہو سکے تو وہاں جانا چاہیے، ممکن ہے پورا کتب خانہ یا اس کا کچھ حصہ محفوظ ہو اور وہ ہمیں مل جائے یہ اگست کے آخری دنوں کی بات ہے اور جب میں نے اس سے یہ تذکرہ کیا۔ اس وقت شام کے پانچ بجے ہوں گے۔

میں سرکاری اہل کاروں بالخصوص پولیس والوں کی تعریف کرنے میں بہت محتاط بلکہ کنجوس ہوں لیکن واقعہ یہ ہے کہ وہ شخص قابلِ تعریف تھا اور بڑے دل گردے کا مالک تھا، اس نے میری بات غور سے سنی اور کہا:۔

آپ اس مکان پر ہمیں لے جا سکتے ہیں؟

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

میں نے کہا: یقیناً لے جا سکتا ہوں۔

بولا: بھول تو نہیں جائیں گے؟

میں نے جواب دیا۔ بھولنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

اس نے چند لمحوں کے بعد کہا: آج نمازِ مغرب کے بعد سات بجے یہاں سے فیروز پور کے لیے روانہ ہوں گے۔ چنانچہ اس نے ملٹری والوں سے بات کی، چار پانچ آدمی ملٹری کے اور چار پانچ پولیس والے تیار کیے۔

ہم طے شدہ پروگرام کے مطابق سورج غروب ہونے کے کافی دیر بعد ٹھیک سات بجے قصور سے روانہ ہوئے، ٹرک ہمارا اپنا تھا جسے محمد علی صاحب چلا رہے تھے، جنھوں نے اپریل ۱۹۸۸ء کو کراچی میں وفات پائی۔ ڈرائیور کے ساتھ بائیں جانب میں بیٹھا، میرے ساتھ محمد زکریا بیٹھے، جو میرے عزیز ہیں اور جڑاں والا میں مقیم ہیں۔ ان کے ساتھ ڈی ایس پی بیٹھا تھا جو وردی میں تھا اور اس کے ہاتھ میں چھ گولی کا بھرا ہوا ریوالور تھا یعنی ڈرائیور سمیت ہم چار آدمی فرنٹ سیٹ پر بیٹھے تھے۔ ملٹری اور پولیس کے دس مسلح جوان پیچھے چاروں طرف کھڑے تھے۔ قصور کے پولیس تھانے سے کتابیں ڈالنے کے لیے پندرہ سولہ بوریاں ہم نے ٹرک میں رکھ لی تھیں۔

مشرقی پنجاب سے براستہ فیروز پور پاکستان آنے والے قافلوں کا زور اب ٹوٹ چکا تھا اور سڑک پر آمدورفت کم تھی قصور سے فیروز پور پندرہ میل اور دریائے ستلج کا ہیڈ حسینی والا گیارہ میل کے فاصلے پر ہے اور یہ وہ مقام ہے جہاں پاکستان کی سرحد ختم ہوتی ہے۔ وہاں تک سڑک کے دونوں جانب مشرقی پنجاب سے آنے والے پناہ گزینوں کے قافلے دور تک بیٹھے دکھائی دے رہے تھے۔

تقریباً آدھ گھنٹے میں ہم ہیڈ حسینی والا پہنچے تو پاکستان اور ہندوستان کی مشترکہ ملٹری کے جوان وہاں کھڑے تھے، انھوں نے ہمیں روکا ہم نے فیروز پور جانے کی وجہ بیان کی تو وہ پیچھے ہٹ گئے اور ہمیں آگے جانے کے لیے راستہ دے دیا، دریا کا پل عبور کر کے پانچ چھ

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

منٹ میں ہم فیروز پور شہر میں داخل ہوئے سب سے پہلے ریل کے پھاٹک سے واسطہ پڑا وہ کھلا تھا، شہر میں بالکل سناٹا، بائیں طرف ریلوے اسٹیشن تھا، لیکن ہمیں وہاں کوئی آدمی نظر نہیں آیا چند قدم آگے دائیں جانب سبزی منڈی کا بڑا دروازہ تھا، اس وقت زیادہ سے زیادہ آٹھ بجے ہوں گے، لیکن ایسے معلوم ہوتا تھا جیسے شہر میں دیو پھر گیا ہے..... ہُو کا عالم..... کوئی متنفس نظر نہیں آ رہا تھا۔ سبزی منڈی کے قریب ایک انسانی لاش پڑی تھی، سڑک پر اور اس کے اِردگرد کاغذ بکھرے ہوئے تھے، اور غلاظت کے ڈھیر نظر آ رہے تھے۔

تھوڑا سا آگے بڑھے تو سامنے ملتانی دروازہ اُداس اور پژمردہ شان کے ساتھ دکھائی دے رہا تھا اور وہاں دونوں ملکوں کی مشترکہ فوج کے سپاہی ہاتھوں میں بندوقیں لیے کھڑے تھے، ہم چند لمحے وہاں رُکے ڈی ایس پی نے آنے کا سبب بتایا تو فوجیوں نے آگے جانے کا اشارہ کیا۔

وہاں سے ہم قصوری دروازے کی طرف گھومے اور پھر گنبداں والی مسجد سے تھوڑا سا آگے بائیں جانب ٹرک کھڑا کر دیا۔ گلیوں میں جگہ جگہ چیتھڑے سے بکھرے پڑے تھے اور صاف پتہ چلتا تھا کہ وسیع پیمانے پر لوٹ کھسوٹ ہوئی ہے۔

تین مسلح آدمی ٹرک میں کھڑے کر دیے گئے۔ ڈی ایس پی آگے، میں، محمد علی اور زکریا اس کے پیچھے، فوجی اور پولیس والے ہمارے اِردگرد جو تھری ناٹ تھری کی بھری ہوئی رائفلوں کا رخ اُوپر مکانوں کی طرف کیے ہوئے تھے کسی کسی مکان کی دوسری یا تیسری سنزل میں کوئی روشنی دکھائی دیتی تھی زیادہ تر گلیاں تاریکی میں ڈوبی ہوئی تھیں، پورے شہر میں نہ کوئی دکان نظر آئی نہ کوئی آدمی دیکھا اور نہ کسی کی آواز کان میں پڑی۔

میری نشان دہی پر فوج اور پولیس والے مولانا عطاء اللہ صاحبؒ کے مکان پر پہنچے۔ تین چار ٹارچیں ان کے ہاتھ میں تھیں اور وہ نہایت چوکس تھے، ڈی ایس پی نے آہستہ سے دروازے کو ہاتھ لگایا تو ایسے معلوم ہوا کہ اندر سے بند ہے۔ پھر تھوڑا سا کھٹکھٹایا لیکن کوئی آواز نہیں آئی۔ بعدازاں زور سے دھکا دیا تو دروازہ کھل گیا۔ غالباً اندر کی طرف دروازوں پر کسی نے تین تین چار چار اینٹیں رکھ دی تھیں۔ دو آدمیوں کو باہر کھڑا کر کے باقی لوگ مکان

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کے اندر داخل ہو گئے۔ مکان بالکل خالی تھا، نہ کوئی کتاب نہ سامان، نہ برتن، البتہ پھٹے ہوئے کاغذ جگہ جگہ بکھرے پڑے تھے۔ کتابوں کی جلدوں کے چار پانچ گتے بھی پڑے تھے، مکان کی چھت پر گئے تو وہاں کوئی کتاب نہ تھی، کچھ کاغذ اور چیتھڑے پڑے ہوئے تھے۔

مایوس ہو کر اسی طرح گلیوں میں سے گزرتے ہوئے وہاں آئے جہاں ٹرک کھڑا تھا، چند قدم پر گنبداں والی مسجد تھی، اب اس کی طرف رخ کیا کہ شاید یہاں قرآن مجید مل جائیں لیکن وہاں بھی کوئی شے نہ تھی، کتابیں ڈالنے کے لیے بوریاں ہمارے ہاتھوں میں تھیں۔

تقریباً گیارہ بجے ہم واپس قصور پہنچ گئے۔

میرے پاس کوٹ کپورے میں چار پانچ سو کتابیں تھیں، میرے والد ہمارے آنے سے کئی دن بعد ایک بہت بڑے قافلے کے ساتھ وہاں سے روانہ ہوئے تھے، اور کتابیں اور گھر کا تمام سامان ایک سکھ کے حوالے کر آئے تھے، جس کا نام ''ہرنام سنگھ'' تھا اور ہمارے نزدیک وہ قابلِ اعتماد آدمی تھا اور واقعی ''گورو کا سکھ'' تھا ایک دن میں نے اس کا ذکر خضر حیات ڈی ایس پی سے کیا تو اس نے کہا کسی دن وہاں جانے کا پروگرام بنا لیں گے اور کتابیں لے آئیں گے لیکن میں نے خود ہی وہاں جانا مناسب نہیں سمجھا، دل میں خیال یہ آیا کہ ہرنام سنگھ کتابیں نہیں دے گا۔ وہ کہے گا کہ حکومت کے لوگ آئے اور تمام کتابیں میرے گھر سے اٹھا کر لے گئے وہ سمجھے گا کہ اگر کتابیں دی گئیں تو دوسرا سامان بھی دینا پڑے گا۔

چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ آزادی کے بعد میں آج تک ہندوستان نہیں گیا۔ کچھ عرصے بعد جب حالات اعتدال پر آ گئے تو میرے بعض عزیز وہاں گئے۔ انھوں نے ہرنام سنگھ سے کتابوں کی بات کی تو اس نے یہی جواب دیا کہ آپ لوگوں کے جانے کے بعد حکومت کے لوگ آئے ہمارے گھروں کی تلاشیاں لیں اور تمام سامان اور کتابیں وغیرہ جو آپ ہمارے گھروں میں رکھ گئے تھے اٹھا کر لے گئے۔

ہرنام سنگھ سے کہا گیا کہ ہمیں سامان کی ضرورت نہیں، صرف کتابوں کی ضرورت ہے۔ مگر وہ اپنی بات پر قائم رہا۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اکتوبر ۱۹۴۷ء کے پہلے ہفتے میں ہم لوگ جڑاں والا (ضلع فیصل آباد) کے قریب ایک گاؤں (چک ۵۳ گ ب منصور پور) میں جا کر آباد ہو گئے اس زمانے میں ''آبادکاری'' کو ''عارضی مستقل آبادکاری'' کہا جاتا تھا اور الاٹ منٹ کا نام ''عارضی مستقل الاٹ منٹ'' تھا۔

ان دنوں ہمارے گھر میں صرف ایک چارپائی تھی جو کہیں سے مل گئی تھی، ایک لحاف تھا جو گاؤں کے بیت المال سے ہمارے گھر پہنچا دیا گیا تھا اور غالباً سوت کے بنے ہوئے دو پرانے ''کھیس'' تھے، دو یا تین گلاس تھے اور ایک چھوٹا سا دیگچہ، گلاس اور دیگچہ کوٹ کپورے سے ہمارے ساتھ آئے تھے۔ نیچے ہم ''پرالی'' بچھا کر سوتے تھے۔

مکان کچا تھا، لیکن نیا تھا، اس کے باہر کے دروازے پر لال رنگ کا بڑا سا ''گانا'' لٹک رہا تھا جو اس بات کی علامت تھا کہ یہ مکان نیا بنا ہے۔

ایک دن شام کے بعد پوری شان سے ہم اپنے گھر میں پرالی پر بیٹھے تھے کہ مولانا عطاء اللہ صاحبؒ تشریف لائے ان کے ساتھ ایک نوجوان تھے، تعارف کرانے پر پتہ چلا کہ نام محمد یحییٰ حصاری ہے اور یہ اصلاً ضلع حصار (موجودہ صوبہ ہریانہ) کے کسی گاؤں کے رہنے والے ہیں، یہ وہی حصاری تھے جو بعد میں مولانا محمد یحییٰ شرق پوری کے نام سے مشہور ہوئے۔ یہ مولانا عطاء اللہ صاحبؒ کے شاگرد ہیں۔ لیکن انھوں نے مولانا عطاء اللہ صاحبؒ سے کون سی کتابیں پڑھیں اور کہاں پڑھیں اس کا مجھے علم نہیں۔ میں نے ان کو اُسی دن دیکھا تھا، اس کے بعد تو ان سے بڑے مراسم پیدا ہو گئے تھے۔ ملک حسن علی جامعی سے کہہ کر مولانا عطاء اللہ صاحبؒ نے ہی شرق پور میں ان کے قیام کا انتظام کیا تھا۔

ہمارے گاؤں میں ہمارے علاقے اور شہر کے لوگ ہی آباد ہیں۔ مولانا عطاء اللہ صاحبؒ کا پہلے سے ان سے تعلق تھا وہ ان سب سے ملے اور پرالی کے اسی بستر پر ہمارے گھر میں سوئے جس پر ہم سوتے تھے دو دن وہ ہمارے ہاں رہے۔

اس سے چند روز بعد ان سے ملاقات کے لیے میں نے گوندلاں والے کا پروگرام بنایا، پہلے گوجراں والے گیا۔ اور مولانا محمد اسماعیل صاحب سے ملا۔ کوٹ کپورے کے کچھ لوگ

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

آزادی کے بعد گوجراں والے چلے گئے تھے۔ وہ ہمارے گاؤں گئے تو مجھے بتایا کہ وہاں مولانا اسماعیل صاحب ملے تھے۔ اپنا قدیم مسکن بتا۔ نے پر ان سے مولانا نے اس عاجز کے متعلق پوچھا تھا کہ اس کا کیا حال ہے اور کہاں ہے؟ ان کو میری خیر وعافیت کا پتہ چلا تو خوش ہوئے تھے۔ یہ اس فقیر پر ان کی شفقت کا اظہار تھا اب میں گوجرانوالے جا کر ان کی خدمت میں حاضر ہوا تو بے حد خوش ہوئے۔

گوجراں والے سے گوندلاں والے گیا۔ وہاں مولانا عطاء اللہ صاحبؒ سے اور ان کے ان تمام عزیزوں سے ملا جو تقسیم کے بعد وہاں چلے گئے تھے اور اب بھی وہیں ہیں۔

گوندلاں والا مولانا عطاء اللہ صاحبؒ کے لیے نئی اور اجنبی جگہ نہ تھی، وہ طالب علمی کے زمانے میں حضرت حافظ محمد صاحبؒ کے حلقہ تلامذہ میں شامل رہے تھے، پھر ان کے پرانے دوست اور شاگرد مولانا محمد ابراہیم خلیل بھی وہیں تھے، مولوی محمد الیاس صاحب بھی وہیں تھے، اور بھی ان کے بہت سے احباب ومتعلقین وہاں موجود تھے، ان حضرات میں سے متعدد اصحاب کو میں بھی جانتا تھا۔

مولانا کا اصل کام درس وتدریس اور مطالعہ کتب تھا، گوندلاں والے میں بھی انھوں نے یہ سلسلہ شروع کر دیا تھا۔ ان کے دو نئے طالب علموں سے وہاں تعارف ہوا وہ تھے محی الدین اور عبدالرحمٰن۔ یہ دونوں نوجوان تھے اور مولانا سے ابتدائی درسی کتابیں پڑھتے تھے اور ان کا تعلق پتوکی سے قریب کے ایک گاؤں ''گوہڑ'' سے تھا۔

محی الدین اور عبدالرحمٰن کو مولانا عطاء اللہ صاحبؒ کا کیسے پتہ چلا اور وہ کس کے کہنے سے گوندلاں والے ان کی خدمت میں پہنچے؟ اس کا صحیح طور سے تو علم نہیں البتہ محی الدین تقسیم سے قبل مالیر کوٹلہ میں مولانا عبدالغفار حسن اور مولانا مسعود عالم ندوی کے حلقۂ درس میں شامل رہے، ممکن ہے مولانا مسعود عالم ندویؒ نے محی الدین کو مولانا عطاء اللہ صاحبؒ سے حصولِ علم کا مشورہ دیا ہو اور وہ تقسیم کے بعد اپنے عزیز حافظ عبدالرحمٰن کو بھی گوندلاں والے لے گئے۔

ان دونوں سے میری وہیں جان پہچان ہوئی جس میں مرورِ ایام سے پختگی پیدا ہوتی گئی۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

محی الدین سلفی بڑے پیارے آدمی تھے وہ ۱۹۷۵ء میں (یا اس سے پس وپیش) حکومت پاکستان کے سفارت خانے میں جدہ (سعودی عرب) چلے گئے تھے، اہل وعیال کو بھی وہیں لے گئے تھے لیکن کچھ عرصے بعد حرکتِ قلب بند ہو جانے سے جدہ میں انتقال کر گئے۔

حافظ عبدالرحمٰن گوہڑوی نے مولانا عطاء اللہ صاحبؒ سے تعلیم مکمل کی۔ اس کے بعد دونوں نے شیش محل روڈ پر مکتبہ سلفیہ کے نام سے اشاعتی ادارہ قائم کیا۔ ۱۹۷۰ء کے بعد عبدالرحمٰن نے ان سے علیحدہ ہو کر اپنا کاروبار شروع کر لیا تھا۔ اللہ انھیں خوش رکھے میرے وہ مخلص دوستوں میں سے ہیں۔

میں تین چار دن مولانا کے پاس گوندلاں والے رہا، اس کے بعد اپنے گاؤں چلا گیا، ان سے رخصت ہونے لگا تو ان کی اہلیہ محترمہ (بہن حنیفہ) نے مجھے چاول دیے جو چھ سات سیر ہوں گے، یہ ان مرحومہ کی طرف سے ایک تحفہ تھا جو میں اپنے گھر لے گیا۔

اس کے بعد میں اپنے پرانے دوست مولانا معین الدین لکھوی کے پاس اوکاڑے چلا گیا، کچھ مدت وہاں رہا، پھر گاؤں واپس آ گیا، اصل بات یہ ہے کہ کہیں جی نہیں لگتا تھا اس لیے چل پھر کر میلہ دیکھ رہا تھا۔

بالآخر ہم نے یہ کیا کہ ۱۹۴۸ء کے مارچ میں اپنی زمین میں جو ہمارے نام الاٹ ہوئی تھی سرکنڈے کی ایک کٹیا بنالی، جسے ''جھگی'' کہا جاتا ہے اور اس میں ڈیرہ لگا لیا۔ اس زمانے میں جو بہترین چارپائی اور بستر ہمیں میسر آ سکتا تھا، اُسے جھگی کی زینت بنا دیا گیا۔

گاؤں میں جس مکان پر ہم نے قبضہ کیا اس میں تین چیزیں پڑی تھیں۔

ایک گُڑ بنانے والا بیلنا۔

دوسرا لوہے کا بڑا سا کڑاہا۔ یہ بھی گڑ بنانے کے لیے استعمال میں لایا جاتا تھا۔

تیسری چیز لکڑی کی دو بڑی بڑی کھرلیاں تھیں جن کے نیچے پہیے لگے ہوئے تھے۔

لوہے کے کڑاہے میں دو کتابیں پڑی تھیں۔

ایک جپ جی اور سکھ منی صاحب۔ یہ کتاب ہندی نظم میں تھی اور اس کے ساتھ خواجہ

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

دل محمد کا اُردو نظم میں ترجمہ تھا۔

دوسری کتاب تھی ہیر وارث شاہ۔

ان کتابوں سے اندازہ ہوا کہ اس مکان کا مالک کوئی پڑھا لکھا باذوق شخص تھا، یہ دونوں کتابیں اب بھی میرے پاس موجود ہیں۔

میں یہ کتابیں اپنی ''جھگی'' میں لے گیا تھا اور ایک قرآن مجید جڑاں والا سے خرید لایا تھا، وہ بھی جھگی میں رکھ لیا تھا..... میرے پڑھنے اور مطالعے کی یہی تین چیزیں تھیں اور میرے خیال میں اُس دور میں یہ بہت تھیں۔

میرے گاؤں سے جڑاں والا شہر تین میل کے فاصلے پر ہے، اخبار میں روزانہ شہر سے منگواتا تھا خود بھی اخبار پڑھتا تھا اور میرے پاس آنے والے لوگ بھی پڑھتے یا مجھ سے سنتے تھے، میری جھگی جڑاں والا کو جانے والے راستے پر تھی اس لیے اس میں دن رات لوگوں کا میلہ سا لگا رہتا تھا، لوگ مجھ سے ہر قسم کی باتیں کرتے تھے۔

جولائی ۱۹۴۸ء کی پندرہ سولہ تاریخ تھی اور میں تین چار آدمیوں کے ساتھ اپنی جھگی میں بیٹھا تھا کہ چٹھی رسان آیا اور اس نے مجھے ایک پوسٹ کارڈ دیا، جس میں اس قسم کے الفاظ مرقوم تھے کہ ۲۴ جولائی ۱۹۴۸ء کو علما اور زعمائے اہل حدیث کا ایک اجلاس دارالعلوم تقویۃ الاسلام (شیش محل روڈ لاہور) میں منعقد ہو رہا ہے جس میں جماعت اہل حدیث کی تنظیم کے مسئلے پر غور کیا جائے گا اس اجلاس میں آپ کی شرکت نہایت ضروری ہے۔

میں تاریخ مقررہ پر لاہور پہنچا تو بہت سے حضرات کی زیارت کا موقع ملا۔ وہاں جا کر پتہ چلا کہ مولانا عطاء اللہ صاحبؒ کی خدمات مولانا داؤد غزنویؒ نے حاصل کر لی ہیں اور وہ دارالعلوم میں ان کو شیخ الحدیث کی حیثیت سے لے آئے ہیں۔

اس موقع پر مرکزی جمعیت اہل حدیث پاکستان کے نام سے جماعت کی ایک تنظیم قائم کی گئی تھی اس سے قبل مشرقی پاکستان میں جماعت کی تنظیم قائم ہو چکی تھی جس کے صدر مولانا عبداللہ الکافی تھے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مغربی پاکستان میں جماعت کے نظم ونسق کی تجویز مولانا داؤد غزنویؒ کو پروفیسر عبدالقیوم مرحوم نے دی تھی اور انہی کو اس کا پہلا ناظم اعلیٰ منتخب کیا گیا تھا، لیکن علماے اہل حدیث سے زیادہ متعارف مولانا عطاء اللہ صاحبؒ یا مولانا اسماعیل صاحب تھے، اس لیے خط وکتابت اور بعد میں پیش آنے والے تنظیمی معاملات میں بنیادی حصہ انہی دو حضرات کا تھا بلکہ مولانا عطاء اللہ صاحبؒ کا حصہ مولانا اسماعیل صاحبؒ سے بھی زیادہ تھا۔ اس کی تفصیل آگے آئے گی۔

میں اگرچہ اہل حدیث کا نہ ''علما'' تھا، نہ ''زعماء'' تاہم اس اجلاس میں شامل ہوا اور متعدد علما وزعما کو سلام کرنے کا شرف حاصل کیا۔

اس سے ڈھائی مہینے بعد شروع اکتوبر کا واقع ہے کہ میں ایک دن اپنے کماد کو پانی دے کر شیشم کے درخت کے سائے میں بیٹھا اخبار پڑھ رہا تھا کہ ناگہاں ''السلام علیکم'' کی آواز میرے کان میں پڑی۔ میں نے نظر اٹھا کر دیکھا تو میرے استادِ محترم حضرت مولانا عطاء اللہ صاحبؒ سامنے کھڑے تھے میں جلدی سے اُٹھا، ان کو سلام کیا اور زمین پر چادر بچھا کر عرض گزار ہوا تشریف رکھیے۔

دو چار منٹ میں ہم نے ایک دوسرے سے خیروعافیت پوچھی، اور پھر میں انھیں گھر لے گیا، اب ہم نے پانچ چھ چارپائیاں بھی خرید لی تھیں اور بستر بھی بنوا لیے تھے ضرورت کے مطابق دس گیارہ برتن بھی خرید لیے گئے تھے۔

مولانا نے مجھے بتایا کہ صرف تمھارے لیے یہاں آیا ہوں۔ ہم نے فیصلہ کیا ہے کہ تمھیں مرکزی جمعیت اہل حدیث کا ناظم دفتر مقرر کر دیا جائے تم میرے ساتھ لاہور چلو اور دفتر کا کام سنبھال لو۔

میں نے والد سے مشورے اور تمام معاملات پر غور کرنے کے بعد عرض کیا کہ پرسوں لاہور آؤں گا اور اندازہ کروں گا کہ کام کس نوعیت کا ہے اور کس انداز ورفتار سے اس کو آگے بڑھایا جاسکتا ہے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

میں وعدے کے مطابق لاہور پہنچا اور مولانا عطاء اللہ صاحبؒ سے ملا وہ مجھے مولانا سید محمد داؤد غزنویؒ کی خدمت میں لے گئے، آدھ پون گھنٹہ ان سے باتیں کیں اور عرض کیا کہ میں دسمبر کے پہلے ہفتے تک مصروف ہوں، اس کے بعد حاضر ہو جاؤں گا، چنانچہ اس کے بعد ۸ دسمبر ۱۹۴۸ء کو میں نے لاہور آ کر باقاعدہ نظامتِ دفتر کا کام شروع کر دیا۔

عرض کرنے کا مقصد یہ ہے کہ میں مولانا عطاء اللہ صاحبؒ کی کوشش سے لاہور آیا، وہ اس وقت دارالعلوم تقویۃ الاسلام میں شیخ الحدیث کے منصب عالی پر فائز تھے اور مولانا داؤد غزنویؒ اس کے مہتمم تھے، انہی کے کہنے پر انھوں نے گوندلاں والا سے لاہور آ کر یہ مسند سنبھالی تھی۔ مولانا داؤد غزنویؒ مرکزی جمعیت اہل حدیث کے صدر تھے اور جمعیت کے ضروری معاملات سے متعلق مولانا عطاء اللہ صاحبؒ سے ان کی گفتگو رہتی تھی۔ اس لیے کہ ان علمائے کرام سے جو تقسیم کے بعد مشرقی پنجاب کے مختلف علاقوں سے مغربی پاکستان کے بلا دوقصبات میں آ کر آباد ہو گئے تھے، زیادہ تعلق مولانا عطاء اللہ صاحبؒ ہی کا تھا، یا پھر مولانا اسماعیل صاحب کا تھا، لیکن مولانا اسماعیل صاحب گوجراں والا میں مقیم تھے اس لیے مولانا غزنوی کا ان سے زیادہ رابطہ نہیں تھا، مولانا عطاء اللہ صاحبؒ سے ہر وقت رابطہ اور میل جول رہتا تھا، انہی نے مولانا غزنوی کو دفتر کی نظامت کے لیے میرا نام پیش کیا اور مجھے یہ خدمت سرانجام دینے کا اہل سمجھا، مجھ فقیر پر اسے ان کی شفقت سمجھیے یا حسنِ ظن قرار دیجیے۔

ایک دفعہ مولانا عطاء اللہ صاحبؒ نے مجھے یہ بھی بتایا تھا کہ مولانا اسماعیل صاحب نے مولانا داؤد غزنویؒ اور مرکزی جمعیت کے اُس وقت کے ناظم اعلیٰ پروفیسر عبدالقیوم صاحب کی موجودگی میں ان سے کہا تھا کہ اسحاق کہاں ہے اور کیا کرتا ہے؟ میری رائے ہے کہ اسے مرکزی جمعیت کے دفتر کا ناظم مقرر کر دیا جائے۔

مولانا اسماعیل صاحبؒ بھی میرے اُستادِ مکرم تھے اور میں ۱۹۴۱ء اور ۱۹۴۲ء میں دو سال ان سے استفادہ کرتا رہا ہوں۔ اس حیثیت سے میرے افکار و رجحانات سے متعلق بہت سی باتوں کا انھیں علم تھا۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بہرحال میں لاہور آیا تو مولانا داؤد غزنویؒ نے میرا انٹرویو لیا، مولانا عطاء اللہ صاحبؒ بھی اس وقت موجود تھے، جو باتیں انھوں نے دریافت فرمائیں میں نے ان کا جواب دیا۔ انٹرویو کے بعد میں ان کے کمرے سے باہر نکلا تو مولانا غزنویؒ کے یہ الفاظ جو انھوں نے مولانا عطاء اللہ صاحبؒ سے کہے میرے کانوں میں پڑے۔

یہ معقول نوجوان ہے، محنت سے کام کرے گا اور جماعتی معاملات میں مفید ثابت ہوگا، اسے ناظم دفتر مقرر کر لینا چاہیے، یہ ۸ دسمبر ۱۹۴۸ء کی بات ہے، میرے لیے یہ الفاظ نہایت مسرت انگیز تھے۔

اس کے بعد مولانا غزنویؒ کے کہنے سے مولانا عطاء اللہ صاحبؒ مجھے پروفیسر عبدالقیوم کے مکان پر لے گئے اس لیے کہ پروفیسر صاحب جمعیت کے ناظم اعلیٰ تھے اور میرا اصل تعلق انہی سے تھا وہ برانڈرتھ روڈ کی عظیم سٹریٹ میں مسجد مبارک سے ملحقہ مکان میں سکونت پذیر تھے۔

میں نے ۸ دسمبر ۱۹۴۸ء سے مرکزی جمعیت اہل حدیث کے دفتر میں باقاعدہ کام شروع کر دیا تھا، نظامتِ دفتر کا کام میرے لیے کوئی مشکل نہیں تھا اور اگر نیت صاف ہو اور اللہ نے سوچ سمجھ کی توفیق عطا فرمائی ہو تو کسی کام میں بھی وقت پیش نہیں آتی مشکل سے مشکل مراحل بھی نہایت آسانی سے طے ہو جاتے ہیں۔

اکثر علمائے اہل حدیث سے میں پہلے سے متعارف تھا، اس لیے ان سے خط و کتابت کرنے اور کام کی نوعیت سے متعلق رابطہ قائم کرنے میں کوئی حجاب نہ تھا، اگر کوئی اہم مسئلہ سامنے آجاتا تو مولانا داؤد غزنویؒ، مولانا عطاء اللہ صاحبؒ اور پروفیسر عبدالقیوم سے ہر وقت اور ہر معاملے میں بات ہو سکتی تھی اور ہوتی رہتی تھی۔

مولانا عطاء اللہ صاحبؒ دارالعلوم تقویۃ الاسلام میں فرائض تدریس بھی سرانجام دیتے تھے اور ساتھ ہی مرکزی جمعیت اہل حدیث کے نظام کو مضبوط و وسیع کرنے میں بھی پوری دلچسپی لیتے تھے، جہاں تک مجھے یاد پڑتا ہے ان دنوں مندرجہ ذیل حضرات ان سے اکتساب علم کرتے تھے۔

۱۔ محی الدین سلفی: گوندلاں والا میں بھی ان کے حلقۂ درس میں شامل تھے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

۲۔حافظ عبدالرحمٰن گوہڑوی: یہ بھی گوندلاں والا میں ان سے حصولِ علم کرتے رہے تھے۔

۳۔حافظ بشیر احمد بھوجیانی: مولانا عبدالرحمٰن بھوجیانی مرحوم کے صاحب زادے تھے۔

۴۔شبیر احمد بھوجیانی: حافظ بشیر احمد بھوجیانی کے چھوٹے بھائی تھے۔

۵۔خلیل الرحمٰن اثری: تحصیل سمندری کے چک ۴۷۹ گ ب کے رہنے والے تھے اب بھی وہیں ہیں۔

۶۔عبدالعلیم خاں: چونیاں (ضلع قصور) میں کاروبار کرتے تھے۔

۷۔مولانا عبدالرشید نومسلم: رام گڑھ (لاہور) کی جامع مسجد اہل حدیث میں خدمت درس وخطابت انجام دیتے تھے۔

۸۔ابوبکر صدیق: لاہور کے ایک ہائی سکول میں معلم ہیں۔

۹۔خواجہ محمد قاسم: گوجراں والا کے ایک متدین کشمیری خاندان سے تعلق رکھتے ہیں۔

۱۰۔مولانا محمد یونس اثری: آج کل مظفر آباد (آزاد کشمیر) میں مقیم ہیں۔

۱۱۔مولانا عبدالغفور: شاد باغ لاہور کی جامع اہل حدیث کے خطیب ہیں۔

۱۲۔صاحبزادہ محمد ابراہیم: بہت سالوں سے جماعت اسلامی کے دفتر منصورے سے متعلق ہیں۔

۱۳۔عزیز حیدری: موضع حضرو کے رہنے والے تھے جو صوبہ سرحد میں واقع ہے۔ پھر سندھ کے کسی مدرسے سے تعلق ہو گیا تھا۔ اب معلوم نہیں کہاں ہیں۔

۱۴۔یوسف شاہ: ہزارہ (صوبہ سرحد) کے کسی ہائی سکول میں مدرس ہو گئے تھے۔

۱۵۔قاسم شاہ: یوسف شاہ کے بھائی تھے۔ (غالباً ان کا نام قاسم شاہ تھا) یہ بھی صوبہ سرحد کے کسی سکول میں عربی ٹیچر مقرر ہو گئے تھے۔

۱۶۔حفیظ اللہ: رائے ونڈ کے ہائی سکول میں عربی ٹیچر ہیں۔

۱۷۔عبدالحمید: تحصیل چونیاں (ضلع قصور) کے کسی گاؤں میں مدرس ہیں۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

۱۸۔سیف الرحمٰن الفلاح: آج کل ضلع اوکاڑہ کے ایک ہائی سکول میں معلم ہیں۔ ''الاعتصام'' اور جماعت کے بعض رسائل وجرائد میں ان کے مضامین چھپتے رہتے ہیں۔

ان کے علاوہ اور بھی متعدد علما وطلبا نے ان سے اس زمانے میں استفادہ کیا۔

مولانا عطاء اللہ صاحبؒ کے تذکرے کے سلسلے میں یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ تقسیم ملک سے تھوڑا عرصہ بعد حسینی والا اور واہگہ بارڈر کی طرف سے مختلف علوم وفنون کی وہ کتابیں لاہور میں آنا شروع ہوگئی تھیں جو پاکستان آتے وقت مسلمان علماء ومحققین اپنے ساتھ نہیں لا سکے تھے، اگرچہ ان کی تعداد زیادہ نہیں تھی تاہم یہ سلسلہ بھی کسی پیمانے پر شروع ہو گیا تھا، مشرقی پنجاب کے ہنگامۂ قیامت خیز میں بہت سی کتابیں بلوائیوں اور حملہ آوروں نے جلادی تھیں۔بعض پھاڑ دیں اور ضائع کر دی تھیں، جو تھوڑی بہت بچ گئیں اور معقول قسم کے لوگوں کے ہاتھوں میں آ گئیں وہ سرحدی علاقوں سے پاکستان آنے لگی تھیں، بعض کتابوں پر مالکوں کے نام بھی مرقوم تھے، مولانا عطاء اللہ صاحبؒ کو اس کا پتہ چلا تو انھوں نے ان لوگوں کی ٹوہ لگائی جن کی وساطت سے یہ کتابیں لاہور آتی تھیں، جن دکانوں پر آتی تھیں، ان کا بھی انھوں نے پتہ کیا، اس طرح بعض کتابیں انھوں نے اپنی گرہ سے قیمت ادا کر کے خریدیں اور اصل مالکوں کو پہنچائیں جن کا علم نہیں ہو سکا وہ اپنے پاس رکھ لیں۔

انہی دنوں امرتسر سے کچھ کتابیں آئیں جن میں سے ایک کتاب نواب صدیق حسن خان کی مشہور تصنیف ''اتحاف النبلاء'' تھی اس پر کتاب کے مالک کی مہر ثبت تھی۔''ابو اسحاق نیک محمد'' مہر میں ہجری سن بھی تھا جس کا صرف ''۱۳'' ہندسہ پڑھا جاتا تھا اور دوسرا ہندسہ نہیں پڑھا جاتا تھا، چمڑے کی مضبوط جلد تھی۔

یہ کتاب جماعت اہل حدیث کے مشہور عالم دین حضرت مولانا نیک محمد صاحب کی ملکیت تھی جو طویل عرصے تک مدرسہ غزنویہ امرتسر میں پڑھاتے رہے تھے اور بے شمار علما وطلبا نے ان سے کسبِ علم کیا تھا، مولانا عطاء اللہ صاحبؒ نے ایک شخص کے پاس یہ کتاب دیکھی تو اس کی قیمت پوچھی اس نے تین روپے طلب کیے، مولانا نے فوراً ادا کر دیے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اور کتاب لے آئے۔

میں اس وقت مرکزی جمعیت اہل حدیث کا آفس سیکرٹری تھا، مجھے انھوں نے یہ کتاب دکھائی اور سارا واقعہ بیان کیا، فرمایا تم یہ کتاب خرید لو، مولانا نیک محمد پاکستان تشریف لے آئے ہیں، وہ مولانا داؤد غزنوی سے ملاقات کے لیے لاہور تشریف لائیں گے۔ یہ کتاب ان کی خدمت میں پیش کر دی جائے گی، اگر انھوں نے لے لی تو ٹھیک ورنہ تم اپنے پاس رکھ لینا۔

چند روز کے بعد حضرت مولانا نیک محمد لاہور تشریف لائے، مولانا عطاء اللہ صاحبؒ نے ان کو کتاب دکھائی لیکن انھوں نے انہی کو واپس کر دی اور اس طرح یہ کتاب میرے قبضے میں آ گئی۔ اس وقت یہ تو معلوم نہیں تھا کہ آگے چل کر زندگی نے ایسا رُخ اختیار کرنا ہے جو مجھے تحریر و نگارش کی منزل میں لے جائے گا اور یہ کتاب مفید ثابت ہو گی۔

۱۹۶۵ء کو میں ادارہ ثقافتِ اسلامیہ سے وابستہ ہوا اور اس سے کچھ عرصہ بعد ''فقہائے ہند'' کی تصنیف کا سلسلہ شروع کیا تو اس کتاب سے خوب استفادہ کیا یہ حوالے کی کتاب ہے، پہلی صدی ہجری سے تیرھویں صدی ہجری تک میں نے ''فقہائے ہند'' کی دس جلد لکھیں ہر مقام پر اس کتاب سے مستفید ہوا۔

جس زمانے کی بات کر رہا ہوں اس زمانے میں تین روپے کی بڑی اہمیت تھی لیکن کتاب کے مقابلے میں تین روپے کو ہرگز کوئی اہمیت حاصل نہ تھی۔ پھر جس شخصیت کے ہاتھ سے آئی تھی اور جس کی یہ اولین ملکیت تھی اس کا بڑا نام اور بڑا کام تھا، یہ کتاب اب بھی میرے پاس موجود ہے اور میں اسے تبرک سمجھتا ہوں۔

تقریباً انہی دنوں کی بات ہے کہ ہندوستان کے جلیل القدر عالم جو مولانا عطاء اللہ صاحبؒ کے استاد گرامی قدر تھے، حضرت مولانا شرف الدین دہلوی لاہور تشریف لائے۔ انھوں نے اپنی جو کتب فروخت کرنا چاہیں، ان میں مولانا محمد منظور نعمانی کے ماہنامہ ''الفرقان'' کا شاہ ولی اللہ نمبر بھی تھا، اب تو بہت مدت سے ''الفرقان'' لکھنؤ سے شائع ہوتا ہے لیکن اس کا شاہ ولی اللہ نمبر ۱۳۵۹ھ (۱۹۴۱ء) میں اس وقت شائع ہوا تھا جب یہ رسالہ

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نا پس بریسیں سے نکلتا تھا، مولانا عطاء اللہ صاحبؒ نے مجھ سے فرمایا کہ تم یہ نمبر خرید کو چنانچہ میں نے پانچ روپے کا یہ نمبر خریدا جو کم وبیش ساڑھے چار سو صفحات پر محیط ہے اور ہندوستان کے بہت سے نامور اصحابِ علم کے مضامین کا مجموعہ ہے، اپنی تصنیفات کے سلسلے میں اس نمبر کے بعض مضامین سے مجھے بڑا مواد حاصل ہوا۔

جس طرح مشرقی پنجاب میں مسلمان علما وزُعما کے کتب خانوں کو تباہ وبرباد کیا گیا تھا اسی طرح مغربی پاکستان میں غیر مسلموں کے کتب خانوں کو شدید نقصان پہنچایا گیا تھا، گرنتھ صاحب سکھوں کی مشہور مذہبی کتاب ہے اور وہ اس کا انتہائی احترام کرتے اور اُسے مقدس کتاب قرار دیتے ہیں، ایک دن مولانا عطاء اللہ صاحبؒ کو کسی نے بتایا کہ فلاں مسلمان کے پاس گرنتھ صاحب پڑا ہے اور وہ اسے کسی گوردوارے سے ملا ہے، مولانا عطاء اللہ صاحبؒ اس مسلمان کے پاس پہنچے، اور اس سے دس روپے میں گرنتھ صاحب خریدا کچھ عرصہ وہ ان کے پاس پڑا رہا پھر کچھ سکھ لاہور آئے تو ان کو دے دیا، انھوں نے مولانا کا نہایت شکریہ ادا کیا اور اس کے بدلے میں کچھ روپے دینا چاہے لیکن مولانا نے نہیں لیے...... اس طرح کچھ لینا ان کی فطرت کے خلاف تھا۔

اسی زمانے کی بات ہے کہ جماعتی تنظیم کے سلسلے میں میں اور مولانا عطاء اللہ صاحبؒ لائل پور گئے، ظہر کی نماز ہم نے امین پور بازار کی جامع مسجد اہل حدیث میں پڑھی، وہاں مولانا محمد اسحاق چیمہ سے ملاقات ہوئی، جو ان دنوں ٹمبر مارکیٹ میں لکڑی کا کاروبار کرتے تھے، مولانا نے ان سے تعارف کرایا، ہم ایک دوسرے سے غائبانہ طور پر تو پہلے سے متعارف تھے۔ لیکن بالمشافہ ملاقات کا اتفاق آج پہلی مرتبہ ہوا تھا۔ یہ ملاقات بہت مختصر رہی اور خیر وعافیت کے رسمی سے مبادلے کے سوا اس میں ہماری کوئی بات چیت نہیں ہوئی میں بھی چپ چپ سا رہا، انھوں نے بھی خاموشی اختیار کیے رکھی، لیکن آگے چل کر یہ اختصار بہت تفصیل میں بدل گیا اور اُس خاموشی اور چپ کی تہہ سے اتنی باتیں نکلیں کہ ان کو شمار میں نہیں لایا جا سکتا۔

یہاں یہ عرض کر دوں کہ مولانا محمد اسحاق چیمہ کا رویہ مولانا عطاء اللہ صاحبؒ کے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بارے میں ہمیشہ 'محتاط' سا ہی رہا، جس دور میں مولانا عطاء اللہ صاحبؒ اوڈاں والا میں پڑھاتے تھے اس دور میں چیمہ صاحب بھی وہاں خدمت تدریس انجام دیتے تھے، وہیں کسی وجہ سے ان کے دل میں کوئی ایسی بات گھسی جس نے ان کے دل میں مستقل ٹھکانہ بنا لیا وہ کیا بات تھی؟ اس کا مجھے علم نہیں، اس کے متعلق نہ کبھی مولانا عطاء اللہ صاحبؒ سے پوچھا نہ چیمہ صاحب سے.....! نہ ان میں سے کسی نے از خود کبھی کچھ بتایا۔

ہم لائل پور سے (جسے اب فیصل آباد کہا جاتا ہے) واپس آ رہے تھے کہ راستے میں مولانا عطاء اللہ صاحبؒ نے مجھ سے کہا کہ تم ایک کام کرو اور جلدی سے یہ کام کر ڈالو..... کام انھوں نے یہ بتایا کہ میں مختلف کتابوں سے خلفائے راشدین (یعنی حضرت ابوبکر صدیق، حضرت عمر فاروق، حضرت عثمان غنی، حضرت علی رضی اللہ عنہم اجمعین) کے خطوط جمع کر دوں۔

یہ بات میرے دل میں بیٹھ گئی چنانچہ لاہور آتے ہی میں نے یہ کام شروع کر دیا، عشا کے بعد دو کتابیں لے کر بیٹھ گیا، ایک امام ابو یوسفؒ کی کتاب "الخراج" اور دوسری ابو عبید کی کتاب "الاموال" پہلے کتاب الخراج کھولی، اس میں سے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے خطوط جو انھوں نے مختلف اوقات میں مختلف حضرات کے نام تحریر فرمائے ہیں' مع سند اور حوالے کے ایک کاپی پر لکھنا شروع کر دیے، تلاش کے دوران میں حضرت ابوبکرؓ، حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ کے جن خطوط پر نظر پڑی، ان پر نشان لگاتا گیا اور یادداشت کے لیے ایک الگ کاغذ پر یہ لکھتا گیا کہ ان حضرات میں سے کس کا خط کتاب کے کس صفحے پر مرقوم ہے، خیال یہ تھا کہ حضرت عمر فاروقؓ کے خطوط نقل کرنے کے بعد ان حضرات کے خطوط نقل کرنے میں آسانی رہے گی۔ کاغذ دیکھوں گا اور اس کی مدد سے نقل کرتا جاؤں گا، کاغذ پر لکھنے کا کام بھی احتیاطاً کیا تھا، ورنہ اس زمانے میں یہ صورت حال تھی کہ جو بات کہیں دیکھ لی یا پڑھ لی، اللہ کے فضل سے دل میں پیوست ہوگئی۔

کتاب الخراج، کتاب الاموال، فتح الباری، کنز العمال اور بعض دیگر کتابوں سے کم وبیش

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ڈیڑھ سو خطوط میں نے نقل کر لیے زیادہ سے زیادہ اس کام پر میرا ایک ہفتہ صرف ہوا ہوگا۔ اکثر کام رات کو ہوا، دو تین راتیں تو بالکل نہیں سویا عشا کے بعد بیٹھا اور فجر کی اذان کے ساتھ اُٹھا۔

ارادہ یہ تھا کہ عربی کے ساتھ ہی اُردو ترجمہ کر دیا جائے گا اور اس طرح چاروں خلفائے راشدین کے خطوط الگ الگ چار جلدوں میں شائع کر دیے جائیں گے، یہ خطوط مولانا عطاء اللہ صاحب رحمہ اللہ عنہ خود شائع کرنا چاہتے تھے، لیکن ہوا یہ کہ ڈیڑھ سو یا اس سے کچھ زیادہ خطوط جمع کرنے کے بعد کام رُک گیا۔

ایک دن مولانا عطاء اللہ صاحبؒ نے فرمایا: یہ بڑا اہم کام ہے، اسے جاری رکھو..... ساتھ ہی فرمایا کہ جو کام ایک شخص کے ذہن میں آتا ہے وہ بعض دوسرے لوگوں کے ذہن میں بھی گردش کرنے لگتا ہے اور اس کی اہمیت وافادیت کا سلسلہ فضا میں پھیل جاتا ہے اگر تم یہ کام نہیں کرو گے تو کوئی اور کر لے گا۔

یہ سن کر میں نے پھر کام شروع کر دیا اور پچیس تیس خطوط مزید جمع کر لیے، ساتھ ہی ترجمے کا آغاز بھی کر دیا گیا۔

کام جاری تھا کہ ایک دن مولانا ہدایت اللہ ندوی تشریف لائے، وہ غالباً اس وقت جامعہ محمدیہ اوکاڑہ میں خدمت تدریس انجام دیتے تھے میں نے وہ تمام بڑی بڑی کاپیاں جن میں خطوط درج کیے گئے تھے، ان کے حوالے کر دیں اور ان سے درخواست کی کہ وہ حوالوں پر نظر ثانی کر دیں اور کوئی لفظ نقل کرنے سے رہ گیا ہو تو لکھ دیں۔

لیکن اس سے کچھ مدت بعد مولانا عطاء اللہ صاحبؒ نے ایک کتاب دکھائی جو "ندوۃ المصنفین" دہلی کی چھپی ہوئی تھی اور حضرت عمر فاروقؓ کے مکتوبات پر مشتمل تھی بعد ازاں دیگر خلفائے راشدین کے مکتوبات بھی شائع ہو گئے، لیکن اس کے بعد بھی گنجائش تھی اور گنجائش ہے۔

وہ کتابیں مکتوبات کے فقط اُردو تراجم پر مشتمل ہیں میں نے یہ کیا ہے کہ عربی عبارت بھی درج کر دی ہے اور ہر مکتوب کا پس منظر بھی بیان کر دیا ہے لیکن جیسا کہ پہلے عرض کیا گیا وہ تمام مسودہ مولانا ہدایت اللہ ندوی کو دے دیا تھا اور مولانا ہدایت اللہ ندوی اپنے وطن میاں

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

چنوں میں قیام پذیر ہیں۔ پھر یہ واقعہ تقریباً چالیس سال پہلے کا ہے اس طویل عرصے کا مسودہ معلوم نہیں اب ان کے پاس محفوظ بھی ہے یا نہیں ہے۔

یہ واقعہ بیان کرنے کا مقصد صرف یہ ہے کہ مولانا عطاء اللہ صاحبؒ کا ذوقِ علمی اور اسلوبِ فکر عام علما سے بہت مختلف تھا اور یہی ذوق واسلوب وہ اپنے تلامذہ میں پیدا کرنا چاہتے تھے۔

۲۷، ۲۸، ۲۹ مئی ۱۹۴۹ء کو مرکزی جمعیت اہل حدیث مغربی پاکستان کی پہلی کانفرنس منعقد ہوئی، اس کانفرنس کا انعقاد لاہور میں شیش محل روڈ پر ہوا تھا، مولانا محمد ابراہیم میر سیالکوٹی اس کے صدر اور مولانا محمد حنیف ندوی صدر مجلس استقبالیہ تھے، مولانا عطاء اللہ صاحبؒ نے اس کانفرنس کے انتظامات میں بہت حصہ لیا۔

انہی دنوں حکومت پاکستان کی طرف سے مختلف سرکاری محکموں کے ملازمین کے نام ایک گشتی مراسلہ جاری کیا گیا تھا کہ وہ کسی سیاسی یا نیم سیاسی جماعت کے عہدے دار نہیں ہو سکتے، مرکزی جمعیت اہل حدیث اگرچہ معروف معنوں میں سیاسی یا نیم سیاسی جماعت نہ تھی لیکن اس کے صدر مولانا داؤد غزنویؒ تھے جو پنجاب اسمبلی میں حزب اختلاف سے تعلق رکھتے تھے، نیز جمعیت کی بعض قرار دادیں سیاسی نوعیت کی تھیں جو اخبارات میں شائع ہوئی تھیں، پروفیسر عبدالقیوم گورنمنٹ کالج میں پڑھاتے تھے اور سرکاری ملازم تھے، اس مجبوری کی بنا پر انھوں نے مرکزی جمعیت کی نظامتِ علیا سے استعفیٰ دے دیا تھا یہ اسی زمانے کی بات ہے جس زمانے میں کانفرنس ہو رہی تھی۔

پروفیسر صاحب کے استعفا کے بعد مرکزی جمعیت کی مجلس شوریٰ کے فیصلے کے مطابق مولانا محمد اسماعیل صاحب کو ناظم اعلیٰ منتخب کیا گیا لیکن ان کو حکومت پنجاب نے اس زمانے میں گوجراں والا میں نظر بند کر رکھا تھا اور انھیں شہر کی حدود سے باہر نکلنے کی اجازت نہ تھی کچھ عرصہ تو حکومت کے حکم سے ان کا خطبہ جمعہ بھی موقوف رہا، اسی وجہ سے وہ لاہور کانفرنس میں بھی شرکت نہیں فرما سکے تھے، یہ سلسلہ تین مہینے جاری رہا تھا اس اثنا

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

میں مجلس شوریٰ کی درخواست پر مولانا عطاء اللہ صاحبؒ جب مرکزی جمعیت اہل حدیث کے ناظم اعلیٰ کے طور پر کام کرتے رہے۔

یہاں یہ یاد رہے کہ مجلس شوریٰ کے جس اجلاس میں مولانا اسماعیل صاحب کو ناظم اعلیٰ منتخب کیا گیا تھا اس میں وہ (اپنے شہر میں نظر بند ہونے کی وجہ سے) موجود نہیں تھے، ان کا انتخاب ان کی غیر حاضری میں ہوا تھا۔

۱۹۔اگست ۱۹۴۹ء کو ہفت روزہ ''الاعتصام'' جاری ہوا۔ اصل میں ہفت روزہ اخبار یا ماہانہ رسالہ جاری کرنے کا مولانا عطاء اللہ صاحب کو بہت عرصے سے خیال (بلکہ شوق) تھا۔اس شوق کی تکمیل کے لیے انھوں نے قیام پاکستان کے بعد گوندلاں والا کے زمانۂ قیام میں گوجراں والا کے ڈی سی کو درخواست دی، کئی مہینے کے بعد درخواست کی منظوری کی اطلاع انھیں پہنچی تو ڈی سی صاحب کی عدالت میں گئے، متعلقہ اہل کار نے پوچھا اخبار کس پریس میں چھپے گا؟ ان کے ذہن میں کسی پریس کا نام نہیں تھا، تھوڑا سا غور کیا تو لاہور کے حجازی پریس کا نام ذہن میں آیا جو (موجودہ اُردو بازار اور اس زمانے کے موہن لال روڈ کے باہر) سرکلر روڈ پر تھا، بہت مدت سے یہ پریس ختم ہو چکا ہے اور اس کی جگہ کتب فروشوں کی دکانوں نے لے لی ہے۔

اخبار کے آخری صفحے پر پرنٹ لائن کے الفاظ یہ تھے۔

''مولوی عطاء اللہ پرنٹر پبلشر نے حجازی پریس لاہور سے چھپوا کر گوجراں والا سے شائع کیا۔''

اخبار کے ڈیکلریشن کے حصول کا مرحلہ تو آسانی سے طے ہو گیا، اب اس کے اجراء کا مسئلہ درپیش تھا جو بہت مشکل تھا، اس کے لیے اچھے خاصے سرمائے کی ضرورت تھی جو افراتفری کے اس زمانے میں مولانا کے لیے حاصل کرنا آسان نہ تھا، مولانا اسماعیل صاحب سے بات ہوئی تو انھوں نے گوجراں والا کی انجمن اہل حدیث کی طرف سے اخبار جاری کرنے کا فیصلہ کیا اور اس کے ایڈیٹر مولانا محمد حنیف ندوی کو مقرر کیا گیا۔ اب صورت حال یہ تھی کہ اخبار کے پرنٹر پبلشر مولانا عطاء اللہؒ تھے، سرمایہ گوجراں والا کی انجمن اہل حدیث کا تھا

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اور اخبار ترجمانی مرکزی جمعیت اہل حدیث کی کرتا تھا۔

اخبار کے اجراء سے تھوڑا عرصہ بعد مجھے بھی معاون ایڈیٹر کی حیثیت سے گوجرانوالے بھیج دیا گیا۔ مولانا اسماعیل صاحب مرکزی جمعیت کے ناظم اعلیٰ تھے اور میں ناظم دفتر کی حیثیت سے خدمات انجام دیتا تھا، اس لیے مرکزی جمعیت کا دفتر بھی گوجرانوالے چلا گیا۔ لیکن دو تین مہینے کے بعد مرکزی جمعیت کا دفتر پھر لاہور آ گیا۔ ڈھائی تین سال کے بعد اخبار ''الاعتصام'' بھی گوجرانوالے سے لاہور آ گیا تھا۔

اخبار الاعتصام نے مرکزی جمعیت اور مسلک اہل حدیث کی جس انداز سے ترجمانی کی وہ سب کو معلوم ہے میں سولہ سال ''الاعتصام'' سے وابستہ رہا تین سال معاون ایڈیٹر کی حیثیت سے اور تیرہ سال ایڈیٹر کی حیثیت سے۔

۱۹۵۳ء تک مولانا عطاء اللہ صاحبؒ دارالعلوم تقویۃ الاسلام کی مسند شیخ الحدیث پر متمکن رہے، حدیث، رجال حدیث، اقسام حدیث، شروح حدیث غرض تمام علوم حدیث پر ان کی گہری نظر تھی، اس لیے مولانا داؤد غزنویؒ نے ۱۹۵۳ء میں ان کو ابو داؤد کا حاشیہ لکھنے کی ذمے داری سپرد کر دی اور فرمایا کہ اس کام کے لیے وہ جس کو جی چاہے اپنا معاون مقرر فرمالیں چنانچہ مولوی ابوبکر صدیق کو انھوں نے اپنا معاون بنا لیا۔ یہ سلسلہ میرے خیال میں سال ڈیڑھ سال ہی چل سکا تھا پھر بند ہو گیا تھا کیوں بند ہو گیا تھا؟ اس کا پتہ نہیں۔

اسی اثناء میں انھوں نے شیش محل روڈ پر اپنا ایک اشاعتی ادارہ قائم کیا جس کا نام ''المکتبۃ السلفیۃ'' رکھا گیا۔ اخبار کے اجرا کی طرح اشاعتی ادارہ قائم کرنے کی بھی انھیں ایک مدت سے تمنا تھی۔ کتابوں کی اشاعت کے بارے میں ان کا خاص ذوق تھا اور جو کتابیں اور جس اسلوب کی کتابیں وہ شائع کرنے کے متمنی تھے وہ بھی خاص نوعیت اور نہج کی تھیں جو انھوں نے مکتبہ سلفیہ کی طرف سے شائع کیں اور اہل علم کے مطالعہ میں آئیں۔

عربی اور فارسی کتابوں کے تراجم کے سلسلے میں بھی ان کا ایک معیار اور انداز تھا۔ ۱۹۵۴ء میں مصر کے ممتاز محقق ابوزہرہ کی ایک تصنیف ''حیات امام احمد بن حنبلؒ'' ان کو

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

دستیاب ہوئی وہ اس کا اُردو ترجمہ کرانا اور چھاپنا چاہتے تھے۔ سید رئیس احمد جعفری اس عہد میں نئے نئے کراچی سے لاہور آئے تھے، اور ادارہ ثقافت اسلامیہ سے منسلک تھے۔ میں اس وقت ''الاعتصام'' کا ایڈیٹر تھا اور رئیس صاحب سے میرے مراسم تھے ایک دن مولانا عطاء اللہ صاحبؒ نے فرمایا کہ مجھے رئیس صاحب سے ملا دو میں ان سے حیات احمد بن حنبلؒ کا ترجمہ کرانا چاہتا ہوں..... میں نے کہا میں آپ کو ان کے گھر لے چلوں گا آپ ان سے بات کر لیجیے گا۔ لیکن ایک دن میں نے خود ہی رئیس صاحب سے بات کر لی، ان سے مولانا عطاء اللہ صاحبؒ کا غائبانہ تعارف کرایا اور کہا کہ وہ آپ کے گھر آ کر آپ سے حیات احمد بن حنبلؒ کے ترجمے کے بارے میں بات کرنا چاہتے ہیں۔ حق خدمت آپ کی مرضی کے مطابق ادا کیا جائے گا۔

رئیس صاحب بڑے پیارے آدمی تھے اور اہل علم کے قدردان تھے، مجھے وہ عام طور پر ''میری جان'' کہا کرتے تھے بولے میری جان! مولانا عطاء اللہ صاحبؒ کی خدمت میں میں خود حاضر ہوں گا اور جو کام وہ فرمائیں گے اسے انجام دے کر مجھے خوشی ہوگی۔ رہا پیسوں کا معاملہ تو لوگوں سے بہت لیتے ہیں ان سے نہ لیں گے تو کیا فرق پڑتا ہے۔

ایک دن رات کو آٹھ بجے کے بعد میں مولانا حنیف ندوی اور رئیس صاحب انارکلی میں لوہاری دروازے کی طرف سے دہلی مسلم ہوٹل کی طرف جا رہے تھے کہ گنپت روڈ کے نکڑ پر مولانا عطاء اللہ صاحبؒ سے ملاقات ہوگئی جو لوہاری دروازے کی جانب تشریف لے جا رہے تھے۔ سردیوں کا موسم تھا مولانا نے لمبا کوٹ اور اس کے اوپر کمبل اوڑھ رکھا تھا، مولانا حنیف ندوی نے رئیس صاحب سے ان کا تعارف کراتے ہوئے فرمایا ''اس کمبل میں علم لپٹا ہوا ہے۔''

رئیس صاحب ان کی سادگی سے بہت متاثر ہوئے اور انھوں نے حیات احمد بن حنبلؒ کا ترجمہ کیا۔ حق خدمت لیا یا نہیں لیا یا کیا لیا اس کا مجھے علم نہیں مجھے مولانا نے صرف یہ بتایا کہ اصل عربی کتاب سے انھوں نے ترجمے کا مقابلہ کیا ہے بہت اچھا اور صحیح ترجمہ ہے۔

مولانا عطاء اللہ صاحبؒ کسی کتب فروش سے کتاب خریدتے تو قیمت میں رعایت کے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

طالب نہیں ہوتے تھے، جو اُس نے مانگا دے دیا۔ اگر کوئی شخص ان کی موجودگی میں کسی کتب فروش سے کتاب خریدنا چاہتا اور اس کے پاس کتاب کی قیمت سے کم پیسے ہوتے تو وہ اس کو جانتے ہوں یا نہ جانتے ہوں اسے پیسے دے دیتے۔

ایک دن میں مکتبہ سلفیہ میں بیٹھا تھا مولانا بھی تشریف فرما تھے ان کے صاحب زادے حافظ احمد شاکر بھی موجود تھے۔ اور خریداروں کو کتابیں دے رہے تھے، ایک صاحب نے ایک کتاب خریدی لیکن اس کے پاس پانچ روپے کم تھے، یہ اُس زمانے کی بات ہے جب پانچ روپے کو اچھی خاصی رقم کی حیثیت حاصل تھی۔ حافظ احمد شاکر نے ان صاحب سے دکان دار کے لہجے میں بات کی مولانا عطاء اللہ صاحبؒ فوراً ادھر متوجہ ہوئے اور جیب سے پانچ روپے نکال کر بیٹے سے کہا:

احمد! یہ لو پانچ روپے ان کو کتاب دے دو۔

جس طرح وہ کتاب خریدنے میں دلیر تھے اسی طرح دوسرے کو مطالعے کے لیے کتاب دینے میں بھی دلیر تھے، جس نے جو کتاب مانگی نہایت فراخ حوصلگی سے اپنے کتب خانے سے نکال کر دے دی۔ مولانا داؤد غزنویؒ نے ایک رجسٹر بنا رکھا تھا جو شخص جو کتاب ان سے لیتا تھا اس کا نام، کتاب کا نام اور تاریخ وغیرہ اس رجسٹر میں لکھ لیتے تھے اس طرح کتاب کی وصولی میں آسانی رہتی تھی، لیکن مولانا عطاء اللہ صاحب نے کوئی رجسٹر وغیرہ نہیں بنایا تھا ان کا معاملہ حساب دوستاں دل والا تھا، اس فراخ حوصلگی میں ان کی کئی کتابیں ضائع ہوگئیں۔ بعض کتابیں جو کئی کئی جلدوں پر مشتمل ہیں ناقص ہوگئیں۔ ایک جلد کسی نے لی بعد میں واپس نہیں کی، مولانا بھی بھول گئے اور سیٹ ناقص ہوگیا۔

خود ان کی یہ عادت تھی اور شاید طبقہ علما میں بھی وہ واحد شخص تھے جن کی یہ عادت تھی کہ جس سے جو کتاب لیتے تھے، نہایت احتیاط سے واپس کر دیتے تھے۔

ان کا کتب خانہ ہزاروں کتابوں پر مشتمل تھا اور جس ترتیب سے اُنھوں نے کتابیں رکھی تھیں، وہ ان کی اپنی ترتیب تھی اس کا انداز باقاعدہ لائبریری سائنس کے مطابق نہ تھا

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

لیکن انھیں خوب معلوم تھا کہ کون سی کتاب کہاں ہے جس نے جو کتاب مانگی فوراً الماری سے نکال دی۔ اگر بیمار ہوتے یا کسی وجہ سے نہ اُٹھتے تو کتاب مانگنے والے سے کہتے وہ دیکھو اس الماری کے فلاں خانے سے دائیں یا بائیں جانب سے اتنے نمبر پر پڑی ہے نکال لو۔

اگر کوئی صاحب ان سے کوئی بات پوچھنا یا سمجھنا چاہتے تو اگرچہ کسی تکلیف میں مبتلا ہوتے انھیں سمجھانے کی کوشش کرتے۔ سید سبط الحسن ضیغم پنجاب کے رجال کے بارے میں خاص طور پر دلچسپی رکھتے ہیں۔..... ایک دن وہ کسی بزرگ کے متعلق کچھ معلومات حاصل کرنے کے لیے میرے پاس ادارہ ثقافت اسلامیہ میں تشریف لائے میں نے کچھ باتیں ان کو بتائیں پھر عرض کیا کہ وہ مولانا عطاء اللہ صاحبؒ کی خدمت میں جائیں اور اُن سے پوچھیں۔ وہ مولانا سے متعارف نہیں تھے، مولانا بھی انھیں نہیں جانتے تھے اور پھر وہ بیمار بھی تھے۔ اس کے باوجود مولانا نے ان کے سوالات کے جواب دیے۔

وہ مولانا کے معلومات، ان کے مشفقانہ انداز اور اُن کی سادگی سے بہت متاثر ہوئے اور ان کے کتب خانے کا تو ان پر بڑا ''رعب'' پڑا۔

کچھ دنوں کے بعد میں مولانا کی خدمت میں حاضر ہوا تو فرمایا: سبط الحسن ضیغم صاحب جن کو تم نے بھیجا تھا آئے تھے میں بیمار تھا لیکن جو کچھ انھوں نے پوچھا میں نے اپنے علم کے مطابق بتا دیا۔ پھر مسکراتے ہوئے فرمایا: انھوں نے میرا بڑا ''سر کھایا''۔ یہاں یہ یاد رہے کہ سید سبط الحسن ضیغم عمل، عقیدہ، مسلک اور ظواہر کے اعتبار سے مولانا سے بالکل مختلف ہیں لیکن مولانا نے نہایت خندہ پیشانی سے ان کے سوالات کے جواب دیے، جس کی وجہ سے وہ مولانا سے بہت اثر پذیر ہوئے۔

چلتے چلتے ضیغم صاحب کے عمل وعقیدہ اور مسلک کی طرف اشارہ کرتا جاؤں وہ میرے بے تکلف دوست ہیں اور میرے دفتر یا گھر ان کی آمد ورفت کا سلسلہ جاری رہتا ہے ایک مرتبہ وہ آٹھ محرم کو دفتر تشریف لائے، نو محرم کو مجھے کہیں جانا تھا میں نے ان سے عرض کیا: پرسوں چھٹی کا دن ہے، گھر پر تشریف لائیے دونوں بھائی بیٹھیں گے اور باتیں کریں گے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بولے: پرسوں میں نہیں آ سکتا۔

پوچھا: کیوں نہیں آ سکتے؟

کہا: پرسوں دس محرم ہے۔

میں نے بے تکلفی سے ہنستے ہوئے کہا: آپ تو خدا کو بھی نہیں مانتے، دس چھوڑ، سو محرم ہو۔ آپ کو کیا۔

نہایت نرم لہجے میں جواب دیا: آخر مذہب تو ہے نا۔

سچی بات ہے مجھ پر اس کا بہت اثر ہوا اور میں نے یہ بات کئی دوستوں کو بتائی، آج آپ حضرات کو بھی بتا دی۔

مولانا عطاء اللہ صاحبؒ کے اوصافِ گوناگوں میں سے ایک وصف یہ تھا کہ ان کا دروازہ ہر شخص کے لیے ہر وقت کھلا تھا کسی نے کوئی مسئلہ پوچھنا ہو کسی کتاب کے بارے میں بات کرنی ہو، قرآن مجید کے کسی مقام کو سمجھنا ہو، یا حدیث کا درس لینا ہو اس کے لیے کسی وقت کی کوئی رکاوٹ نہ تھی، جب جی چاہے آئے اور جو پوچھنا چاہتا ہو بلا تکلف پوچھے۔

۱۹۵۵ء کے اپریل کی ابتدائی تاریخوں میں جمعیت اہل حدیث کی تیسری کانفرنس مولانا اسماعیل غزنوی کی صدارت میں لائل پور (فیصل آباد) میں منعقد ہوئی تھی۔ اس کانفرنس میں جماعت کے مرکزی دارالعلوم کا قیام عمل میں لایا گیا تھا جس کا نام مولانا محمد حنیف ندوی کی تجویز کے مطابق ''جامعہ سلفیہ'' رکھا گیا تھا اور فیصلہ کیا گیا تھا کہ جامعہ سلفیہ کی نگران براہِ راست جمعیت اہل حدیث ہو گی اور اس میں منتہی طلبا یا مختلف مدارس کے فارغ التحصیل علما کو داخل کیا جائے گا۔ لائل پور میں جامعہ سلفیہ کی عمارت چونکہ مکمل نہیں ہو سکی تھی اس لیے ابتدا میں تعلیم کا انتظام دارالعلوم تقویۃ الاسلام کی بلڈنگ میں لاہور میں کیا گیا تھا اور تدریس کے فرائض مندرجہ ذیل حضرات کے سپرد کیے گئے تھے۔

۱۔ مولانا سید داؤد غزنویؒ

۲۔ مولانا محمد اسماعیل سلفیؒ

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

۳۔ مولانا محمد حنیف ندویؒ

۴۔ مولانا محی الدین احمد قصوریؒ

۵۔ مولانا عطاء اللہ حنیفؒ

یہ سلسلہ کافی عرصے تک جاری رہا۔ مولانا عطاء اللہ صاحبؒ کے ذمہ صحیح بخاری شریف کی تدریس تھی اور اُس وقت جو حضرات اُن سے تعلیم حاصل کرتے تھے، اُن میں سے جن حضرات کے اسمائے گرامی فوری طور پر ذہن میں آ رہے ہیں وہ مندرجہ ذیل ہیں۔

☆ قاضی محمد اسلم سیفؒ ناظم دارالعلوم تعلیم الاسلام ماموں کانجن وایڈیٹر ماہنامہ ''تعلیم الاسلام''

☆ پروفیسر غلام نبی عارف

☆ مولانا شرف الحق احمد پور شرقیہ

☆ مولانا عبداللہ سعید مرحوم چک نمبر ۴ جی ڈی غلام رسول والا۔

☆ حافظ عزیز الرحمٰن لکھوی مرحوم

☆ ڈاکٹر مجیب الرحمٰن (راجشاہی یونیورسٹی) حال امریکہ۔

☆ مولانا قدرت اللہ فوق مرحوم

☆ مولانا حافظ عبدالرشید گوہڑوی سابق مدرس دارالعلوم تقویۃ الاسلام لاہور۔

☆ مولانا عبدالرشید نومسلم خطیب و مدرس جامع مسجد اہل حدیث رام گڑھ لاہور۔

ان حضرات کے علاوہ بھی متعدد حضرات اس دور میں ان سے کسب علم کرتے رہے، اس وقت ان کی تفصیل ذہن میں نہیں ہے۔

اس سے کچھ عرصے بعد جس شخصیت نے ان سے ابتدائی کتابوں سے انتہائی کتابوں تک باقاعدہ حصول علم کیا وہ مولانا فضل الرحمٰن صاحب ہیں جو فضل الرحمٰن بن محمد کہلاتے ہیں۔ یہ کاروباری آدمی ہیں اللہ نے ان کو توفیق دی، سنن ابوداؤد، صحیح مسلم اور صحیح بخاری مولانا سے سبقاً سبقاً ان کے گھر آ کر پڑھیں، پھر ان کی موجودگی میں ان کی جگہ مسجد مبارک میں خطبات جمعہ کا سلسلہ شروع کیا جو سالہا سال سے باقاعدگی سے جاری ہے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

چند کتابیں بھی تصنیف کیں۔

مسجد مبارک کا نام آیا تو اس کے متعلق بھی مختصر الفاظ میں کچھ عرض کرتے چلیں۔

ترتیب کے لحاظ سے لاہور میں مسلک اہل حدیث کے حاملین کی پہلی مسجد چینیانوالی ہے جس میں مولانا عبدالواحد غزنویؒ اور پھر مولانا داؤد غزنوی فرائض خطابت انجام دیتے رہے۔ دوسری مسجد لسوڑیاں والی ہے جس کی خطابت وامامت کی ذمہ داریاں حضرت مولانا محمد حسین بٹالوی کے سپرد ہیں، تیسری مسجد مبارک ہے جو ۱۹۲۰ء میں تعمیر ہوئی۔ ۱۹۳۰ء تا ۱۹۴۸ء تک اس کے خطیب مولانا محمد حنیف ندویؒ تھے جس کی تفصیل میں اپنی کتاب ''ارمغان حنیف'' میں بیان کر چکا ہوں۔ جو ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور نے شائع کی ہے۔ ان کے بعد اپنی وفات (جنوری ۱۹۵۶ء) تک مولانا محمد علی قصوری (ایم اے کینٹب) اس منصب پر فائز رہے۔ بعدازاں یہ اعزاز علامہ حسین کاشمیری کے حصے میں آیا کچھ عرصہ مولانا محمد رمضان بھی خطبہ دیتے رہے۔ مولانا عطاء اللہ حنیفؒ نے بھی کئی سال مسجد مبارک میں خطباتِ جمعہ کا سلسلہ جاری رکھا، پھر انھوں نے خود ہی یہ منصب اپنے شاگرد مولانا فضل الرحمٰن کے سپرد کر دیا تھا اور وہی یہ فریضہ انجام دے رہے ہیں۔ انھیں جماعت اہل حدیث کے کسی گروپ یا دھڑے سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

دارالعلوم تقویۃ الاسلام (لاہور) کی تدریس کے ابتدائی دور میں جن حضرات نے مولانا عطاء اللہ صاحبؒ سے استفادہ کیا۔ ان میں سے اکثر کے نام گزشتہ صفحات میں لکھ چکا ہوں، بعض دوستوں کے حلیے اور سراپے تو ذہن میں محفوظ ہیں مگر ان کے نام یاد نہیں رہے، اس کی بڑی وجہ یہ ہے کہ میرا ان میں سے کسی صاحب سے پڑھنے پڑھانے یا ہم جماعتی کا تعلق نہیں تھا۔ میں جمعیت اہل حدیث کے دفتر یا الاعتصام سے تعلق رکھتا تھا اور ان کا کام دارالعلوم میں حصول علم تھا لیکن چونکہ ہم ایک ہی بلڈنگ میں رہتے تھے، اس لیے ہمارے باہم اچھے مراسم تھے، اور ان مراسم کی بنا پر ان میں سے بعض کے نام ذہن میں محفوظ ہو گئے، تاہم بعض نام امتدادِ زمانہ سے سطح ذہن سے اتر گئے ان میں سے کسی صاحب سے کہیں

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ملاقات کا موقع میسر آ جائے تو بہت اچھی طرح پیش آتے ہیں اور پھر چالیس بیالیس سال قبل کی یادیں تازہ کی جاتی ہیں، لیکن بعض کے نام ذہن میں نہیں ہوتے، ایسی صورت میں بڑی ندامت کا احساس ہوتا ہے۔ ان سے نام پوچھنا اور یہ کہنا بھی مشکل ہوتا ہے کہ مجھے آپ کا نام یاد نہیں رہا، البتہ بعض حضرات خود ہی اپنا نام پتہ بتا کر یہ مشکل حل کر دیتے ہیں۔

مولانا عطاء اللہ صاحبؒ قرآن مجید کے حافظ نہیں تھے لیکن قرآن سے انھیں بہت شغف تھا اور اس پر استحضار کا یہ عالم تھا کہ کسی آیت کے بارے میں پوچھا جاتا کہ کہاں ہے تو فوراً بتا دیتے کہ فلاں سورت میں ہے۔ اس سلسلے میں انھیں قرآن مجید کا انڈکس دیکھنے کی ضرورت نہیں پڑتی تھی۔ اور پرانے بزرگ عام طور سے انڈکسوں سے کوئی تعلق بھی نہیں رکھتے تھے، وہ خود ہی انڈکس تھے۔

مولانا موصوف نے کسی زمانے میں قرآن مجید کے آخری سات سپارے زبانی یاد کیے تھے وہ انھیں نمازوں میں یا کسی دوسری شکل میں پڑھتے رہتے تھے، سفر میں وہ اصح المطابع دہلی کی چھپی ہوئی حمائل شریف اپنے پاس رکھتے تھے۔

اسی طرح کسی حدیث کے متعلق ان سے سوال کیا جاتا تو بلا تأمل فرما دیتے کہ فلاں کتاب کے فلاں باب میں ہے اور اس قسم کی ہے یعنی صحیح، حسن، غریب وغیرہ

خودستائی پر محمول نہ کیا جائے تو عرض کروں کہ اس فقیر کو بھی چھوٹی عمر ہی سے قرآن مجید کے ساتھ لگاؤ ہے، اس کی بنیادی وجہ میرے دادا مرحوم تھے، جنھوں نے مجھے قرآن مجید پڑھایا، وہ تاکید کیا کرتے تھے کہ فجر کی نماز کے بعد قرآن مجید کی روزانہ بالالتزام تلاوت کی جائے، اس باب میں وہ بڑے سخت تھے، اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ بچپن ہی میں مجھے روزانہ قرآن مجید پڑھنے کی عادت پڑ گئی۔ اگر کسی دن کوئی ایسی مجبوری پیش آ جائے کہ نہ پڑھ سکوں تو دل میں یہ خیال رہتا ہے کہ معلوم نہیں آج دن کس طرح گزرے گا پھر صبح کی بجائے کسی دوسرے وقت میں پڑھنے کی کوشش کرتا ہوں۔ مولانا عطاء اللہ صاحبؒ کی وجہ سے اس عادت میں مزید پختگی پیدا ہو گئی میں دورانِ درس طالب علمی کے زمانے میں ان کے حضور حدیث کی

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کسی کتاب کی عبارت پڑھتا تو خوش ہو کر فرمایا کرتے تھے کہ جس کا جس قدر قرآن مجید پختہ ہوگا اُسی قدر وہ صحت اور روانی سے حدیث کی عبارت پڑھے گا۔

بلاشبہ میں بے عمل ہوں اور زندگی لاابالیانہ انداز میں گزری ہے، اب بھی جب کہ قافلۂ حیات ''عمرِ نبوت'' کی منزل سے آگے نکل گیا ہے، وہی طرزِ لاابالیانہ رکھتا ہوں، مولانا کو اس کا خوب علم تھا، وہ کبھی کبھی مسکراتے ہوئے فرمایا کرتے تھے کہ معلوم ہوتا ہے بزرگوں کی دعائیں تمھارے حق میں قبول ہوگئی ہیں، جن کی برکت سے تم کچھ کام کر رہے ہو پھر تمھارے اپنے بعض معمولات کو بھی بارگاہِ الٰہی میں شرفِ قبول حاصل ہوگیا ہے ورنہ تمھارا معاملہ عجیب قسم کا ہے۔

یہ اس گنہگار کی ایک ذاتی سی بات تھی جو مولانا سے متعلق گفتگو کرتے ہوئے معرضِ بیان میں آ گئی اور وہ بھی اس لیے کہ اس میں میرے عصیان وتمرد کا ثبوت مضمر ہے۔

بات مولانا عطاء اللہ صاحبؒ کی ہو رہی تھی جیسا کہ ابھی عرض کیا گیا، وہ سفر میں حمائل شریف اپنے پاس رکھتے تھے، علاوہ ازیں کسی موضوع کی ایک دو کتابیں بھی سفر میں ان کے ساتھ رہتی تھیں، ریل کا لمبا سفر ہوتا تو اوپر کے برتھ پر چلے جاتے اور عام طور سے لیٹ جاتے تھے، زیادہ دیر بیٹھنا ان کے لیے مشکل ہوتا تھا۔ قرآن مجید بیٹھ کر پڑھتے تھے اور کتاب کا مطالعہ کرتے وقت کسی وقت لیٹ جاتے اور کسی وقت بیٹھ جاتے تھے۔

میں ۱۹۶۷ء کو لاہور کی ایک آبادی ساندہ میں آیا، اس سے قبل کچھ عرصہ اندرون بھاٹی دروازے کے ایک محلے میں اور کچھ عرصہ لوہاری دروازے کی ایک آبادی میں رہا، بھاٹی اور لوہاری دروازے میں سکونت کے زمانے میں ہمارا یہ معمول رہا کہ تمام افراد خانہ رمضان شریف میں نماز تراویح شیش محل روڈ پر دارالعلوم تقویۃ الاسلام میں پڑھتے تھے لیکن ساندے میں بڑی دقت پیش آئی۔ اس علاقے میں مسجد اہل حدیث اس وقت بھی نہیں تھی، اب بھی نہیں ہے، دیوبندی حضرات کی بھی اس نواح میں کوئی مسجد نہیں ہے، اہل حدیث کے چند گھر اس علاقے میں ضرور ہیں، لیکن وہ ایک جگہ نہیں ہیں، ایک دوسرے سے کافی دور ہیں۔ رمضان میں نمازِ تراویح میں قرآن شریف کسی حافظ یا قاری سے نہ سنا جائے تو بات

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نہیں بنتی۔ ہم نے اس کا یہ علاج کیا کہ گھر ہی میں تراویح کا انتظام کر لیا۔ مولانا عطاء اللہ صاحبؒ نے ایک حافظ قرآن کی ڈیوٹی لگا دی، وہ تشریف لاتے اور ڈیڑھ دو گھنٹے تک قرآن مجید سننے سنانے کا بابرکت سلسلہ جاری رہتا، مولانا خود بھی رمضان میں تین چار دفعہ تشریف لاتے اور ہمارے ساتھ تراویح پڑھتے گھر میں تراویح پڑھنے کا نتیجہ یہ ہوا کہ کئی اہل حدیث اور دیوبندی حضرات اس میں شرکت کرنے لگے۔

بیس اکیس رمضان کو مولانا پوچھ لیتے کہ قرآن مجید رمضان کی کس تاریخ کو ختم ہوگا، ختم قرآن کے موقعے پر وہ ضرور تشریف لاتے افطاری غریب خانے پر ہوتی چند اور دوستوں کو بھی بلا لیا جاتا، تراویح پڑھنے والے حضرات بھی موجود ہوتے خود مولانا بھی اپنے بعض رفقا کو لے آتے پھر عشا کے بعد قرآن مجید ختم کر کے گھر جاتے۔

چند مصلّے مولانا کے بڑے پوتے اور حافظ احمد شاکر کے فرزندِ ارجمند عزیزی حافظ حماد نے بھی سنائے میں انھیں امام صاحب کہا کرتا ہوں۔

مولانا کی وفات کے بعد ان کے صاحبزادہ گرامی قدر حافظ احمد شاکر یہ خدمت انجام دے رہے ہیں، رمضان سے چند روز پیشتر ازراہِ کرم وہ اطلاع دے دیتے ہیں کہ حافظ یا قاری کے لیے پریشان ہونے کی ضرورت نہیں، انتظام ہو جائے گا حافظ صاحب ہمارے برخوردار مرشد اور برخوردار پیر ہیں۔

مولانا سردی بہت محسوس کرتے تھے۔ بسا اوقات شدید گرم موسم میں بھی انھیں سردی کا احساس ہوتا تھا۔ ایک مرتبہ اگست کے مہینے میں تقریباً دو بجے دوپہر کو وہ مولوی محی الدین سلفی مرحوم کے ساتھ غریب خانے پر تشریف لائے، کھانے کے لیے پوچھا گیا تو فرمایا چائے اور ڈبل روٹی لے آؤ۔ آدھ پون گھنٹے تک اِدھر اُدھر کی باتیں ہوتی رہیں، لطائف کا سلسلہ بھی جاری رہا۔ پھر میں نے عرض کیا لیموں کی سکنجبین پیش کی جائے؟ فرمایا ضرور پئیں گے۔ مولوی محی الدین سلفی مرحوم بہت دلچسپ دوست تھے اور کھانے پینے میں کھلے دل کے مالک تھے، بولے، پوچھتے کیا ہو جو جی چاہے لاؤ، ہم کھانے پینے کے لیے تو یہاں آئے ہیں۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کچھ دیر کے بعد عرض کیا، ایک دوست چین گئے تھے وہ چینی چائے کے دو ڈبے تحفۃ دے گئے ہیں کیا آپ وہ چائے پینا پسند فرمائیں گے؟

بولے: ایک ایک پیالی پی لیں گے۔

چینی چائے پی کر بڑے خوش ہوئے، فرمایا یہی وہ چائے ہے جس کا ذکر مولانا ابوالکلام نے غبارِ خاطر میں کیا ہے؟

عرض کیا: وہی چائے ہے۔

فرمایا: میرے لیے ایک پیالی اور لاؤ۔

تھوڑی دیر بعد کہا سردی لگ رہی ہے کمبل لاؤ کمبل لایا گیا تو بولے سردی زیادہ محسوس ہو رہی ہے، رضائی لاؤ۔ کمبل اور رضائی کا مطالبہ اگست کے مہینے میں ہو رہا تھا، اس نے گھر میں کچھ ہنسی مذاق کی سی شکل اختیار کر لی، لیکن ان کی طبیعت کی نزاکت کا سب کو علم تھا، اس لیے وہی کیا گیا جو انھوں نے فرمایا۔

سردی کا احساس کم ہوا تو میں نے پوچھا پشاوری قہوہ پینے کو جی چاہتا ہے؟

مسکراتے ہوئے فرمایا: لے آؤ وہ بھی پی لیں گے۔

جانے لگے تو کمبل اوڑھ کر باہر نکلے اور اسی حالت میں اپنے گھر گئے۔

طبی اصطلاح میں ان کا مزاج بلغمی صفراوی تھا۔

قیامِ پاکستان کے بعد اس ملک میں اسلامی نظام کے نفاذ کا خوب ڈھنڈورا پیٹا گیا اور مسلسل پیٹا جا رہا ہے گزشتہ چودہ پندرہ سال سے تو یہ سلسلہ انتہا کو پہنچا ہوا ہے لیکن نہ کہیں صحیح اسلام نظر آ رہا ہے اور نہ اس کا نظام اور نفاذ کہیں دکھائی دیتا ہے۔ اسلام کے نظام اور نفاذ کے بارے میں چند سال پیشتر ملک کے اربابِ اختیار نے کمال حکمت عملی سے علماے کرام کو جو فریضہ سرانجام دینے کی طرف متوجہ فرمایا وہ یہ تھا کہ اپنے آپ کو اس کام کے لیے وقف کر دو۔ چنانچہ مسلک اہل حدیث سے تعلق رکھنے والے حضرات پورے زور شور سے اس قسم کے مضامین لکھنے اور تقریریں کرنے لگے کہ اس ملک میں کتاب وسنت کا نظام لایا جائے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

احناف بالخصوص بریلوی حضرات کی طرف سے فقہ کے نفاذ پر زور دیا گیا اور فتاوی عالمگیری کے مطابق آئین تیار کرنے کا مطالبہ کیا گیا۔..... پھر یہ ہوا کہ بہت سے اہل حدیث مضمون نویسوں اور مقرروں نے یہ مشغلہ اختیار فرمایا لیا کہ فقہ پر سخت الفاظ میں تنقید کرنے لگے اور خاص طور سے فتاویٰ عالمگیری کے بعض مقامات کی وہ عبارتیں نقل کرنا شروع کر دیں جو ان کے نزدیک قابلِ اعتراض تھیں۔

مجھے یقین ہے فتاویٰ عالمگیری کے ان موافقین اور مخالفین میں سے اکثر کو معلوم نہیں کہ یہ کس زبان میں ہے اور کتنی جلدوں میں ہے اور ایک شخص کی تصنیف ہے یا ایک سے زائد علمائے کرام کی بلکہ یہ بھی معلوم نہیں کہ اس کا اصل نام کیا ہے ایک اہل حدیث عالم سے جو خیر سے ایک مدرسے کے مہتمم بھی ہیں، میں نے پوچھا فتاویٰ عالمگیری کس زبان میں ہے؟

میں نے ایسے لہجے میں ان سے یہ سوال کیا تھا جس سے وہ سمجھیں کہ میں واقعی نہیں جانتا کہ یہ کتاب کس زبان میں ہے اور ان سے اس سلسلے میں استفادہ کرنا چاہتا ہوں۔

ارشاد فرمایا: فارسی زبان میں۔

اس کے بعد میں خاموش ہو گیا اور ان سے کوئی بات نہیں کی، اس جواب باصواب کے بعد بات کرنے کی ضرورت بھی نہیں تھی۔

مولانا عطاء اللہ صاحبؒ کو ایک دن یہ واقعہ سنایا تو ہنسے اور فرمایا: اہل حدیث کے مدارس میں پہلے فقہ حنفی کی بعض کتابیں باقاعدہ پڑھائی جاتی تھیں، اب وہ بات نہیں رہی فقہ کی جس انداز سے ہمارے ہاں مخالفت ہو رہی ہے اس سے مجھے خطرہ ہے کہ ہمارے طلبا آئندہ اس علم سے بالکل محروم ہو جائیں گے۔ نہ یہ فقہ حنفی سے واقف ہوں گے نہ فقہ شافعی، مالکی اور حنبلی کا انھیں کوئی علم ہو گا۔

اہل حدیث علما وطلبا کو کون بتائے کہ فتاوی عالمگیری کا اُردو ترجمہ مشہور اہل حدیث عالم ومصنف مولانا سید امیر علی ملیح آبادی نے کیا تھا جو حضرت میاں نذیر حسین کے شاگرد تھے اور دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ میں شیخ الحدیث کی حیثیت سے خدمات سرانجام دیتے رہے تھے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

یہ ترجمہ ان سے منشی نول کشور نے کرایا تھا اور انہی نے پہلی مرتبہ شائع کیا تھا، اس پر فاضل مترجم نے طویل مقدمہ سپردِ قلم فرمایا ہے جو تقریباً تین سو صفحات پر مشتمل ہے۔

ناقدین علم فقہ سے ہم نہایت ادب سے عرض کریں گے کہ فقہ کی مشہور کتاب ''ہدایہ'' کا (جو ہمارے زمانہ طالب علمی میں اہل حدیث مدارس میں پڑھائی جاتی تھی اور ہم نے پڑھی ہے۔) اُردو ترجمہ بھی پہلی مرتبہ سید امیر علی ملیح آبادی نے کیا تھا اگرچہ چند سال پہلے ہدایہ کا ایک اور ترجمہ بھی ہو گیا ہے، مگر فتاویٰ عالمگیری کے ترجمے کی طرح متداول ترجمہ وہی ہے جو مولانا ملیح آبادی نے کیا ہے۔ کیا مولانا امیر علی ملیح آبادی آج کل کے برخوردار ناقدین فقہ سے بھی کتاب وسنت اور علومِ حدیث کا کم علم رکھتے تھے؟

گردشِ لیل ونہار سے الاعتصام جب دوبارہ ان کے پاس آ گیا تو اس کے لیے ایک مشاورتی کمیٹی بنائی جس میں مولانا حنیف ندویؒ کو اور اس فقیر کو بھی شامل کیا گیا تھا۔ مولوی محی الدین سلفی مرحوم اس کے سیکرٹری تھے۔ اس وقت یہ ادارہ کرائے کے مکان میں تھا اور یہ مکان شیش محل روڈ پر مکتبہ سلفیہ کے سامنے تھا بعد کو اس کے لیے الگ بلڈنگ تعمیر کی گئی۔ اس بلڈنگ میں مولانا نے اپنا کتب خانہ (وقف کر کے) منتقل کر دیا تھا، ایک دن میں ان کو سلام عرض کرنے گیا تو دارالدعوۃ السلفیۃ میں لے گئے اور فرمایا: تم یہ بتاؤ کہ تمھارے خیال میں کتب خانے میں کس موضوع کی کتابیں کم ہیں، میں نے سرسری طور پر ادھر اُدھر سے کتابیں دیکھیں اور عرض کیا میرے نزدیک فقہ حنفیہ اور فقہ شیعہ سے متعلق کتابیں کم ہیں۔ فرمایا: میں بھی یہ کمی محسوس کر رہا ہوں ان شاء اللہ! اس موضوع کی کتابیں خریدی جائیں گی۔ چند روز کے بعد بتایا کہ شیعہ فقہ کی کچھ کتابیں تو خرید لی گئی ہیں اور فقہ حنیفہ سے متعلق کی پوری کرنے کی کوشش جاری ہے، اس کے بعد کیا ہوا اس کا مجھے علم نہیں۔

ایک دن دفتر مجھے ٹیلی فون کیا کہ آج کسی وقت ضرور آؤ چند ضروری باتیں کرنی ہیں۔ میں حاضر ہوا تو ارشاد فرمایا دو باتیں کرنا چاہتا ہوں۔

ایک یہ کہ لائبریری کا انتظام اپنے ہاتھ میں لے لو، دوسری یہ کہ الاعتصام کی ادارت

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سنبھال لو، تمھیں وہی سہولتیں حاصل ہوں گی جو ادارہ ثقافت اسلامیہ میں حاصل ہیں۔ مزید فرمایا کہ ''الاعتصام'' کو بے شک ماہانہ رسالہ بنا دو اور اس میں خالص تحقیقی مقالات شائع کرو۔ اس سلسلے میں میرا مطالبہ صرف یہ ہوگا کہ عقائد سلف کے خلاف کوئی بات نہ چھپے۔

میں نے عرض کیا ۱۹۴۹ء سے ۱۹۶۵ء سولہ سال تک ''الاعتصام'' کی ادارتی ذمے داریاں میرے سپرد رہیں اور اس اثنا میں اپنی محدود علمی استطاعت کے مطابق میں نے دیانت داری سے جماعت اہل حدیث اور مسلک اہل حدیث کی خدمت کی۔ ۱۹۶۵ء سے میں ادارہ ثقافت اسلامیہ سے منسلک ہوں اور وہاں تصنیفی خدمات سرانجام دے رہا ہوں، ادارے کے ترجمان ماہنامہ ''المعارف'' کے ادارتی فرائض بھی میرے ذمہ ہیں، میں بحمد اللہ وہاں مطمئن ہوں، مجھے وہیں رہنے دیجیے۔

میں نے یہ بھی عرض کیا کہ بعض دیگر تصنیفات کے علاوہ پہلی صدی ہجری سے تیرھویں صدی ہجری تک ''فقہائے ہند'' کے نام سے میری دس جلدیں چھپ چکی ہیں، یہ کام ان شاء اللہ! ایک خاص اسلوب سے آگے بھی بڑھے گا۔

فرمایا: چودھویں صدی ہجری کے علماء وفقہاء کے حالات ہمارے لیے تحریر کر دو لیکن اس میں فقط اہل حدیث علماء وفقہا کے حالات بیان ہونے چاہییں۔

''المعارف'' کے مضامین ومشمولات کا ذکر ہوا تو مسکراتے ہوئے فرمایا: اب یہ رسالہ تم نے مسلمان بنا دیا ہے۔

دارالدعوۃ السلفیہ سے وابستگی کے لیے انھوں نے اس فقیر سے کئی مرتبہ کہا۔ میرے بعض دوستوں سے بھی کہا کہ وہ مجھے اس کے لیے آمادہ کریں، میری بیوی سے بھی کہا کہ میں وہ ذمے داریاں قبول کرلوں، جو وہ میرے سپرد کرنا چاہتے ہیں، لیکن افسوس ہے، میں بعض وجوہ کی بنا پر تعمیل ارشاد نہ کر سکا۔

ایک دن بعض بزرگوں کے خطوط کا تذکرہ ہوا تو فرمایا میرے پاس حضرت مولانا شمس الحق ڈیانوی کا ایک مکتوب گرامی محفوظ ہے۔ جو انھوں نے اپنے ہم عصر ایک عالم دین

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کے نام ارسال فرمایا تھا۔(اس عالمِ دین کا اسم گرامی بھی انھوں نے بتایا تھا، لیکن افسوس ہے اب میرے ذہن میں نہیں رہا) یہ مکتوب دکھانے کے لیے انھوں نے اپنے پرانے کاغذات دیکھے جو ٹین کی ایک چھوٹی سی پرانی صندوقچی میں رکھے تھے، لیکن وہ مکتوب انھیں نہیں ملا، سخت افسوس ہوا کہ وہ مکتوب جو انھوں نے اپنی دانست میں بڑی حفاظت سے رکھا تھا معلوم نہیں کس طرح اُس میں سے غائب ہو گیا۔

ان کو کتابیں خریدنے کا جو بے پناہ شوق تھا، اس کا تذکرہ گزشتہ سطور میں ایک سے زائد دفعہ ہو چکا ہے، اس ضمن کا ایک واقعہ اور سنتے جایئے جس سال وہ حج بیت اللہ کے لیے گئے ہیں اس سال میری ایک عزیزہ بھی حج پر گئی تھیں، انھوں نے بتایا کہ جب بھی اُن سے ملاقات ہوئی انھیں دس پانچ کتابیں اُٹھائے ہوئے دیکھا اس طرح ان کے کمرے میں کتنی ہی کتابیں جمع ہو گئی تھیں۔

وہ کہتی ہیں جس دن مولانا کو مکہ مکرمہ سے واپس آنا تھا، اُس سے ایک دن پہلے ان سے ملاقات ہوئی تو میں نے کہا، آپ نے اتنی کتابیں تو لے لی ہیں، گھر کی خواتین اور بچوں کے لیے کچھ کپڑے بھی خرید لیجیے وہ خوش ہو جائیں گے ان کے جذبات کا بھی آپ کو خیال رکھنا چاہیے۔

میری بات سن کر کہا تم دو پٹوں کے لیے ململ خرید لاؤ۔ اس کے لیے انھوں نے سو ریال دیے..... وہ ململ لینے کے لیے بازار گئیں تو کہیں سے نہ ملی، سو ریال ان کو واپس کر دیے وہ بازار گئے اور سو ریال کی مزید کتابیں خرید لائے..... دوسرے دن وطن روانہ ہو گئے تو دکانوں پر ململ کے ڈھیر لگے ہوئے تھے۔

اس سلسلے کا ایک واقعہ اور..... جو انھوں نے خود ہی سنایا اور بڑے دلچسپ انداز میں بتایا۔

۱۹۵۶ء یا ۱۹۵۷ء میں وہ ہندوستان گئے، سردیوں کا موسم تھا، سات آٹھ دن کے بعد رات کو تقریباً نو بجے مجھے کسی نے بتایا کہ مولانا ہندوستان سے واپس آ گئے ہیں اور گھر پر ہیں میں اسی وقت گیا اور خیر و عافیت پوچھی کتابوں کی دو بوریاں بھری پڑی تھیں۔ عرض کیا کون کون سی کتابیں لائے، فرمایا: یہ پڑی ہیں دیکھ لو۔ پھر ایک بوری سے تین چار کتابیں نکالیں

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اور کہا یہ تمھارے لیے لایا ہوں۔

میں نے پوچھا: راستے میں کتابوں کے متعلق کہیں کوئی رکاوٹ تو نہیں پیش آئی۔

فرمایا: رکاوٹ کی سن لو، اٹاری پہنچے تو ہندوستان کے اہل کاروں نے لوگوں کا سامان چیک کیا، میرا سامان صرف یہ کتابیں تھیں جو دو بوریوں میں تھیں۔ سامان چیک کرنے والے افسر سکھ تھے۔

ایک افسر نے پنجابی میں پوچھا، یہ بوریوں میں کیا ہے؟

جواب دیا: کتابیں۔

کہا: ایک بوری کھولو۔

بوری کھولی اور اس نے دیکھی تو کہا دوسری کھولو۔

اب اس نے میری طرف دیکھا پھر کتابیں دیکھیں۔ پھر سر سے پاؤں تک مجھے دیکھا پھر کتابوں پر نگاہ ڈالی میں اس کے انداز سے سمجھ گیا تھا کہ میرا لباس اور ظاہری حالت چونکہ کتابوں سے ہم آہنگ نہیں ہے۔ اس لیے یہ تعجب میں مبتلا ہے کہ اس قسم کے آدمی کو کتابوں سے کیا تعلق ہوسکتا ہے۔

پھر اس نے پوچھا: ان کتابوں کا کیا کرو گے؟

بتایا: پڑھوں گا۔

کہا: پڑھنا جانتے ہو؟

جواب دیا: تھوڑا بہت جانتا ہوں۔

وہ سکھ افسر اُردو جانتا تھا، اس نے بوری سے ایک کتاب نکالی اور کہا اس کی چند سطریں کہیں سے پڑھ کر سناؤ۔

دو چار سطریں سنائی گئیں تو اس کے ساتھی سکھ افسر نے کہا پڑھ لیتا ہے جانے دو۔

پڑھے لکھے اور باذوق لوگوں کو مطالعے کے لیے کتابیں دینے کے بارے میں ان کی فراخ حوصلگی اور وسعت قلب کا ذکر پہلے بھی بعض مقامات پر آچکا ہے اس ضمن کا ایک واقعہ اور سنیے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

میرے ایک بہت اچھے دوست جعفر قاسمی صاحب تھے جنھوں نے ۱۰۔اکتوبر ۱۹۹۱ء کو دل کی حرکت بند ہو جانے سے فیصل آباد میں اچانک وفات پائی۔ وہ چنیوٹ ضلع جھنگ کے رہنے والے تھے، اُردو، عربی، فارسی اور انگریزی میں انھیں دسترس حاصل تھی، سالہا سال انگلستان میں رہے، طویل عرصے تک بی بی سی لندن میں کام کیا۔ ان کا مطالعہ بہت وسیع تھا اور مختلف معاملات سے متعلق بڑی معلومات کے حامل تھے، اہل علم سے بڑی عقیدت رکھتے تھے، مسلک کے اعتبار سے اہل حدیث نہیں تھے، خوش عقیدہ قسم کے حنفی تھے۔

میرے پاس وہ اکثر تشریف لاتے تھے، دفتر بھی اور گھر پر بھی ایک دن انھوں نے مجھ سے کہا کہ لاہور میں کسی ایسے عالم دین سے مجھے ملاؤ جن کے کتب خانے میں مختلف موضوعات کی کتابیں ہوں اور وہ کتابیں مطالعے کے لیے دے بھی سکیں۔ اگر کوئی بات ان سے سمجھنے کی ضرورت پڑے تو گھبرائیں نہیں کھلے دل سے سمجھائیں۔

میں نے کہا آپ مولانا عطاء اللہ صاحبؒ سے ملیں وہ وہابی ہیں اور میرے استادِ مکرم ہیں وہ آپ کو مطالعے کے لیے کتابیں بھی دیں گے چائے بھی پلائیں گے کھانے کا وقت ہوا تو کھانا بھی کھلائیں گے، اگر آپ ان کے پاس رات رہنا چاہیں گے تو چارپائی اور بستر بھی ملے گا اور اگر کرائے کی ضرورت پڑی تو کرایہ بھی دیا جائے گا۔

وہ مسکرائے اور کہا اتنے کھلے دل کا مولوی کوئی نہیں ہوسکتا۔

میں نے کہا آپ ملیں گے تو پتہ چلے گا۔

کہا اُن کے نام مجھے تعارفی خط دے دو تاکہ میں اُن سے مل سکوں۔

میں نے کہا خط کی ضرورت نہیں، عالم کا تعارف اس کا علم ہے آپ انھیں اپنا نام بتائیے اور اُن سے مطلب کی بات کیجیے۔ ان شاء اللہ! آپ مطمئن واپس لوٹیں گے۔

چنانچہ یہی ہوا وہ گئے مولانا سے ملے، اپنے مطلب کی کتابیں اُن سے لائے اور پھر یہ سلسلہ مستقل طور پر شروع ہوگیا، مولانا کی وہ بڑی تعریف کیا کرتے تھے۔

میں ایک دن مولانا کی خدمت میں گیا تو انھوں نے جعفر قاسمی کا ذکر کیا اور فرمایا کہ انھوں

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نے تمھارا نام لیا تھا اور کافی دیر ان کے یہاں بیٹھے مختلف موضوعات سے متعلق باتیں کرتے رہے۔

حدیث کی کتابوں میں بہت سی دعائیں بیان کی گئیں ہیں جو رسول اللہ ﷺ مختلف اوقات ومواقع پر پڑھا کرتے تھے۔ مثلاً فجر، مغرب اور دوسری نمازوں کے بعد کی دعائیں، بازار میں داخل ہونے، سواری پر سوار ہونے، بیت الخلا میں جانے اور آئینہ دیکھنے، کسی معذور اور بیمار کو دیکھنے کے وقت کی دعائیں، سفر پر روانہ ہونے، سفر سے واپس آنے، مسجد میں داخل ہونے اور مسجد سے باہر نکلنے اور نئے کپڑے پہننے وقت کی دعائیں، دنیوی باتیں کرنے اور کھانے پینے کے بعد کی دعائیں اس قسم کی بہت سی دعائیں جو آنحضرت ﷺ سے منقول ومروی ہیں اور جنھیں ادعیہ ماثورہ کہا جاتا ہے، مولانا عطاء اللہ صاحبؒ کو سب یاد تھیں اور انھیں وہ بالالتزام پڑھا کرتے تھے۔

نماز باجماعت اگر کسی وجہ سے رہ جاتی تو وہ کسی دوسرے نمازی کو (جسے نماز پڑھنا ہوتی) ساتھ ملا کر جماعت کرا لیتے اور اس طرح دوسری جماعت کرا کے نماز باجماعت کا ثواب حاصل کرتے۔

ایک مرتبہ اخباروں میں یہ خبر چھپی کہ ایک مسافر بس ملتان سے لاہور آرہی تھی، بس پتوکی سے تین چار میل آگے آئی تو ڈاکوؤں نے روک لی اور مسافروں کو لوٹ لیا، اس وقت رات کے نو یا دس بجے تھے، اس واقعہ سے تین چار دن بعد میں مولانا عطاء اللہ صاحبؒ کی خدمت میں حاضر ہوا تو وہ مکتبہ سلفیہ میں بیٹھے تھے جو ان کے مکان کے بالکل قریب ہے، کچھ اور لوگ بھی وہاں موجود تھے، حاضرین میں سے کسی نے ملک میں پھیلی ہوئی بدامنی اور رہزنی کا ذکر چھیڑ دیا، اور دورانِ گفتگو میں اس بس کا ذکر بھی کیا جو تین چار روز پہلے لوٹی گئی تھی۔

مولانا عطاء اللہ صاحبؒ نے فرمایا وہ بھی اس بس میں سوار تھے۔ ڈاکوؤں نے بس روکی اور ایک ایک آدمی کو نیچے اتار کر اس کی تلاشی لینا اور لوٹنا شروع کیا، مولانا بس کے درمیان میں بیٹھے تھے، انھوں نے یہ صورت حال دیکھی تو پڑھنا شروع کر دیا۔ "اللھم اکفنا شرھم بما شئت"

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

آٹھ دس آدمیوں کو ڈاکوؤں نے نیچے اتارا اور لوٹا، پھر کہا اب جاؤ، مولانا بالکل محفوظ رہے ان کو نہیں اتارا۔

میں نے مولانا عطاء اللہ صاحبؒ کے چار اساتذہ کرام کو دیکھا ہے ان کا وہ انتہائی احترام کرتے تھے اور ان کے حضور نہایت ادب سے دوزانو ہو کر بیٹھتے تھے، ان کے اسمائے گرامی بہ ترتیب وفات ذیل میں درج کیے جاتے ہیں۔

۱۔ حضرت مولانا عطاء اللہ صاحب لکھوی: ۲۶ نومبر ۱۹۵۲ء (۲ ربیع الاول ۱۳۷۲ھ) کو اوکاڑہ میں وفات پائی۔

۲۔ مولانا شرف الدین دہلوی: ۲۱ جولائی ۱۹۶۱ء (۷ صفر ۱۳۸۱ھ) کو کراچی میں وفات پائی۔

۳۔ مولانا عبدالجبار کھنڈیلوی: ۴ اگست ۱۹۶۲ء (۲ ربیع الاول ۱۳۸۲) کو اوکاڑہ میں انتقال ہوا۔

۴۔ مولانا حافظ محمد گوندلوی: ۴ مئی ۱۹۸۵ء (۱۴ رمضان المبارک ۱۴۰۵ھ) کو گوجراں والا میں رحلت فرمائی۔

یہ وہ عالی مرتبت حضرات تھے جن میں سے حضرت حافظ محمد گوندلوی سے اس عاجز کو بھی شرف شاگردی حاصل ہے۔ باقی تینوں اس فقیر کے انتہائی مشفق تھے۔ رحمة الله عليهم

۱۹۸۰ء کے لگ بھگ کی بات ہے کہ ریڈیو پاکستان (لاہور) نے ایک نئے پروگرام کا آغاز کیا جس کا عنوان تھا ''زندہ تابندہ'' یہ پانچ منٹ کا پروگرام تھا جو روزانہ شام کو ساڑھے پانچ بجے نشر ہوتا تھا۔ اس میں فوت شدہ معروف علمی شخصیتوں کے ضروری حالات بیان کیے جاتے تھے۔ ریڈیو کے اصحابِ اختیار نے مجھے کہا کہ میں ہر مہینے پندرہ شخصیتوں کے حالات بیان کیا کروں، پہلے تو میں نے اپنی تصنیفی مصروفیتوں کی بنا پر معذرت کر دی، لیکن ان کا اصرار بڑھا تو میں نے کہا کہ ریڈیو پر احناف کے دیوبندی اور بریلوی حضرات کے حالات عام طور سے نشر ہوتے رہتے ہیں، اہل حدیث اکابر علما کے متعلق یہاں بالکل خاموشی چھائی ہوئی ہے، میں اس پروگرام میں اہل حدیث اہل علم اور اصحابِ فکر کا تعارف بھی کراؤں گا۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

انھوں نے کہا ہمیں کسی مسلک فقہی کے علما سے ہرگز کوئی کد نہیں ہے اگر کوئی اہل حدیث بزرگ اس پروگرام کے معیار پر پورے اُترتے ہیں تو ان کا تذکرہ ضرور ہونا چاہیے۔

مختلف اوقات میں میں نے پینتالیس حضرات کے مختصر حالات بیان کیے۔ سامعین کرام میں سے دو حضرات نے مجھے بتایا کہ انھوں نے یہ پروگرام سنا تھا ایک میاں محمود علی قصوری (بار ایٹ لا) نے اور ایک مولانا عطاء اللہ صاحبؒ نے۔ ان دونوں کے متعلق میرے خواب وخیال میں بھی نہ تھا کہ یہ پروگرام سن سکیں گے۔ اس لیے کہ مولانا عطاء اللہ صاحبؒ قطعاً ریڈیو نہیں سنتے تھے۔ ریڈیو سننا شاید ان کے نزدیک جائز بھی نہیں ہوگا۔ میاں محمود علی قصوری اس قدر مصروف رہتے تھے کہ ریڈیو سننے کا وقت ہی نہیں ملتا تھا۔

میاں صاحب نے ٹیلی فون پر مجھے بتایا کہ پروگرام ''زندہ تابندہ'' میں انھوں نے اپنے والد محترم مولانا عبدالقادر قصوری اور اپنے دو محترم بھائیوں مولانا محی الدین احمد قصوری اور مولانا محمد علی قصوری ایم اے کینٹب کے مختصر حالات سنے تھے۔ انھوں نے ازراہِ کرم میرا شکریہ ادا کیا اور کہا کہ میں ان کے حالات تفصیل سے لکھ دوں وہ اسے کتابی شکل میں شائع کریں گے۔

مولانا عطاء اللہ صاحبؒ نے بتایا کہ وہ اتفاقاً شیش محل روڈ کے ایک چائے خانے میں چائے پی رہے تھے کہ ریڈیو سے آواز آئی مولانا شرف الدین دہلوی کے حالات سنیے۔ ان کے حالات بیان ہوئے تو آخر میں بتایا گیا کل مولانا عبدالجبار کھنڈیلوی کا تذکرہ کیا جائے گا۔ اس طرح انھوں نے اپنے دونوں محترم اساتذہ کے حالات بھی سنے اور بعض دیگر حضرات کا تذکرہ بھی سماعت فرمایا۔

اس پر انھوں نے مسرت کا اظہار فرمایا اور اس بندۂ عاجز کے متعلق جو الفاظ استعمال کیے وہ میرے لیے خوشی کا باعث تھے۔

علاج معالجے کے سلسلے میں مولانا عطاء اللہ صاحبؒ یونانی علاج کو ترجیح دیتے تھے، دوسرے نمبر پر ہومیوپیتھی طریقِ علاج آتا تھا، ایلوپیتھی کو وہ زیادہ پسند نہیں فرماتے تھے۔ شروع ہی سے ہم دیکھتے تھے کہ ان کی جیب میں ایک چھوٹی سی ڈائری ہوتی تھی، جس میں وہ

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ضروری باتیں نوٹ کر لیتے تھے، بعض طبی نسخے بھی اس میں درج ہوتے تھے۔

تصویر کشی کو وہ ناجائز بلکہ حرام سمجھتے تھے، کرنسی نوٹوں پر بانی پاکستان محمد علی جناح کی تصویر چھپنے لگی تو انھیں سخت ذہنی کوفت ہوئی اور اُسے خلافِ شرع قرار دیا۔ اسی طرح شناختی کارڈ اور پاسپورٹ کی تصویر ان کے نزدیک صحیح نہ تھی، حج بیت اللہ کے کاغذات پر تصویر کو جو ضروری ٹھہرایا گیا ہے اس کے وہ شدید مخالف تھے۔

سرکاری قسم کی میٹنگوں اور مجلسوں میں حاضری سے وہ بہت گھبراتے تھے، بعض ایسی سرکاری کمیٹیوں کی رکنیت جس میں شرعی معاملات زیر بحث آتے ہوں وہ قبول تو کر لیتے تھے لیکن دل میں کچھ تکدر سا بہرحال رہتا تھا۔

محکمہ اوقاف کی کمیٹیوں میں شرکت کرنے سے قطعی انکار کر دیتے تھے۔ اوقاف کے بارے میں ان کا نقطۂ نظر یہ تھا کہ اس کی آمدنی میں مزاروں کی آمدنی شامل ہوتی ہے اور اس کی کمیٹیوں میں شریک ہونے والوں کے لیے کھانے پینے کا انتظام بھی اسی سے کیا جاتا ہے اور آمدورفت کا کرایہ بھی اسی سے دیا جاتا ہے، یہ نذر و نیاز اور غیر اللہ کے نام کی آمدنی ہے جس کا استعمال وہ جائز نہیں سمجھتے تھے۔

ایک مرتبہ انھیں محکمہ اوقاف کے زیر انتظام چلنے والے مدارس کی نصاب کمیٹی کا رکن مقرر کیا گیا، مگر انھوں نے محض اس بنا پر اس کی رکنیت قبول کرنے سے انکار کر دیا کہ کمیٹی کے ارکان کو آمدورفت وغیرہ کا جو کرایہ دیا جائے گا اس کے ذرائع حصول میں ''شرک کی آمیزش'' پائی جاتی ہے۔

بعض دیوبندی حضرات کو اس کا علم ہوا تو انھوں نے کہا کہ آپ اس کی رکنیت قبول نہیں کریں گے تو آپ کی جگہ دوسرے فقہی مسلک کے لوگ آ جائیں گے، مگر وہ نہیں مانے..... چند دیوبندی علمائے کرام نے مجھے بھی کہا کہ میں ان کو نصاب کمیٹی کی رکنیت قبول کرنے پر آمادہ کروں۔ میں حاضر ہوا اور میں نے کہا کہ آپ نہ وہاں سے کھانا کھائیں اور نہ کرایہ وغیرہ وصول کریں، بلکہ کچھ نہ لینے کی نئی روایت قائم کریں، مگر اس علمی مجلس میں

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

شرکت ضرور فرمائیں۔ وہ نہیں مانے، فرمایا لوگ یہی سمجھیں گے کہ میں بھی وہ تمام سہولتیں حاصل کرتا ہوں جو دوسرے ارکان حاصل کرتے ہیں، میں اپنے آپ کو دوسروں کی نظروں میں مشکوک نہیں ٹھہرانا چاہتا۔

ایک مرتبہ ضیاء الحق نے مجلس شوریٰ قائم کی جس کے تمام ارکان ان کے اپنے نامزد کردہ تھے، ان ارکان میں مولانا عطاء اللہ صاحبؒ بھی شامل تھے، معلوم نہیں وہ اس کھکھیڑ میں کیوں پڑے تھے جب کہ یہ سارا سلسلہ ان کے مزاج کے منافی تھا، اس زمانے میں ایک مرتبہ اخبار ''مشرق'' میں ان کی تصویر شائع ہوئی جو نہایت واضح تھی۔ اجلاس میں شامل ہونے کے لیے وہ اندر جا رہے تھے کہ کیمرے کی گرفت میں آ گئے، اس وقت وہ تہبند باندھے اور جرابیں پہنے ہوئے تھے، جرابوں میں تہبند کے درمیان پنڈلیوں کا جتنا حصہ برہنہ تھا وہ تصویر میں نمایاں نظر آ رہا تھا۔

یہ ان کی بے خبری کی تصویر تھی جس کا انھیں پتہ نہیں چل سکا تھا، اخبار میں چھپی ہوئی یہ تصویر ان کو کسی نے دکھائی تو بڑے افسردہ ہوئے، اس کے بعد انھوں نے مجلس شوریٰ کی دو ایک میٹنگوں میں ہی شرکت فرمائی ہوگی کہ یہ سلسلہ ختم کر دیا۔

ہر شخص کسی نہ کسی پر کبھی خفگی کا اظہار کرتا ہے اور کبھی پیار کا کبھی اس کا رویہ نرمی کا ہوتا ہے اور کبھی سختی کا، اس صفت کو ہم جلال اور جمال سے بھی تعبیر کر سکتے ہیں اور علمائے کرام کی اس روش کو بالعموم انہی دو لفظوں سے بیان کیا جاتا ہے، اگر وہ غصے میں ہوں تو کہا جاتا ہے ''جلال میں ہیں'' محبت اور پیار کا اظہار فرمائیں تو کہا جاتا ہے ''جمال میں ہیں۔''

خفگی اور پیار یا نرمی اور سختی یا جلال اور جمال کے اوصاف ہر انسان کی طرح مولانا عطاء اللہ صاحبؒ میں بھی پائے جاتے تھے اور اس کا اظہار بھی ہوتا تھا، بعض اوقات ایسا ہوتا کہ اس کے اظہار کے لیے کوئی اور شخص نہ ملتا تو نگاہِ انتخاب اس فقیر پر پڑ جاتی۔

۱۹۸۲ء کے ماہِ جون کی بات ہے کہ میرے ایک بزرگ دوست قاضی عبید اللہ فیصل آباد سے لاہور آئے اور رات غریب خانے پر رہے۔ اس دن میں دفتر نہیں گیا، انہی

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سے باتیں کرتا رہا، دس بجے کے قریب انھوں نے مولانا عطاء اللہ صاحبؒ سے ملنے کی خواہش ظاہر کی، ہم شیش محل روڈ پر پہنچے۔ مولانا مکتبہ سلفیہ میں تشریف فرما تھے، ہمیں دیکھ کر نہایت خوش ہوئے، پہلے پانی پلایا۔ پھر اصرار کر کے چائے پلائی اور ادھر اُدھر کی بہت سی باتیں کی، مجھ سے فرمایا تم نے بہت اچھا کام کیا کہ قاضی عبیداللہ کو یہاں لے آئے۔ اور اُن سے ملاقات ہوگئی ان کے صاحب زادے حافظ احمد شاکر بھی وہیں تھے، اور تین چار اور لوگ بھی تھے، جنھیں میں نہیں جانتا تھا وہ مکتبے میں اپنے مطلب کی کتابیں دیکھ رہے تھے، لباس اور وضع قطع سے دیوبندی اصحابِ علم معلوم ہوتے تھے۔

ان دنوں ''المعارف'' میں ایک مرحوم عالم دین کے متعلق میں نے ایک مضمون لکھا تھا جن کی وفات پر ایک مہینہ گزرا تھا۔ مضمون کی یہ پہلی قسط تھی، دوسری قسط ''المعارف'' کی آئندہ اشاعت میں چھپ رہی تھی۔ اس مرحوم عالم دین سے مولانا عطاء اللہ صاحبؒ کے بھی قیام فیروز پور کے زمانے سے مراسم تھے، فیروز پور میں وہ مولانا کے اصرار پر ان کے مہمان بھی رہ چکے تھے۔

دورانِ گفتگو میں اس مضمون کا ذکر ہوا تو فرمایا میں نے مضمون پڑھا ہے، بہت دلچسپ مضمون ہے، تم نے ان کی شخصیت اور عادات واطوار کی اچھی طرح وضاحت کر دی ہے دوسری قسط دیکھیں گے کیسی ہے۔

وہ بہت اچھے موڈ میں تھے اور خوش گوار اسلوب میں باتیں ہو رہی تھیں میں نے عرض کیا جن علمائے کرام سے میرا بہت تھوڑا تعلق رہا ہے۔ ان شاء اللہ! ان سب کے بارے میں اسی انداز واسلوب میں لکھوں گا۔ فرمایا لکھنا چاہیے، حافظ احمد شاکر نے کہا ضرور لکھیے اور اپنی یادداشتوں کی روشنی میں تفصیل سے لکھیے۔

اس کے بعد دو منٹ تو مولانا خاموش رہے پھر ایک دم جلال میں آ گئے اور غصے سے آواز بلند فرمایا:

سوائے میرے..... جس پر جو جی چاہے لکھو، لیکن میرے متعلق بالکل نہ لکھنا، نہ

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

میری زندگی میں نہ میرے بعد..... ایک لفظ بھی نہ لکھنا..... میں جانتا ہوں تمھیں، حنفیوں کی خدمت کر رہے ہو..... کیا اس لیے تمھاری تربیت کی تھی اور اس لیے تمھیں پڑھایا تھا کہ حنفیوں کی خدمت کرنا..... ملحد ادارے میں کام کر رہے ہو اور ملحدوں کے ساتھ ملے ہوئے ہو.....۔

انھوں نے طیش اور غصے میں یہ باتیں کیں..... جو لوگ وہاں موجود تھے وہ حیران تھے اور تعجب سے ان کی طرف دیکھ رہے تھے کہ پیار کی باتیں کرتے کرتے یکا یک ان کو کیا ہو گیا ہے۔..... میں بھی پریشان اور قاضی عبیداللہ بھی متعجب..... حافظ احمد شاکر جنھوں نے ابھی یہ کہا تھا کہ ''ضرور لکھیے اور اپنی یادداشتوں کی روشنی میں تفصیل سے لکھیے۔'' وہ بھی خاموش تھے۔..... میں نے جرأت کر کے اُن سے پوچھا ''ملحد ادارے سے آپ کا کیا مطلب ہے؟

بولے: بعض مسائل کی جو تاویلیں کی جا رہی ہیں، وہ الحاد سے ملتی ہیں۔

عرض کیا: ادارہ ثقافتِ اسلامیہ کے کس رکن یا مصنف نے کہاں کوئی ایسی بات لکھی ہے جو آپ کے نزدیک الحاد سے ملتی ہے۔

اس کی نشاندہی کرنے کی بجائے فرمایا: میں سب جانتا ہوں۔

میں نے کہا: آپ مجھے اجازت دیں گے کہ میں بعض مسائل کے سلسلے میں بعض معروف ترین اہل حدیث علمائے کرام کا نقطۂ نظر بیان کروں؟

فرمایا: مجھے معلوم ہے کس مسئلے میں کس کا کیا نقطۂ نظر ہے تم کچھ بتانے کی تکلیف نہ کرو۔

اب صورت حال یہ ہو گئی تھی کہ وہاں بیٹھنا بھی مشکل ہو گیا تھا اور اُٹھنا بھی مشکل ہو گیا تھا، یعنی نہ جائے رفتن نہ پائے ماندن والا معاملہ تھا۔

میں نے تو زبان بند ہی کر لی تھی۔

چھ سات منٹ بالکل خاموشی رہی، پھر ہم وہاں سے چل پڑے۔ نہ مولانا نے کوئی بات کی نہ ہم نے کوئی بات کرنے کی ضرورت محسوس کی..... دو دن طبیعت پر بڑا بوجھ رہا۔ دل سے بات نکالنے کی کوشش کرتا تھا لیکن نکلتی نہیں تھی، تیسرے دن اپنے کمرے میں بیٹھا تھا

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کہ دس بجے کے قریب ٹیلی فون کی گھنٹی بجی، ریسیور اٹھایا تو السلام علیکم کی آواز آئی یہ مولانا عطاء اللہ صاحبؒ کی آواز تھی، بولے کیا حال ہے؟

عرض کیا: الحمد للہ ٹھیک ہوں۔

پوچھا: فقہائے ہند کی کون سی جلد زیر تصنیف ہے۔

جواب دیا: تیرھویں صدی ہجری کی پہلی جلد آج چھپ کر آ گئی ہے کئی روز سے دوسری جلد کا کام شروع ہے۔

اب ان کی آواز بہت نرم تھی، جمال میں ڈوبی ہوئی..... جیسے پرسوں والی سختی کی تلافی کر رہے ہوں۔

سوال ہوا: میری کون کون سی کتابیں تمھارے پاس ہیں؟

عرض کیا: صرف ایک .....اور وہ ہے مآثر الکرام، لاہور کی چھپی ہوئی۔

پوچھا: اور کوئی کتاب نہیں؟

عرض کیا: نہیں۔

فرمایا: کسی کتاب کی ضرورت ہے تو منگوالو یا خود آ کر لے جاؤ۔

ان کی گفتگو کا ایک انداز یہ تھا جو اس وقت اختیار کیا گیا تھا، معلوم نہیں خود ہی سوچ لیا کہ پرسوں والی گفتگو کا اسلوب کیسا تھا یا ممکن ہے حافظ احمد شاکر نے کسی طرح توجہ دلائی ہو کہ خواہ مخواہ غریب پر برس پڑے۔

میں اپنے کام کے سلسلے میں عام طور پر ان سے کتابیں لیتا رہتا تھا، ایک دفعہ میر غلام علی آزاد بلگرامی کی تصنیف ''مآثر الکرام'' کی ضرورت پڑی تو انھوں نے اس کے دو نسخے میرے سامنے رکھ دیے۔ ایک بہت پرانی طبع کا جو نہایت عمدہ اور صحیح چھپا ہے دوسرا نسخہ لاہور میں ۱۹۷۱ء میں چھپا ہے۔ اس پر مولانا کا نام اس طرح لکھا ہوا ہے۔

احقر ابو الطیب محمد عطاء اللہ حنیف بھوجیانی لاہور: یکم محرم ۱۳۹۲ھ فروری ۱۹۷۲ء

میں نے یہ نسخہ لے لیا اور اپنے قبضے میں کر کے عرض کیا۔ یہ کتاب آپ نے مجھے بخش دی؟

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ذرہ سا تأمل کر کے فرمایا: چلو بخش دی۔!

انھوں نے ٹیلی فون پر کتابوں کے بارے میں پوچھا: تو میں نے جواب میں عرض کیا کہ میرے پاس صرف مآثر الکرام (مطبوعہ لاہور) ہے اور وہ آپ نے مجھے ''بخش دی'' تھی۔

فرمایا: اچھا بخش دی تھی تو رکھو اپنے پاس۔

اپنی ضرورت کی کتابیں مولانا محمد حنیف ندوی ان سے لے جاتے تھے، جو بعض اوقات کافی عرصہ اُن کے پاس رہتی تھیں، وہ کتابیں میں ہی مولانا ندوی سے وصول کر کے ان کو پہنچاتا تھا بعض دفعہ مولانا ندویؒ ان سے کتابیں منگواتے بھی میری معرفت تھے۔

اُوپر جو واقعہ میں نے اپنے متعلق بیان کیا ہے، وہ محض اس لیے کیا ہے کہ قارئین کرام کو معلوم ہو سکے کہ وہ اس فقیر کو ہمیشہ اپنا ادنیٰ شاگرد اور برخوردار سمجھتے رہے، میرے لیے یہ فخر کی بات ہے کہ ان کی شفقتیں مختلف انداز میں میرے شامل حال رہیں۔ کبھی ڈانٹ ڈپٹ کی صورت میں، کبھی خفگی اور غصے کی شکل میں اور کبھی پیار محبت کے رنگ میں۔

اب جب کہ ہم گزارشات کی آخری منزل کی طرف بڑھ رہے ہیں یہ وضاحت کرنا ضروری ہے کہ مولانا عطاء اللہ صاحبؒ کا کن سیاسی اور دینی جماعتوں سے تعلق تھا۔

مولانا ممدوح جیسا کہ پہلے بتایا گیا ۱۹۰۹ء یا ۱۹۱۰ء میں پیدا ہوئے بعض علوم کی ابتدائی کتابیں اپنے گاؤں میں پڑھنے کے بعد مزید تعلیم کے لیے ۱۹۲۴ء میں دہلی گئے۔ اس وقت ان کی عمر چودہ پندرہ سال کی تھی۔ پانچ سال پہلے حضرت مولانا ثناء اللہ امرتسری کی تجویز و تحریک سے ۱۹۱۹ء میں جمعیت علمائے ہند قائم ہو چکی تھی۔ اسی اثناء میں آل انڈیا مجلس خلافت کا قیام عمل میں آیا تھا۔ یہ ہندو مسلم اتحاد کا زمانہ تھا مجلس خلافت کے جلسوں میں اس اتحاد کا جو مظاہرہ ہوتا تھا اس کی مثال برصغیر میں نہیں ملتی یہ سلسلہ تین چار سال خوب زوروں پر رہا۔ ایک نیشنلسٹ ہندو لیڈر جو کانگرس سے تعلق رکھتا تھا اور خلافت کی تحریک میں گرفتار ہوا تھا سوامی شردھانند تھا۔ ہندوستان کی انگریزی حکومت نے اس کے ساتھ جیل میں کوئی خفیہ بات چیت کی اور ۱۹۲۲ء میں اسے رہا کر دیا گیا۔ رہا ہوتے ہی اس نے شدھی کا سلسلہ شروع

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کر دیا، یعنی مسلمانوں کو جبراً ہندو بنانے کا آغاز ہو گیا۔ اسی دوران میں ڈاکٹر مونجے نے ہندو سنگٹھن قائم کی جو خالص فرقہ پرست جماعت تھی، شدھی کے مقابلے میں مسلمانوں نے ملک کے مختلف مقامات میں تبلیغی مراکز قائم کر کے تبلیغی مہم کا آغاز کر دیا۔ ان تحریکوں کا نتیجہ یہ تھا کہ پورا ملک فسادات کی زد میں آ گیا اور جگہ جگہ بلوے ہونے لگے۔ بہت سے مسلمان اور غیر مسلم ان فسادات اور بلووں میں مارے گئے۔

اس کا اثر مجلس خلافت پر بھی پڑا۔ وہ دو حصوں میں تقسیم ہو گئی۔ ایک حصے پر مولانا محمد علی جوہر کا قبضہ تھا اور ایک پر مولانا عبدالقادر قصوری، مولانا ظفر علی خان اور مولانا داؤد غزنوی وغیرہ کا۔ مولانا محمد علی جوہر نے ان حضرات کا نام ''پنجابی ٹولہ'' رکھا، مولانا عطاء اللہ حنیف اس وقت کم عمر تھے۔ اس لیے ان کا تعلق کسی بھی جماعت سے نہیں ہو سکتا تھا۔

اس کے بعد ۱۹۲۷ء میں سلطان عبدالعزیز نے (جنھیں سلطان ابن سعود کہا جاتا ہے) حجاز فتح کر لیا اور وہاں کنٹرول حاصل کرنے کے بعد انھوں نے مکے، مدینے اور حجاز کے دوسرے شہروں میں جہاں دورِ اسلام کی مشہور ہستیوں کے بڑے بڑے مزار تعمیر کیے گئے تھے ڈھانے شروع کر دیے۔ یہ معاملہ ''انہدام قبوں'' کے نام سے موسوم ہوا۔ اس میں ہندوستان کے مسلمان دو حصوں میں بٹ گئے۔ مولانا محمد علی جوہر، مولانا عبدالباری فرنگی محلی اور ان کے ہم نوا اس سلسلے میں حکومتِ حجاز کے شدید مخالف تھے۔ اس کے برعکس مولانا عبدالقادر قصوری، مولانا داؤد غزنوی، سید عطاء اللہ شاہ بخاری، مولانا ابو القاسم بنارسی، مولانا ظفر علی خان اور تمام دیوبندی اور اہل حدیث علما و عوام حکومت حجاز کے حامی تھے اور سلطان ابن سعود کے انہدام قبہ اور انہدام قبور و مزارات کی مساعی کو صحیح اور مطابق شریعت قرار دیتے تھے۔ اس زمانے کی یہ بحثیں لائق مطالعہ ہیں۔ مگر ان کی تفصیل کا یہ محل نہیں۔

مولانا عطاء اللہ صاحب رحمہ اللہ اس وقت دہلی میں تعلیم حاصل کرتے تھے اور ان کی عمر سترہ اٹھارہ سال کی تھی، دہلی ہندوستان کا دارالحکومت بھی تھا اور ملک کی تمام تحریکوں کا مرکز بھی تھا۔ مولانا عطاء اللہ صاحب رحمہ اللہ نے دہلی کے مختلف دینی مدارس کے طلبا میں سلطان ابن سعود کی

www.KitaboSunnat.com
محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

حمایت کے لیے فضا ہموار کی اور ان کی طرف سے ایک اشتہار شائع کیا جس میں سلطان کے انہدام قبور کے اقدام کو صحیح اور مطابقِ شرع قرار دیا گیا تھا۔

یہ ۱۹۲۷ء کا واقعہ ہے اور یہ پہلا اشتہار ہے جو مولانا عطاء اللہ صاحبؒ کی طرف سے شائع ہوا۔ یعنی انھوں نے اپنی پبلک زندگی کا آغاز سلطان ابن سعود کے اس اقدام کی علمی حمایت سے کیا، جس کا تعلق خالص عقیدہ توحید سے تھا۔

یہاں دو باتیں ذہن میں رکھیے۔

ایک یہ کہ اس وقت ہندوستان میں سلطان ابن سعودؒ کے اس اقدام کی حمایت کرنا نہایت مشکل تھا۔ اس لیے کہ یہ مسئلہ انتہائی نازک تھا اور سلطان کے مخالفوں نے جو بے حد تیز طراز تھے، مسلمانوں کے دلوں میں یہ بات راسخ کر دی تھی کہ ابن سعودؒ کی حکومت نجدی وہابیوں کی حکومت ہے اور وہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور اہل بیت اور بزرگان دین کی دشمن ہے اور اسی دشمنی کی بنا پر ان کی قبریں مسمار کر رہی ہے۔ ہندوستان کے جو لوگ ان کی حمایت کر رہے ہیں، وہ بھی دشمن دیں اور دشمن صحابہ واہل بیت اور مخالف بزرگان اسلام ہیں۔ مولانا عطاء اللہ صاحبؒ نے حکومت آل سعود کی فکری حمایت کی، سب سے پہلے اس جماعت سے منسلک ہوئے اور ان لوگوں سے روابط پیدا کیے جنھوں نے سعودی حکومت کے انہدامِ قبہ کے اقدام کو شرعی اعتبار سے مبنی برصحت قرار دیا تھا اور خالصتاً لوجہ اللہ اس کی حمایت کے لیے میدان عمل میں نکلے تھے کوئی دنیوی مفاد ہرگز ان کے پیش نگاہ نہ تھا۔

پھر وہ جماعت اہل حدیث کی اس تنظیم میں شامل ہوئے جس کے سربراہ جناب سید محمد شریف گھڑیالوی کو منتخب کیا گیا تھا اس جماعت کی طرف سے گوجراں والا میں جو مدرسہ قائم کیا گیا تھا اس کے ایک مدرس مولانا ممدوح تھے۔

جولائی ۱۹۴۸ء میں مرکزی جمعیت اہل حدیث مغربی پاکستان قائم ہوئی تو وہ اس کے بانی ارکان میں سے تھے، اس کے لیے انھوں نے بہت کام کیا اور مختلف مقامات کے تنظیمی دورے کیے۔ بہت سے مقامات میں ان سطور کا راقم بھی ان کے ہم رکاب تھا۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سید احمد بریلوی اور مولانا اسماعیل دہلوی آج سے ایک سو ستر سال پہلے ۱۸۲۴ء میں ہندوستان کے مختلف علاقوں کی جماعت مجاہدین کے ساتھ سرحد پار کے آزاد علاقے میں گئے تھے، وہاں سے وہ برصغیر کی انگریزی حکومت کے خلاف جہاد کرنا اور ملک کو اس کی غلامی سے نجات دلانا چاہتے تھے، لیکن اس وقت کے پنجاب کی سکھ حکومت نے مجاہدین کا راستہ روک لیا اور ان کو سکھوں کے خلاف معرکہ آرا ہونا پڑا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ متعدد جنگوں کے بعد ۶۔مئی ۱۸۳۱ء کو سید احمد اور مولانا اسماعیل رحمۃ اللہ علیہم اپنے بہت سے مجاہد رفقا سمیت جامِ شہادت نوش کر گئے بعدازاں مجاہدین کا مرکز اُجڑ گیا اور جو لوگ بچ گئے تھے وہ پریشانیوں میں گھر گئے، کچھ عرصہ یہی صورت حال رہی، بعدازاں مجاہدین پھر اپنے ٹھکانے پر آ گئے اور سلسلۂ جہاد شروع ہو گیا۔

اب یہ جہاد براہِ راست انگریزی حکومت کے خلاف تھا جو سو سال سے زیادہ عرصے (اگست ۱۹۴۷ء) تک جاری رہا۔ اس میں زیادہ تر جماعت اہل حدیث نے حصہ لیا اور اس نے مختلف اوقات میں بے شمار مجاہدین ان کے مرکز میں بھیجے۔

ہندوستان کے جو لوگ ان کے حامی تھے اور مختلف ذرائع سے ان کی مالی امداد کرتے تھے، ان میں مولانا عطاء اللہ صاحبؒ کا اسم گرامی بھی شامل ہے۔ ۱۹۴۷ء تک یہ سلسلہ چلا اس کے بعد (جب انگریز یہاں سے چلے گئے) نہ ان کے خلاف جہاد کی ضرورت تھی، نہ مجاہدین کا مرکز قائم رکھنے کا کوئی سیاسی جواز تھا، اور نہ ان کی حمایت و مدد کے لیے کوشاں ہونا شرعی مسئلہ تھا۔

آزادیٔ برصغیر سے بہت پہلے ''ثنائی روپڑی نزاع'' کا جماعت اہل حدیث میں بڑا چرچا رہا، اس نزاع کا کیا پس منظر تھا اور ان بزرگانِ دین کے نزدیک کون کون سے مسائل متنازعہ تھے، اس کا مجھے علم نہیں، میں صرف یہ جانتا ہوں کہ اس ''نزاع'' میں مولانا عطاء اللہ صاحبؒ کے نزدیک مولانا حافظ عبداللہ صاحب روپڑیؒ کا نقطۂ نظر صحیح اور مسلکِ اسلاف سے ہم آہنگ تھا۔

جب مرکزی جمعیت اہل حدیث قائم ہوئی تو اس سے کچھ عرصے بعد جماعت کی رکن سازی کی گئی تھی جو گزشتہ..... ''رکن سازی'' سے بالکل مختلف تھی اور صحیح معنوں میں اس

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

پر رکن سازی کا اطلاق ہوتا تھا۔ اس کے بعد جمعیت کے آئین کی روشنی میں ضلعی اور شہری جمعیتیں قائم کی گئی تھی۔ مولانا عطاء اللہ صاحبؒ کو شہر لاہور کی جمعیت کا سربراہ (پہلے صدر اور پھر امیر) منتخب کیا گیا تھا۔ طویل عرصے تک وہ اس منصب پر فائز رہے۔ درمیان میں ایک ایسا وقت بھی آیا کہ مسجد مبارک میں لاہور کی جماعت کا انتخابی اجلاس ہوا، اس میں جمعیت اہل حدیث کے موجودہ گروپ کے ایک منصب دار نے مولانا کے مقابلے میں اپنے ایک شخص کو امارت کے لیے میدان میں لا کھڑا کیا، مولانا نے صورت حال کا جائزہ لیا تو مقابلہ کرنے سے معذرت کر دی، لیکن حکیم ہدایت اللہ، مولانا محمد رمضان اور بعض دوسرے حضرات نے مولانا کو مجبور کیا تو وہ امیر منتخب ہو گئے۔

۱۹۵۳ء میں مرزائیوں کے خلاف تحریک شروع ہوئی تو مولانا عطاء اللہ صاحبؒ نے اپنے انداز میں اس میں حصہ لیا وہ اس مجلس عمل کے رکن تو نہ تھے جو مختلف مسالکِ فقہ کے اکابر علما پر مشتمل تھی، لیکن اس کے بعض فیصلوں کے متعلق مولانا داؤد غزنویؒ (جو مجلس عمل کے ناظم اعلیٰ تھے) اور دیگر حضرات ان سے مشورے لیتے رہے۔

قیامِ پاکستان کے بعد ملک میں اسلامی آئین کی تنفیذ کے بارے میں مختلف علمائے کرام کی جو کمیٹیاں بنتی اور ان کی میٹنگیں ہوتی رہیں، ان میں باقاعدہ شامل نہ ہونے کے باوجود خالص علمی مسائل میں ان سے مشوروں کا سلسلہ جاری رہا۔

فروری ۱۹۶۰ء میں صدر ایوب نے ملک کا آئین تیار کرنے کے لیے ایک آئین کمیشن بنایا تھا جس نے چالیس سوالات پر مشتمل ایک سوال نامہ تیار کیا تھا جس کا جواب دینے کے لیے مولانا داؤد غزنویؒ کی کوشش سے ۵، ۶ مئی ۱۹۶۰ء کو جامعہ اشرفیہ لاہور میں انیس علما کی ایک میٹنگ ہوئی تھی، مولانا عطاء اللہ صاحبؒ اس میں شامل تھے۔

آزادی سے بہت پہلے ۱۹۱۹ء میں جمعیت ہند قائم ہوئی تھی۔ مولانا عطاء اللہ صاحبؒ فیروز پور کے زمانۂ قیام میں ضلع فیروز پور کی جمعیت ہند کے صدر تھے، اس کی مرکزی نوعیت کی بعض میٹنگوں میں بھی خاص دعوت پر وہ شریک ہوئے تھے۔ اکتوبر ۱۹۴۵ء میں جمعیت

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نے ملک کے مختلف سرکردہ حضرات کی ایک میٹنگ بلائی تھی۔ اس میں بھی انھیں دعوت دی گئی تھی اور انھوں نے اس میں شرکت فرمائی تھی، میں بھی اس میٹنگ میں شریک تھا۔

یہاں یہ یاد رہے کہ جمعیت علمائے ہند ملک کی پہلی سیاسی اور دینی جماعت ہے جس نے انگریزوں سے مکمل آزادی کا مطالبہ کیا تھا۔

مولانا عطاء اللہ صاحبؒ ہندوستان کی انگریزی حکومت کے شدید مخالف تھے وہ ہر اس جماعت اور گروہ سے ہمدردی رکھتے تھے جس کا مطمحِ نظر انگریز کو یہاں سے نکالنا اور ملک کو اس کے پنجۂ استبداد سے نجات دلانا تھا، اسی وجہ سے وہ کانگرس سے منسلک تھے اور شہر فیروزپور کی کانگرس کمیٹی کے نائب صدر تھے۔

یہاں ایک لطیفہ بھی سنتے جایئے۔ مولانا خطبہ جمعہ میں یہ دعا کیا کرتے تھے۔

"اللّٰھم اھلك الكفرة والفجرة والبرطانية واليهود....."

''یعنی اے اللہ! کافروں، فاجروں اور برطانیہ اور یہود کو ہلاک کر دے۔''

ایک دن ایک شخص نے مجھ سے پوچھا مولانا عطاء اللہ صاحبؒ خطبے میں جو برطانیہ اور یہود وغیرہ پڑھا کرتے ہیں، اس کا کیا مطلب ہے؟

میں نے ان کو مطلب بتایا تو کہا۔

یہ تو گالیاں اور بددعائیں ہیں۔

پنجاب کی ریاستوں میں ایک سیاسی جماعت ''ریاستی پرجا منڈل'' کے نام سے موسوم تھی جو پہلی جنگ عظیم سے کچھ عرصہ بعد ریاستوں کے آزادی خواہ طبقے نے قائم کی تھی۔ وہ جماعت ہماری ریاست فریدکوٹ میں بھی قائم تھی، میں اس کا جنرل سیکرٹری تھا اور ہندوستان کے سابق صدر گیانی ذیل سنگھ اس کے صدر تھے۔ اس کی تفصیل میں اپنے ایک طویل مضمون میں لکھ چکا ہوں۔ جو ستمبر ۱۹۸۷ء کے ''قومی ڈائجسٹ'' میں ''میرا جانی ذیل سنگھ گیانی'' کے عنوان سے چھپا تھا۔ مولانا عطاء اللہ صاحبؒ اس جماعت کے حامی تھے اور ریاستوں میں اس کی سیاسی سرگرمیوں کو صحیح قرار دیتے تھے۔ ۱۹۳۹ء میں اس جماعت کا ایک جلسۂ عام

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

لدھیانے میں پنڈت جواہر لال نہرو کی صدارت میں منعقد ہوا تھا۔ مولانا ممدوح اس میں شریک ہوئے تھے میں بھی ان کے ساتھ گیا تھا۔

آزادیٔ وطن سے قبل ریاست کشمیر میں شیخ عبداللہ کی نیشنل کانفرنس ان کے نزدیک صحیح معنوں میں سیاسی جماعت تھی۔

۱۹۷۷ء میں قومی اتحاد کی طرف سے ذوالفقار علی بھٹو کے خلاف جو مہم چلائی گئی تھی کچھ لوگوں نے اسے شرعی حیثیت دے دی تھی اور مسجدیں اس کے لیے وقف کر دی گئی تھیں، مسجدوں میں لوگ جمع ہو جاتے تھے اور حکومت کے خلاف جلوس نکالتے تھے، اہل حدیث کی مساجد میں یا رسول اللہ اور یا علی مدد کے نعرے گونجتے تھے۔ اس لیے کہ وہ شریعت بہت کھلے دل کی تھی اور ہر شخص کے لیے اس نے اپنا دامن پھیلا دیا تھا۔

انہی دنوں کی بات ہے کہ ایک روز میں نے خواب دیکھا کہ میں گوجراں والا میں مولانا محمد اسماعیلؒ کی مسجد کے صحن میں کھڑا اس کے محراب اور منبر کی طرف دیکھ رہا ہوں۔ وہاں فقیر اور ملنگ قسم کے لوگ بیٹھے ہیں جن کے سروں پر لمبے لمبے بال ہیں، باہوں میں لوہے کے کڑے پہن رکھے ہیں۔ ہاتھوں میں ڈنڈے پکڑے ہوئے ہیں اور گلے میں مختلف رنگوں کے منکوں کی تسبیحیں اور مالائیں لٹک رہی ہیں اتنے میں مولانا اسماعیل صاحب بھی آ جاتے ہیں اور میرے برابر دائیں جانب کھڑے ہو جاتے ہیں وہ انتہائی غصے کی حالت میں ہیں اور نہایت خفگی کے عالم میں ان فقیر اور ملنگ قسم کے لوگوں کی طرف دیکھ رہے ہیں..... اتنے میں میری آنکھ کھل جاتی ہے اور خواب ختم ہو جاتا ہے۔

میں نے یہ خواب مولانا عطاء اللہ صاحبؒ سے بیان کیا تو فرمایا مولانا اسماعیل صاحبؒ کی مسجد میں بھی وہی کچھ ہو رہا ہو گا جو دوسری مساجد میں ہو رہا ہے اور یہ مولانا کے افکار و خیالات کے بالکل منافی ہے۔

بعد ازاں اس دور کی سیاست پر گفتگو کرتے ہوئے فرمایا: یہ لوگ بھٹو کی مخالفت کر رہے ہیں کرتے رہیں ہمارا اس سے کوئی تعلق نہیں، لیکن بھٹو بہت بڑا سیاست دان ہے، ان میں کون

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہے جو سیاست میں اس کا مقابلہ کر سکے..... پھر کہا ایک ولی خان ہے جو واقعی سیاست دان ہے لیکن اس کی سوچ ملک گیر نہیں ہے اس نے اپنی سرگرمیوں کو صوبہ سرحد تک محدود کر رکھا ہے۔

یہ تھیں وہ دینی اور سیاسی جماعتیں جن میں سے بعض کے ساتھ مولانا عطاء اللہ صاحبؒ کا آزادی سے پہلے تعلق تھا۔ آزادی کے بعد وہ سیاسیات سے بالکل کنارہ کش ہو گئے تھے، جماعت اہل حدیث کے علاوہ کسی جماعت سے ان کا علاقہ نہیں رہا تھا، اس سلسلے کی تفصیل میں جانے کی ضرورت نہیں اختصار کے ساتھ چند اشارے کر دیے گئے ہیں۔

یہاں یہ یاد رہے کہ انگریزی حکومت کے زمانے میں کسی آزادی خواہ جماعت سے منسلک ہونا بڑے دل گردے کا کام تھا۔ اور اپنے آپ کو مصائب میں مبتلا کر دینے کے مترادف تھا، تنقید کرنی بہت آسان ہے، عملی دنیا سے وابستہ ہونا انتہائی مشکل ہے ہمارے بزرگوں نے ملک کی آزادی کے لیے بے پناہ تکلیفیں اٹھائی ہیں، اور قید و بند کی صعوبتیں برداشت کی ہیں۔ آج ہم جس آزاد فضا میں زندگی بسر کر رہے ہیں، یہ انہی حضرات کی گوناگوں قربانیوں کی بدولت میسر آئی ہے۔ ہمیں ان لوگوں کے سیاسی کارناموں پر فخر ہے جنھوں نے انگریز سے ٹکر لی اور اپنے ملک کو غیروں کے جبر و استبداد سے نجات دلانے کے لیے جدوجہد کی۔

یہاں یہ گزارش کرنا شاید نامناسب نہ ہوگا کہ علمائے امت کا ایک طبقہ حکومتِ وقت بالخصوص مسلمان حکومت کے ارکان سے ربط و تعلق کے حق میں ہے اور ایک طبقہ اس بارے میں احتیاط برتنے کا قائل ہے، مولانا عطاء اللہ صاحبؒ دوسرے طبقے سے تعلق رکھتے تھے۔ بے شک انھوں نے ضیاء الحق (۱) کی قائم کردہ مجلس شوریٰ کی رکنیت قبول کی لیکن میرا خیال ہے یہ ان کے فرزند گرامی حافظ احمد شاکر کے ''مشورے'' کا نتیجہ تھا۔

(۱) جس دن اراکین شوریٰ کے ناموں کا اخبار میں اعلان ہوا وہ دارالدعوۃ سے گھر آ رہے تھے کہ میں نے ان کو ''مبارک باد'' دیتے ہوئے اطلاع دی تو فوراً فرمانے لگے کہ ''استغفر اللہ'' یہ کیا ہو گیا؟ پھر میری رائے پوچھی تو میں نے عرض کیا کہ یہ رکنیت قبول کرنا نہ کرنا آپ کی مرضی ہے میں اس ناطے سے کبھی آپ سے کوئی کام یا ضرورت عرض نہیں کروں گا۔ خفیہ تعالیٰ ریکارڈ شاہد ہے کہ یہ وعدہ پورا کیا۔ (احمد شاکر)

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

حافظ صاحب اس سلسلے میں ''وسیع القلب'' واقع ہوئے ہیں۔ اس کے لیے دو مثالیں پیش کرتا ہوں۔

''الرحیق المختوم'' کا انھوں نے ''جہیز ایڈیشن'' شائع کیا تو اس کا افتتاح لاہور کے ایک بہت بڑے ہوٹل میں حکومت پنجاب کی ایک بڑی شخصیت سے کرایا گیا۔ میں اس میں شامل تھا اور میں نے اسی وقت بعض دوستوں سے کہا تھا کہ یہ مولانا عطاء اللہ صاحبؒ مرحوم کے مزاج کے قطعاً منافی ہے۔

اسی طرح حکومت پنجاب کے وزیر تعلیم جناب عثمان ابراہیم (بھوجیانی) مدرسہ تقویۃ الاسلام کی ایک دعوت میں آئے جہاں انھوں نے (مولانا کی لائبریری سمجھتے ہوئے) لائبریری کے لیے ایک لاکھ روپے کے عطیہ کا اعلان کیا۔ یہ بات بھی مولانا کے مزاج سے ہم آہنگ نہ تھی۔ اس پر ''الدعوۃ السلفیۃ'' کی میٹنگ میں گفتگو بھی ہوئی، جس میں مولانا فضل الرحمٰن نے اسی نقطۂ نظر کا اظہار کیا جو اس کے بانی حضرت مولانا عطاء اللہ مرحوم کا تھا۔

اب ہم ان کی اولاد اور گھریلو معاملات کے متعلق چند باتیں عرض کرنا چاہتے ہیں۔

مولانا عطاء اللہ صاحبؒ کی شادی جیسا کہ پہلے بتایا جا چکا، میاں نور الدینؒ کی صاحبزادی سے ہوئی تھی، میاں نور الدین نہایت نیک اور پارسا تھے۔ حضرت مولانا عبدالجبار غزنویؒ کے مرید وعقیدت مند تھے، تقسیم کے بعد گوندلاں والا (ضلع گوجراں والا) میں سکونت اختیار کر لی تھی، کبھی لاہور تشریف لاتے تو مولانا داؤد غزنوی نماز کی امامت کے لیے انہی سے کہتے۔ ۱۹۶۸ء میں گوندلاں والا میں فوت ہوئے۔

میاں نور الدین مرحوم کے تین بیٹے اور تین بیٹیاں تھیں، بڑے بیٹے کا نام محمد اسماعیل ہے، جو گوندلاں والا میں مقیم ہیں اور ماشاء اللہ! پوتے پوتیاں اور نواسے نواسیوں والے ہیں۔

ان سے چھوٹے عبدالرحمٰن تھے جو ایک عرصے سے سندھ میں مقیم تھے لیکن ان کا انتقال اپنے چھوٹے بھائی حافظ سلیمان کے ہاں ہوا۔

سب سے چھوٹے حافظ محمد سلیمان تھے جو تقسیم ملک کے بعد چک نمبر ۱۰۰ گ ب

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

(تحصیل جڑاں والا ضلع فیصل آباد) میں آ بسے تھے وہیں ان کا انتقال ہوا۔ ان کے بچے اسی گاؤں میں مقیم ہیں۔

تینوں بیٹیوں میں سے بڑی بیٹی کا نام فاطمہ بی بی تھا جو مولانا عطاء اللہ صاحبؒ کے بڑے بھائی حافظ عبداللہ کی اہلیہ تھیں۔ یہ دونوں میاں بیوی اللہ تعالیٰ کو پیارے ہو چکے ہیں، ان کی ایک بیٹی تھیں جن کا نام رقیہ بی بی تھا، وہ مولانا عطاء اللہ صاحبؒ کے پاس رہتی تھیں۔ ۲۶۔ جون ۱۹۷۶ء میں مولانا ہی کے ہاں ان کا انتقال ہوا۔

حافظ عبداللہ مرحوم نے حدیث کی بعض کتابیں دہلی جا کر حضرت مولانا شرف الدین دہلوی سے پڑھی تھیں اور قراءت وتجوید کا علم پانی پت میں بعض قرائے کرام سے حاصل کیا تھا، حافظ صاحب کی آواز بہت عمدہ اور رسیلی تھی۔

فاطمہ بی بی سے چھوٹی حنیفہ بی بی تھیں جو مولانا عطاء اللہ صاحبؒ کی اہلیہ محترمہ تھیں۔ان کے پانچ اولادیں ہوئیں، تین بیٹیاں اور دو بیٹے۔ سب سے بڑی بیٹی کا نام عائشہ تھا، وہ تیرہ مہینے زندہ رہیں اس کے بعد حافظ احمد شاکر رمضان المبارک ۱۳۶۳ھ (۱۹۴۴ء) میں پیدا ہوئے، تیسرے بچے کا نام محمد تھا جو ۱۹۴۶ء میں پیدا ہوا اور ۱۹۴۷ء کے آخر میں گوندلاں والا میں فوت ہو گیا۔ پھر چوتھی بیٹی کی ولادت ۱۹۵۲ء میں ہوئی جس کا نام رابعہ رکھا تھا، پانچویں نمبر پر بھی بیٹی تھی۔ جس کا نام بریرہ تھا وہ چند مہینے کے بعد انتقال کر گئی تھی۔ اب ایک بیٹا حافظ احمد شاکر اور ایک بیٹی حافظہ رابعہ اللہ کے فضل سے موجود ہیں اور ماشاء اللہ پوتے، پوتیوں اور نواسے نواسیوں والے ہیں۔

سب سے چھوٹی شریفہ بی بی ہیں جو مولوی عبدالکریم کی زوجہ محترمہ ہیں، یہ خاندان ماشاء اللہ! بہت سے افراد پر مشتمل ہے اور قیامِ پاکستان کے بعد سے یہ خاندان پہلے بھور (سندھ) میں اور پھر مولوی عبدالکریم اپنے اہل وعیال سمیت گوندلاں والا (ضلع گوجراں والا) میں آباد ہو گئے۔

میاں نور الدین کے تین بیٹوں اور تین بیٹیوں میں سے اب سب سے بڑے بیٹے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اسماعیل اور سب سے چھوٹی بیٹی شریفہ زندہ ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کو اور ان کی آل اولاد کو ہر اعتبار سے خوش وخرم رکھے۔ آمین!

مولانا عطاء اللہ صاحبؒ کم وبیش ساڑھے پانچ سال بیمار رہے۔ کچھ افاقہ محسوس کرتے تو اپنے پوتوں میں سے کسی کے ساتھ دارالدعوۃ السلفیہ تشریف لے جاتے اور وہاں کسی کتاب کا مطالعہ شروع کر دیتے۔ گھر میں ان کی چارپائی پر مختلف موضوع کی کتابیں ہر وقت موجود رہتی تھیں۔ یوں سمجھیے کہ ان کی چارپائی اور بستر کو اچھے خاصے کتب خانے کی حیثیت حاصل تھی، کتابیں ہی ان کی اصل جائیداد تھی اور مصروفِ مطالعہ رہنا ان کا بنیادی کام تھا۔

پہلے وہ تہبند باندھا کرتے تھے، لیکن بیماری کی حالت میں اس کو سنبھالنا مشکل تھا، اس لیے مجبوراً پاجامہ پہننے لگے تھے۔

ایامِ مرض میں اُن کے صاحبزادے حافظ احمد شاکر نے والد مکرم کی بہت خدمت کی حافظ صاحب کی اہلیہ نے بھی لائق احترام سسر کو زیادہ سے زیادہ سہولت پہنچانے کی کوشش کی، ان کے پوتوں نے تو اپنے آپ کو جدِ امجد کی خدمت کے لیے یوں سمجھیے کہ وقف کر دیا تھا۔ حافظ حماد سب سے بڑے اور عباد ان سے چھوٹے ہیں، میں جب بھی مولانا کی عیادت کے لیے حاضر ہوا ان میں سے کسی نہ کسی کو دادا محترم کے پاس حاضر پایا۔

جمعے کی نماز مولانا بیماری کی حالت میں بھی پڑھتے رہے، کوئی خدمت گزار پوتا انھیں دارالعلوم تقویۃ الاسلام میں لے آتا تھا۔ اور وہ نماز کے بعد گھر چلے جاتے تھے۔ اللہ ہی ان کو اپنے اس عالم فاضل بزرگ کی خدمت کا اجر عطا فرمانے والا ہے۔ جزاهم الله احسن الجزاء!

میں ان کی خدمت میں حاضر ہوتا تو کوئی علمی گفتگو شروع کر دیتے، بعض دفعہ بات لطائف تک پہنچ جاتی، بہت خوش ہوتے اور خوب ہنستے، ایسا بھی ہوتا کہ میں اجازت لے کر اُٹھنے کی کوشش کرتا لیکن وہ اُٹھنے نہ دیتے۔ فرماتے، بیٹھو! چلے جانا، بٹھانے کے لیے چائے یا قہوہ منگوا لیتے۔

ان کی حیاتِ دنیوی کے چھوٹے بڑے تمام واقعات علم وفضل کے گراں قدر قالب میں ڈھلے ہوئے تھے جو یادوں کا پرنور سرمایہ بن گئے ہیں۔ ان کے دبلے پتلے اور کمزور نحیف جسم

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

میں معرفت وادراک کا ایک سمندر پنہاں تھا جو ہر آن موجزن رہتا تھا اور اس کی صاف ستھری لہروں اور پاکیزہ اچھالوں سے ایک عالم اپنی تشنگی کے سامان فراہم کرتا تھا، اب بھی جب کہ وہ اس دنیائے فانی سے رخصت ہو گئے ہیں ان کا سلسلۂ فیض جاری ہے اور ہمیشہ جاری رہے گا۔

یوں تو اس عالم اجل کی علمی سرگرمیوں کے ساز کے تار کئی سال سے اپنا کام چھوڑ چکے تھے اور آہستہ آہستہ ٹوٹ رہے تھے، لیکن ۲ اور ۳ اکتوبر ۱۹۸۷ء کی درمیانی شب کو بارہ بجے کے قریب ہمیشہ کے لیے خاموش ہو گئے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن!

عزیزی حافظ احمد شاکر نے اسی وقت مجھے ٹیلی فون پر اطلاع دی۔ اخلاقاً یہ الم ناک خبر سنتے ہی مجھے ان کے مکان پر پہنچنا چاہیے تھا، لیکن میں نہیں گیا، اس لیے کہ رات ڈھل چکی تھی، اور تھوڑی دیر بعد اخبارات کی آخری کاپی چھپنے والی تھی میں نے یہی مناسب سمجھا کہ مجھے اخبارات سے رابطہ قائم کر کے مولانا کی وفات کی اطلاع دینی چاہیے اور مناسب تفصیل کے ساتھ اخباروں کو ان کے حالات سے مطلع کرنا چاہیے۔ میرے سوا کسی دوسرے کے لیے یہ فریضہ سرانجام دینا مشکل تھا۔ چنانچہ میں نے لاہور کے تمام انگریزی، اُردو اخباروں اور خبر رساں ایجنسیوں سے رابطہ قائم کیا اور ان کی خبر وفات نمایاں طور سے شائع کرائی۔

۳۔ اکتوبر ۱۹۸۷ء (۹۔ صفر ۱۴۰۵ھ) کو ہفتے کے روز دوپہر کے بعد میانی صاحب کے قبرستان میں ان کو دفن کر دیا گیا۔

اللّٰھم اغفرله وارحمه وعافه واعف عنه

☆.....☆.....☆

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مرکزی جمعیت اہل حدیث کے قیام میں مولانا محمد عطاء حنیف رحمہ اللہ کا حصہ

حضرت الاستاذ مولانا محمد عطاء اللہ حنیفؒ نے ۲۔اکتوبر ۱۹۸۷ء کو وفات پائی۔ان کی خدمات بوقلموں کا دائرہ متعدد علمی گوشوں کا احاطہ کئے ہوئے تھا، وہ طبعاً سادہ مزاج اور عملاً گرم جوش تھے۔ نام ونمود سے بالا رہ کر خاموشی سے کام کرنے کے عادی تھے۔ جماعت اہل حدیث کے علمائے کرام سے ان کے روابط بہت گہرے تھے۔تقریباً ہر عالم دین کے مقام سکونت اوران کی سرگرمیوں کا انھیں علم تھا۔ان کی صلاحیتوں اور مرکز فکر سے بھی وہ باخبر تھے۔

پنجاب کے علمائے اہل حدیث بلا واسطہ یا بالواسطہ دو خاندانوں کے فیض یافتہ ہیں۔ غزنوی خاندان کے اور لکھوی خاندان کے..... مولانا محمد عطاء اللہ حنیفؒ کو ان دونوں خاندانوں کے اہل علم سے مستفیض ہونے کے مواقع میسر آئے تھے یہی وجہ ہے کہ ان دونوں خاندانوں کے اکابر علماء ان سے بے حد شفقت کا برتاؤ فرماتے تھے اور اس شفقت میں احترام کے تمام پہلو کارفرما تھے۔

تقسیم ملک سے قبل امرتسر کے مدرسہ غزنویہ سلفیہ کو جماعت اہل حدیث کے مشہور ومتاز دارالعلوم کی حیثیت حاصل تھی۔تقسیم کے بعد یہ دارالعلوم تقویۃ الاسلام کے نام سے لاہور منتقل ہوا تو اس کے منصب شیخ الحدیث کے لیے اس کے مہتمم مولانا سید محمد داؤد غزنویؒ کی نظر انتخاب مولانا محمد عطاء اللہ حنیفؒ پر پڑی اور ۱۹۴۸ء کے ابتداء میں نئے انتظامات کے تحت اس میں تدریسی سرگرمیوں کا آغاز ہوا۔

وہ نہایت افراتفری کا زمانہ تھا،تقسیم ملک کے ہولناک انقلاب نے بھائی کو بھائی

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سے، رشتے دار کو رشتے دار سے اور خاندان کو خاندان سے الگ تھلگ کر دیا تھا کسی کو کچھ پتہ نہیں تھا کہ کون کہاں ہے۔ مشرقی پنجاب کے بہت سے علاقوں میں جماعت اہل حدیث کے لوگ بہت بڑی تعداد میں آباد تھے اور جماعت کے علمائے کرام اپنی اپنی جگہ انتہائی فعال اور سرگرم عمل تھے جو عرصہ دراز سے اپنے اپنے ٹھکانوں میں جمے ہوئے تھے۔ ان کے وسیع حلقہ ہائے تدریس قائم تھے، مواعظ وتقاریر کے لیے لمبے چوڑے سلسلے جاری تھے اور ہر ایک کے اثر ورسوخ کے جھنڈے اپنی جگہ مضبوطی سے گڑے ہوئے تھے۔ تقسیمِ ملک نے ان تمام معاملات کو ختم کر دیا تھا۔ اہل علم ایک دوسرے سے بچھڑ گئے تھے اور ان کے علم وعمل کی سرحدیں بالکل سکڑ گئی تھیں، یہ صورت حال جہاں دوسری دینی ومذہبی جماعتوں کے لیے باعث تکلیف تھی، وہاں جماعت اہل حدیث کے لیے بدرجہ غایت اذیت رساں تھی۔

مختصر الفاظ میں یہ تھے وہ حالات جن میں جماعت کے منتشر افراد کو اکٹھا کرنے اور تنظیم کی لڑی میں پرونے کا مسئلہ سامنے آیا اور یہ خیال پیدا ہوا کہ جماعت اہل حدیث کے علمائے کرام پرانے اختلافات کو بھول کر پاکستان میں نئے حالات کے مطابق عمل وحرکت کے میدان میں اُتریں۔

سوال یہ ہے کہ قیامِ پاکستان کے بعد نظم جماعت کا خیال سب سے پہلے کس طرح سطح ذہن پر ابھرا اور پھر اس نے کیونکر عملی شکل اختیار کی۔

یہ آج سے نصف صدی پہلے کی بات ہے، جہاں تک میں جانتا ہوں آزادی سے دو یا تین مہینے بعد سب سے پہلے پروفیسر عبدالقیوم سابق صدر شعبہ عربی گورنمنٹ کالج لاہور نے مولانا سید محمد داؤد غزنویؒ سے اس کا اظہار کیا تھا، لیکن یہ ایک بات تھی جو پروفیسر صاحب نے کی اور مولانا نے سن لی۔ اس سے آگے نہیں بڑھ سکی، بعدازاں ۱۹۴۸ء کے شروع میں جب پاکستان کو قائم ہوئے چار مہینے گزر چکے تھے، مولانا داؤد غزنویؒ کی دعوت پر مولانا محمد عطاء اللہ حنیفؒ لاہور آئے اور شیش محل روڈ پر دارالعلوم تقویۃ الاسلام میں تعلیمی سلسلے کا آغاز ہوا تو مولانا محمد عطاء اللہ حنیفؒ کی مولانا داؤد غزنویؒ سے انتشارِ جماعت اور نظمِ جماعت کے بارے میں گفتگو ہوئی۔

مولانا محمد عطاء اللہ حنیفؒ کو اللہ تعالیٰ نے بہت سی خصوصیات سے نوازا تھا۔ ان میں

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ایک خصوصیت یہ تھی کہ جماعت کے اکابر واصاغر تمام علمائے دین سے ان کے ذاتی مراسم تھے اور ان سے خط وکتابت کا سلسلہ جاری رہتا تھا۔ پھر مشرقی پنجاب کے اضلاع امرتسر، فیروز پور، گورداس پور وغیرہ سے تعلق رکھنے والے علماء میں سے اکثر کے ساتھ ان کے دوستانہ روابط تھے۔ ضلع امرتسر سے ان کا پیدائشی اور آبائی تعلق تھا۔ اس لیے وہ اس ضلع کے علمائے اہل حدیث کو اچھی طرح جانتے تھے ضلع فیروز پور کی جمعیت علمائے ہند کے وہ صدر تھے جس بنا پر ضلع بھر کے علما سے ان کی واقفیت تھی کہ وہ فیروز پور شہر میں کئی سال خدمت تدریس وخطابت سرانجام دیتے رہے تھے اور ضلع کا صدر مقام ہونے کی وجہ سے جماعت کے علما اور غیر علما کی وہاں آمدورفت رہتی تھی اور بہت سے لوگ محض مولانا سے ملاقات کے لیے وہاں آتے تھے، اس سے کئی سال پیشتر وہ ''لکھوکے'' میں طالب علم کی حیثیت سے مقیم رہے تھے اور لکھوکے (بالخصوص) ضلع فیروز پور کے عوام وخواص کا مرجع تھا اور تدریسی ودینی معاملے کے لوگ لکھوی علماء سے رجوع کرتے تھے، پھر ۱۹۳۷ء میں لکھوکے کے قریب وہ حضرت مولانا محمد علی لکھوی کے قائم کردہ مرکز الاسلام میں مسند تدریس پر فائز رہے تھے۔ ان وجوہ کی بنا پر ضلع فیروز پور کے اہل علم سے ان کے گہرے روابط تھے۔ ۱۹۳۳ء سے ۱۹۳۶ء کے آخر تک وہ کوٹ کپورے (ریاست فرید کوٹ) میں درس وتدریس اور خطابت کے فرائض انجام دینے پر مامور رہے تھے۔ یہ ریاست ضلع فیروز پور سے متصل تھی۔ اس لیے بھی اس نواح کے لوگ ان سے خوب متعارف تھے، اور وہ بھی ان سے اچھی طرح واقف تھے تقسیم کے نتیجے میں جو روح فرسا حالات پیدا ہو گئے تھے مولانا محمد عطاء اللہ حنیفؒ ان سے نہایت متاثر تھے۔ اس زمانے میں وہ فیروز پور سے گوندلاں والا (ضلع گوجراں والا) چلے گئے تھے اور اپنے علاقے سے تعلق رکھنے والے علما اور دیگر حضرات کے لیے فکر مند تھے، اور وہ لوگوں سے پوچھتے رہتے تھے کہ تقسیم کے بعد کون کہاں جا کر آباد ہوا ہے۔ اس کا پتہ چل جانے پر ان سے ملنے یا بذریعہ خط وکتابت اس کے حالات سے آگاہ ہونے کے لیے وہ بڑی بے تابی کا اظہار کیا کرتے تھے۔

انھیں جلد ہی معلوم ہو گیا تھا کہ جماعت کے کون کون سے حضرات ملتان، خانیوال،

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

میاں چنوں، بوریے والا، وہاڑی، منٹگمری، اوکاڑہ وغیرہ علاقوں میں آباد ہو گئے ہیں اور علما میں سے کون کون اصحاب غیر مسلموں کے ہاتھوں شہید ہو چکے ہیں اور کون کسی بیماری وغیرہ سے اللہ کو پیارے ہو گئے ہیں۔

مغربی پنجاب کے مقامی علماء سے بھی ان کا علاقہ تھا، مثلاً ضلع لائل پور میں اہل حدیث کے دو مشہور مرکز تھے، جن سے وہ آگاہ تھے، اوڈاں والا (ضلع لائل پور) میں وہ تقسیم سے ایک سال قبل پڑھاتے رہے تھے، جھوک دادو (متصل تاندلیاں والا) کے حضرات سے بھی ان کے ذاتی مراسم تھے۔ وہاں کے مشہور بزرگ میاں محمد باقر سے (جو حضرت الامام مولانا عبدالجبار غزنویؒ کے شاگرد اور مرید تھے) ان کے بہت گہرے تعلقات تھے۔ ان کے بڑے صاحب زادے حافظ محمد زکریا مرحوم سے (جو مختلف علمی کتابوں کی نشر و اشاعت کے بے حد شائق تھے) ان کے مخلصانہ علائق تھے۔ گوجراں والا اور سیالکوٹ کے اضلاع کے اصحابِ علم سے بھی ان کی شناسائی تھی۔

گجرات کے مولانا حافظ عنایت اللہ اثری، ملتان کے مولانا عبدالتواب ملتانی، منٹگمری (حال ساہیوال) کے مولانا عبدالجلیل سے تو طالب علمی کے زمانے سے ان کے مراسم تھے، مولانا عبدالتواب تاجر کتب تھے اور مولانا محمد عطاء اللہ حنیفؒ ان سے کتابیں منگوایا کرتے تھے، اس طرح دونوں ایک دوسرے سے بہت اچھی طرح متعارف تھے۔

عرض کرنے کا مقصد یہ ہے کہ اس وقت کے علمائے اہل حدیث سے کسی نہ کسی انداز میں سب سے زیادہ تعارف و تعلق مولانا محمد عطاء اللہ حنیفؒ کا تھا۔ اپنے سے بڑی عمر کے علمائے کرام سے وہ انتہائی احترام اور نیاز مندی سے پیش آتے تھے اور برابر کے اہل علم سے دوستانہ اور چھوٹی عمر کے اصحابِ علم سے ان کے مشفقانہ روابط تھے، جب وہ مولانا داؤد غزنویؒ کی دعوت پر دارالعلوم تقویۃ الاسلام کے شیخ الحدیث کی حیثیت سے لاہور تشریف لائے تو مولانا غزنویؒ سے جماعت کے نظم و نسق اور علما کے اتحاد کے بارے میں گفتگو کا سلسلہ چلا جس کی دونوں بزرگوں نے شدید ضرورت محسوس کی اور اسے وقت کا ضروری اور

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اہم مسئلہ قرار دیا۔ پروفیسر عبدالقیومؒ سے بھی بات ہوئی جو پہلے ہی مولانا غزنویؒ کو اس ضمن میں اپنی رائے دے چکے تھے۔ مولانا محمد اسماعیل صاحبؒ گوجراں والا میں فروکش تھے۔ ان سے مولانا محمد عطاء اللہ حنیفؒ نے گوجراں والا جا کر گفتگو کی، وہ بھی اس پر متفق تھے۔

علمائے کرام کے ڈاک کے پتے سب سے زیادہ مولانا محمد عطاء اللہ حنیفؒ کے پاس تھے، مولانا اسماعیل صاحبؒ کو ان کی نسبت بہت کم علماء کے پتوں کا علم تھا۔ مولانا داؤد غزنویؒ کی معلومات اس ضمن میں ان سے بھی کم تھیں۔ اس کے بعد مولانا غزنوی اور مولانا محمد عطاء اللہ حنیفؒ نے لاہور میں مولانا محی الدین احمد قصوری، میاں عبدالمجید، حاجی محمد اسحاق حنیف اور مولانا ظفر اقبال رحمۃ اللہ علیہم وغیرہ حضرات سے بات کی مولانا محمد علی قصوری مجھے یاد پڑتا ہے اس زمانے میں قصور میں مقیم تھے، مولانا حافظ عبداللہ روپڑیؒ، مولانا حافظ محمد اسماعیل روپڑی اور مولانا حافظ عبدالقادر روپڑی رحمۃ اللہ علیہم ضلع لائل پور میں جڑاں والا یا اس سے دس بارہ میل آگے روڈالہ روڈ میں اقامت گزین تھے جو ایک ریلوے اسٹیشن ہے.....وہاں انھیں جماعت کے دو بزرگ حاجی محمد شفیع اور حاجی محمد شریف لے گئے تھے۔ یہ دونوں حقیقی بھائی تھے اور حضرت حافظ صاحب کے عقیدت مندوں میں سے تھے۔

بہرحال نظم جماعت کے اس ابتدائی مشورے کے بعد ڈھائی سو سے زائد علماے وزعماے جماعت کو خطوط لکھے گئے۔ اور یہ حضرات ۲۴۔ جولائی ۱۹۴۸ء کو دارالعلوم تقویۃ الاسلام میں جمع ہوئے۔ خطوط غالباً مولانا داؤد غزنویؒ کی طرف سے ارسال کیے گئے۔

لائل پور شہر سے مولانا عبدالواحد، مولانا عبیداللہ احرار اور حکیم نورالدین میر کو دعوت دی گئی تھی اور وہ اس اجلاس میں شریک ہوئے تھے۔

ضلع لائل پور سے سید مولا بخش کوموی، میاں محمد باقر، صوفی عبداللہ، مولانا اللہ بخش کمیرپوری، مولانا حافظ احمد پٹوی، حضرت مولانا حافظ عبداللہ روپڑی رحمۃ اللہ علیہم (ان دنوں حضرت حافظ صاحب کا قیام جڑاں والا میں تھا) مولانا عبداللہ ثانیؒ اور ان سطور کا راقم مولانا غزنویؒ کی دعوت پر شاملِ اجلاس ہوئے تھے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

یاد رہے کہ اجلاس میں شرکت کرنے والے ہر شخص کو جمعیت کا بانی نہیں کہا جا سکتا اجلاس میں تو دارالعلوم تقویۃ الاسلام کے طلباء نے بھی شرکت کی ہوگی، پڑھائی دارالعلوم کے ہال میں ہوتی تھی اور میٹنگ کے دن ظاہر ہے پڑھائی نہیں ہوئی ہوگی۔ اور اساتذہ اور طلبا آ کر میٹنگ میں بیٹھ گئے ہوں گے، بانیانِ جمعیت اور مؤسسین جمعیت کا اطلاق انہی حضرات پر ہوگا جنھوں نے پہلے اس کی ضرورت کا احساس کیا۔ علمائے جماعت کو جو ایک دوسرے سے بچھڑ چکے تھے، ایک سلک میں منسلک کرنے کا اہتمام کیا۔ ان کے ڈاک کے پتوں کا کھوج لگا کر انھیں خطوط لکھے اور باقاعدہ اجلاس شروع ہونے سے قبل ایسی تجاویز مرتب کیں جن کی روشنی میں جماعت کے علماوعوام کے ذہن میں زخموں کو مندمل کیا جائے اور ان کو ایک ولولہ تازہ سے روشناس کرایا جائے۔ پھر ان کو میدانِ عمل میں لا کر آگے بڑھانے کی سعی کی جائے۔ اس ضمن میں چار شخصیتوں نے سب سے زیادہ کام کیا۔ وہ تھے۔

۱۔ مولانا سید محمد داؤد غزنویؒ

۲۔ مولانا محمد اسماعیلؒ

۳۔ مولانا محمد عطاء اللہ حنیفؒ

۴۔ پروفیسر عبدالقیومؒ

ان حضرات کی حدود مساعی کی نشاندہی گزشتہ سطور میں (اپنی دانست میں) مناسب الفاظ میں کر دی گئی ہے، میں چونکہ مرکزی جمعیت کا پہلا ناظم دفتر تھا اور ابتدا ہی میں یہ ذمے داری میرے سپرد کر دی گئی تھی۔ اس لیے میں ان سب امور سے باخبر ہوں۔ اب تو اللہ کے فضل سے اس کا تمام ریکارڈ ہی ختم کر دیا گیا ہوگا تاکہ ہر شخص جو منہ میں آئے کہتا پھرے اور پہلوں کو نظر انداز کر کے خود ہی اس کا بانی کہلائے۔

میرے نزدیک جمعیت کے اصل بانی ومؤسس یہی حضرات تھے۔ ان کے بعد ان حضرات کے نام آئیں گے جو دعوتی خطوط کی بناء پر اس اجلاس میں شامل ہوئے اور انھوں نے کچھ تجویزیں بھی پیش کیں۔ ہر شخص کے بارے میں یہ کہتے پھرنا کہ وہ جمعیت کا بانی تھا (یا بانی ہے) بالکل مہمل اور بچگانہ حرکت ہے۔ جو لوگ بعد میں اس نظام میں شامل ہوئے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اور اس کے لیے کام بھی کیے، فرقِ زمانی سے ان کی شان گھٹتی نہیں بلکہ بڑھتی ہے کہ وہ کام اور خدمت کے اعتبار سے پہلے تمام لوگوں سے پیچھے نہیں رہے۔

ایک بات اس سلسلے میں البتہ قابلِ ذکر ہے وہ یہ کہ ۲۴۔ جولائی ۱۹۴۸ء کو معرضِ وجود میں آنے والی جمعیت کے بعد اہل حدیث کی کئی جمعیتوں نے جنم لیا۔ بعض جمعیتیں خود اس کے پیٹ سے (محض فضول قسم کے ذاتی جھگڑوں کی بناء پر) عالم وجود میں آئیں۔ ان جمعیتوں کے قائم کرنے والے واقعی ان کے بانی ومؤسس تھے اور انھیں ان کے بانی و مؤسس کہنا بھی چاہیے تاکہ اہل حدیث کی اس روایت کا سلسلہ قائم رہے کہ ہمارے نزدیک اتحاد واتفاق کی کوئی اہمیت نہیں ہے جب بھی ان حضرات کو متحد کرنے کی کوشش کی گئی، اس میں متعدد اختلافات اُبھر آئے اور ہر اتحاد میں اختلاف کے کئی گوشے سامنے آ گئے۔

گزارشات کا سلسلہ طویل ہوتا جا رہا ہے جس کا مجھے پورا احساس ہے، لیکن جہاں آپ نے تکلیف فرما کر اتنی باتیں سنی ہیں وہاں تھوڑی اور زحمت فرمایئے اور اس موضوع کی ایک دو آخری باتیں بھی سنتے جایئے۔

تقسیمِ ملک کے بعد حضرت مولانا ثناء اللہ امرتسریؒ کو مولانا محمد اسماعیل مرحوم ومغفور گوجراں والا لے گئے تھے۔ ۲۷۔ اکتوبر ۱۹۹۴ء کو میں ایک عزیز کی شادی پر بورے والا گیا تو لائقِ احترام دوست مولانا عبداللہ گورداسپوری سے بھی ملاقات ہوئی۔ وہ نہایت زندہ دل اور خوش مزاج عالمِ دین ہیں۔ بات بات میں لطیفہ پیدا کر لیتے ہیں۔ گفتگو کا رُخ جماعت کی تنظیم کی طرف مڑا تو انھوں نے بتایا کہ جن دنوں مولانا ثناء اللہ امرتسریؒ گوجراں والا میں قیام فرما تھے، ان دنوں وہ چند قابلِ تکریم علماء کے ساتھ جن میں مولانا عبدالمجید سوہدروی، مولانا عبدالقادر روپڑی اور مولانا عبداللہ معمار رحمۃ اللہ علیہم شامل تھے، مولانا امرتسریؒ کی خدمت میں گئے اور ان کے فرزندِ گرامی قدر مولوی عطاء اللہ کی وفات پر اظہارِ تعزیت کیا۔ مولانا مرحوم نہایت افسردہ خاطر اور انتہائی خستہ حالت میں تھے، مولانا عبداللہ گورداسپوری کہتے ہیں کہ انھوں نے بے حد اداس لہجے اور مرجھائے ہوئے اسلوب میں جماعت اہل حدیث کے مراکز ٹوٹ جانے، مدارس ومساجد کے اُجڑ جانے اور علماء کے بکھر جانے کا ذکر کیا۔ پھر فرمایا

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کہ جماعت کی تنظیم کے لیے کوشش کرو اور اس کے منتشر افراد کو ایک پلیٹ فارم پر جمع کرنے کے لیے کمر ہمت باندھو، مولانا عبداللہ کی رائے کے مطابق تقسیمِ ملک کے بعد تنظیم جماعت کے لیے پہلی آواز حضرت مولانا ثناء اللہ امرتسریؒ کی تھی۔

مولانا ثناء اللہؒ بے شک ہمارا سرمایہ صد افتخار اور جانِ جماعت تھے، ہم محبِ مکرم مولانا عبداللہ صاحب کی روایت کی صحت کو دل کی گہرائی سے تسلیم کرتے ہیں، مولانا امرتسریؒ کی ذاتِ گرامی کو خود ایک جماعت کی حیثیت حاصل تھی اور افرادِ جماعت سے انھیں جو قلبی لگاؤ اور تعلق خاطر تھا، اس کے پیش نظر ان کو یہی کچھ کہنا چاہئے تھا اور یہ الفاظ ان کے ضمیر کی پوری پوری عکاسی کرتے ہیں، لیکن اس کے ساتھ ہی نہایت ادب سے ہم یہ بھی عرض کرنے کی اجازت چاہتے ہیں کہ حضرت مولانا امرتسریؒ کی غم واندوہ میں ڈوبی ہوئی یہ صدائے درد ان چار پانچ حضرات تک ہی محدود رہی جو اس بابرکت مجلس میں تشریف فرما تھے، انھوں نے اس کی تشہیر نہیں فرمائی اور اسے آگے نہیں بڑھایا۔ ہاں ایک چیز اس ضمن میں البتہ قابلِ غور ہے اور وہ یہ ہے کہ کسی موضوع سے متعلق کوئی بات کسی کی زبان سے نکلتی ہے تو فضا میں بکھر جاتی ہے اور اس موضوع سے دلچسپی رکھنے والوں کے پردہ سماع سے برابر ٹکراتی اور ان کے ذہن کے دروازوں کو بالالتزام کھڑکھڑاتی رہتی ہے، تا آنکہ زود یا بدیر وہ حقیقت کا روپ دھار لیتی ہے۔ اس قاعدے کی رو سے ممکن ہے تشکیلِ جمعیت کا عمل حضرت مولانا کی صدائے بازگشت ہو۔

حضرت مولانا امرتسریؒ ۱۹۴۸ء میں گوجراں والا سے سرگودھا تشریف لے گئے تھے اور ۱۵۔ مارچ ۱۹۴۸ء کو وہیں وفات پائی۔

اللّٰھم اغفرله وارحمه وعافه واعف عنه!

بہرکیف مرکزی جمعیت اہل حدیث کے قیام کا آغاز چار حضرات نے کیا۔

پروفیسر عبدالقیومؒ نے پرخلوص جذبے سے یہ تجویز پیش کی۔ اس کے پہلے ناظم اعلیٰ بھی انہی کو منتخب کیا گیا تھا، وہ عربی، فارسی اور انگریزی میں ممتاز درجہ رکھتے تھے۔

مولانا سید محمد داؤد غزنویؒ جن کے خاندان کا احترام واکرام، ذاتی وجاہت ووقار اور دینی، مسلکی اور سیاسی خدمات کا دائرہ نہایت وسیع تھا اور علم وعمل کی دولت بھی اللہ نے ان کو

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

فراوانی سے ودیعت فرمائی تھی۔

مولانا محمد اسماعیلؒ نے جو تعلیم وتدریس، تقریر وخطابت اور وسعت مطالعہ میں منفرد حیثیت کے مالک تھے۔

مولانا محمد عطاء اللہ حنیفؒ نے جو اگرچہ ان سب بزرگانِ بلند مرتبت سے کم عمر تھے مگر مروجہ علوم وفنون میں اللہ نے ان کو خوب نوازا تھا، حدیث اور متعلقاتِ حدیث پر بالخصوص ان کی نگاہ بڑی عمیق تھی۔ مثلاً اقسامِ حدیث، درجاتِ حدیث، رواتِ حدیث، رجالِ حدیث، اسنادِ حدیث وغیرہ علوم سے ان کو بے انتہا دلچسپی تھی اور اس موضوع کی (میرے خیال میں) تمام کتابیں ان کے کتب خانے میں موجود تھیں جو ان کے زیرِ مطالعہ رہتی تھیں۔ شروحِ حدیث کے ذخیرے سے بھی ان کا کتب خانہ مزین تھا۔ اور اس سے استفادہ کرتے تھے۔ میں نے دیکھا کہ اس موضوع سے متعلق ان کے اصحابِ فضل اساتذہ بھی بعض اوقات اپنے لائق اکرام شاگرد سے رجوع فرماتے تھے جماعت کے علماء وفضلاء سے ان کا رابطہ رہتا تھا اور ان کے بارے میں وہ بہت سی معلومات رکھتے تھے۔

واقعہ یہ ہے کہ مرکزی جمعیت کی تنظیم وتشکیل میں (اکثر اعتبارات سے) زیادہ حصہ مولانا محمد عطاء اللہ حنیفؒ کا ہے اس کے لیے انھوں نے مختلف مقامات کے دورے کئے اور علمائے کرام سے ملاقاتیں کیں۔ یہ فقیر بھی بہت سے مقامات میں ان کے ساتھ تھا۔

اخلاص وسادگی ان کے بہت بڑے ساتھی تھی جو ہمیشہ ان کے ہمرکاب رہے اور جنھوں نے زندگی کی ابتدائی منزل سے آخری منزل تک کے تمام سفرِ حیات میں ان کی رفاقت اختیار کئے رکھی، ان کی وسعتِ ظرف کا یہ عالم تھا کہ اپنا کام دوسرے کے کھاتے میں ڈال کر خوشی محسوس کرتے تھے، جمعیت اہل حدیث کے سلسلے میں بھی یہی ہوا۔ انھوں نے کبھی اس کا تذکرہ نہیں کیا اور کبھی یہ نہیں کہا کہ اس کی بنا وتأسیس میں ان کا بھی کچھ عمل دخل ہے۔ ایسے بے نفس اور فقر شیوہ واخلاص پیشہ لوگ اب کہاں پیدا ہوں گے۔

☆.....☆.....☆

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مولانا محمد عطاء اللہ حنیف رحمہ اللہ کی وفات پر تعزیتی خطوط

1۔ مولانا عبدالمالک مجاہد، چیئرمین دارالسلام

مکرمی ومحترمی بھٹی صاحب!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

عصر حاضر کے عظیم مفکر اور محدث حضرت مولانا عطاء اللہ حنیف کی وفات پر ریاض میں مقیم اہل حدیث ساتھیوں کا ایک تعزیتی اجلاس ہوا اور مولانا مرحوم کی غائبانہ نماز جنازہ ادا کی گئی۔ راقم الحروف اور برادرم محمد اقبال کیلانی نے مولانا مرحوم کی شخصیت اور کارناموں پر روشنی ڈالی۔ مولانا مرحوم کی مغفرت اور درجات میں بلندی کے لیے خصوصی دعائیں کی گئیں۔ بلاشبہ قحط الرجال کے اس دور میں مولانا مرحوم جیسی شخصیت کی جدائی جماعت اہل حدیث کے لیے بہت بڑا نقصان ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کی کمی کو دور فرمائے اور جملہ لواحقین اور جماعت کے افراد کو یہ صدمہ برداشت کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

عبدالمالک مجاہد

وزارت الدفاع والطیران

الریاض، سعودی عرب

☆☆☆☆☆

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

2۔ حکیم اجمل خاں، مدیر مجلّہ ''اہل حدیث''، دہلی

محترم المقام بھٹی صاحب حفظہ اللہ!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ! مزاج گرامی مجھے اور ہندوستان کی ساری جماعت اہل حدیث سمیت دوسرے تمام ہی اہل علم حضرات کو یہ جان کر انتہائی افسوس ہوا ہے کہ جماعت اہل حدیث کے عظیم اہل علم عالم، دانشور جناب مولانا محمد حنیف ندوی اور بقیۃ السلف جناب مولانا عطاء اللہ حنیف بھوجیانی یکے بعد دیگرے اس دنیا سے چلے گئے۔

انا للہ وانا الیہ راجعون.

اللہ تعالیٰ مرحومین کی مغفرت فرمائے اور انہیں جوار رحمت میں جگہ دے۔ ان کی نیکیاں قبول فرمائے۔

نمونۃ السلف حضرت مولانا عطاء اللہ حنیف کی ذات گرامی پورے برصغیر میں کسی تعارف کے محتاج نہیں۔ بلکہ اپنے بعض علمی اور مسلکی کارناموں کی وجہ سے اب مرحوم بین الاقوامی شخصیت بن گئے تھے اور سلفیت کی علامت اور اس کے محافظ سمجھے جاتے تھے۔

تقسیم وطن کے بعد پاکستان میں جماعت اہل حدیث کی تنظیم نو میں آپ کے دل ودماغ نے زبردست کام کیا، اور حضرت مولانا داؤد غزنوی اور حضرت مولانا اسماعیل صاحب رحمہا اللہ تعالیٰ کے دایاں بازو بن کر کام کرتے رہے۔ پھر پاکستان کی مرکزی سلفی درس گاہ جامعہ سلفیہ فیصل آباد کے لیے سرگرم رہے۔

آپ ہی کی تحریک پر جناب حضرت مولانا عبید اللہ رحمانی مبارک پوری، شیخ الحدیث حفظہ اللہ نے مرعاۃ شرح مشکوۃ مرتب فرمائی۔ جس کی متعدد جلدیں منظرِ عام پر آچکی ہیں۔ خود آپ نے نسائی شریف کی تعلیقات مرتب فرمائیں۔ ائمہ کرام کی سوانحات پر حاشیے آپ نے لکھے، آخر میں بخاری شریف کا حاشیہ کا بھی آپ نے لکھوایا۔ آپ نے راقم الحروف سے متعدد بار اس خواہش کا اظہار فرمایا کہ وہ صحاح ستہ پر حلفی حاشیے لکھوانے کا عزم رکھتے ہیں۔ دار الدعوۃ السلفیہ قائم کیا۔ جس میں نادر اسلامی کتب کی تنقیح وترتیب کا کام شروع کیا

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اور اس کے ذریعے کئی کتابوں کو منظر عام پر لے آئے۔

مرحوم زبردست دینی و مسلکی حمیت کے حامل تھے۔ان سے آخری ملاقات گذشتہ رمضان میں دارالدعوۃ السلفیہ دفتر الاعتصام والی مسجد میں ہوئی۔مگر اس وقت حواس برابر کام نہیں کر رہے تھے۔تاہم اشارہ سے موصوف نے خیر وعافیت دریافت فرمائی۔

مجھ سے زبردست محبت کرتے تھے اور ہمیشہ خط وکتابت رکھتے تھے کہ کوئی اچھی کتاب شائع ہو تو ان تک پہنچائی جائے۔جماعتی حالات دریافت فرمائے،میرے والد حکیم عبدالشکور مرحوم سابق مدیر اخبار ''اہل حدیث'' دہلی اور ماموں حضرت مولانا عبدالجبار مرحوم شیخ الحدیث سے بڑی محبت اور تعلق رکھتے تھے۔اور مجھ سے ملاقات میں ہمیشہ ان کی جماعتی خدمات کا تذکرہ کرتے۔اللہ تعالیٰ مرحوم کی مغفرت فرمائے اور جماعت کو ان کا نعم البدل عطا کرے۔

والسلام

حکیم اجمل خاں

مدیر مجلّہ ''اہل حدیث'' دہلی

☆☆☆☆☆

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

3۔ حکیم عبدالرحمٰن آزاد، ناظم سیاسیات، مرکزی جمعیت اہل حدیث، پاکستان

مکرمی ومحترمی بھٹی صاحب!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

حضرت مولانا عطاء اللہ حنیف مرحوم جنھیں مرحوم لکھتے ہوئے قلم کانپتا اور دل لرزتا ہے ان کی وفات حسرت آیات سے علم وتحقیق کا ایک مینار گر گیا۔ خصوصاً ایسے وقت میں جب راسخ العلم اصحاب سے زمین اجنبی ہوتی جا رہی ہے اور محراب ومنبر پر ایسے لوگ اپنی بساط بچھا رہے ہیں جو علم کی جگہ موسیقی انداز خطابت تک محدود ہو کر رہ چکی ہے۔ مولانا کا وجود اہل علم کے لیے نعمت غیر مترکبہ تھا کہ وہ اپنی علمی تشنگی کو یہاں آ کر پورا کرتے اور الجھے ہوئے مسائل میں ان سے استفادہ کرتے۔

مولانا سے میرا تعلق نصف صدی سے زیادہ عرصہ تک رہا کانگریس کے دور میں ہم نے مل کر ماتم کیا تحریک آزادی کے آخری برسوں میں بھی ہم نے ایک ہی جذبے کے تحت کام کیا۔ پاکستان میں مرکزی جمعیت کی بنیاد سے لے کر آج تک ہمارا شعور متصادم نہ ہوا۔ جس کا یہ نتیجہ تھا کہ مرحوم جامعہ اسلامیہ میں امتحان کے لیے جب گوجراں والا تشریف لاتے تو میرے غریب خانہ پر ملاقات کے لیے ضرور تشریف لاتے۔

آج وہ ہمیشہ کے لیے ہم سے ایسے دور ہوئے ہیں کہ علم وتحقیق کے مخصوص انداز فکر کا ایک عظیم حصہ ہم سے چھن گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ مرحوم کو اپنے جوار رحمت میں جگہ دے اور عزیزم حافظ محمد شاکر کو صبر جمیل عطا فرمائے۔ آمین۔

شریک غم

حکیم عبدالرحمٰن آزاد، ناظم سیاسیات،

مرکزی جمعیت اہل حدیث، پاکستان

☆☆☆☆☆

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

4۔ مولانا حافظ عزیز الرحمٰن لکھوی، ریناله خورد

مکرمی ومحترمی بھٹی صاحب!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

شیخنا المکرم واستاذنا المعظم حضرت مولانا محمد عطاء اللہ حنیف کی وفات کا ازحد صدمہ ہوا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

اللہ تعالیٰ نے مرحوم کو جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے اور ان کی دینی خدمات کو قبول فرمائے اور ان کی دینی خدمات کو قبول فرمائے۔ مولانا مرحوم سے راقم کے دیرینہ مراسم اور تعلقات تھے۔ ایک تو مولانا مرحوم والد ماجد استاذ پنجاب مولانا عطاء اللہ لکھویؒ کے ارشد اور نامور تلامذہ میں سے تھے۔ دوم یہ کہ راقم کو مولانا کے ساتھ زانوئے تلمذ تہہ کرنے کا شرف حاصل تھا۔ لاہور میں جب بھی ان سے ملاقات کے لیے حاضر ہوتا۔ تو نہایت شفقت اور محبت سے پیش آتے اور ہمارے خاندان کے بزرگوں کے فرداً فرداً حالات پوچھتے۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ مولانا مرحوم کا نعم البدل عطا فرمائے۔ اور ان کے پسماندگان بالخصوص حافظ احمد شاکر کو صبر کی توفیق دے۔ آمین

حافظ عزیز الرحمٰن لکھوی

ریناله خورد

☆☆☆☆☆

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

5۔ مولانا عبدالواحد، جدہ، سعودی عرب

مکرمی ومحترمی بھٹی صاحب!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

اخبارات وجرائد میں یہ نہایت افسوس ناک خبر پڑھی کہ جماعت اہل حدیث کی مایہ ناز علمی شخصیت مولانا عطاء اللہ حنیف بھوجیانی انتقال کر گئے ہیں۔

انا لله وانا اليه راجعون.

مولانا مرحوم کی وفات کی خبر پڑھ کر بہت صدمہ ہوا۔ اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت فرمائے۔ اور ان کے لواحقین کو صبر واستقامت عطا فرمائے۔ آمین۔ مولانا مرحوم جماعت اہل حدیث کے لیے سرمایہ افتخار تھے۔ ایسی شخصیتیں روز روز جنم نہیں لیتیں۔ وہ ایک کامیاب مدرس، اچھے خطیب اور اعلیٰ درجہ کے محقق تھے۔ ہمارے اسلاف کی تصویر تھے۔ آپ کا علمی وعملی مقام بڑا اونچا تھا۔ تحقیق وتنقید اور ترجمہ وتنقیح میں یدطولیٰ رکھتے تھے۔ ان کی مختلف خدمات کا دائرہ بڑا وسیع ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کی مساعی جمیلہ کو قبول فرمائے۔ آمین۔

میری طرف سے جمیع احباب کو سلام مسنون۔

آپ کی دعاؤں کا متمنی

عبدالواحد

جدہ، سعودی عرب

☆☆☆☆☆

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

6۔ حاجی محمد اسماعیل، مولانا محمد شفیع ودیگر

مکرمی ومحترمی بھٹی صاحب!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

حضرت مولانا محمد عطاء اللہ حنیف بھوجیانی کی وفات کے متعلق اداریہ پڑھا۔ پڑھ کر بہت دکھ ہوا جیسے جیسے مضمون پڑھتا گیا، آنکھیں نم ہوتی گئیں، کلیجہ منہ کو آتا گیا، زمین پیروں کے نیچے سے کھسکتی معلوم ہونے لگی۔ آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھانے لگا۔ یا اللہ یہ کیا ہوا کہ تو ان مضبوط ستونوں کو (جو اہل حدیث کے لیے ایک ڈھال تھے) اٹھاتا جا رہا ہے۔ مولانا صاحبؒ کو تو میں نے نہیں دیکھا لیکن میرے والد صاحب جب بھی لاہور جایا کرتے تھے تو مولانا محمد عطاء اللہ سے کتابیں خرید کر لاتے تھے۔ والد صاحب بتاتے ہیں کہ میں اہل حدیث نہ تھا اس کے باوجود مولانا صاحب بڑے پیار محبت سے پیش آتے اور بڑی محبت سے فرماتے کہ یہ کتاب نئی آئی ہے بہت اچھی ہے اسے لے جایئے۔ والد صاحب کہتے ہیں کہ میں کتاب لے آتا اور پڑھتا، پھر جب ہم اہل حدیث ہوگئے (پہلے ہم بریلوی تھے) تو مولانا صاحب کو بتایا کہ اب ہم بھی آپ کی جماعت میں شامل ہوگئے ہیں۔ بہت خوش ہوئے۔ والد صاحب بتاتے ہیں کہ ایک مرتبہ مجھے رات لاہور میں رہنے کا اتفاق ہوا۔ مولانا صاحب نے بستر منگوا کے دیا، رات کا کھانا خود لے کر آئے، کچھ دیر باتیں کرتے رہے، پھر گئے، صبح پھر آئے اور کھانا لے کر آئے اور کھانا کھلایا، والد صاحب کہتے ہیں کہ میں نے ان سا سادہ اور خوش طبیعت انسان نہ دیکھا تھا وہ بے شک ولی اللہ تھے۔

اللہ تعالیٰ مولانا صاحب کی غلطیاں اور کوتاہیاں معاف فرما کر انھیں جنت میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے اور پسماندگان کو صبر جمیل کی توفیق دے۔ جمعیت اہل حدیث مورہ کے عہدے داران مولانا صاحب کے غم میں برابر کے شریک ہیں، جن کے نام یہ ہیں۔

حاجی محمد اسماعیل امیر، مولانا محمد شفیع ناظم، مولانا عبدالستار نائب ناظم، ڈاکٹر محمد صدیق خزانچی، سیکرٹری اطلاعات خاکسار محمد اجمل مغل۔

☆☆☆☆☆

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

حرف شناسی سے لفظ شناسی تک

حافظ احمد شاکر

حافظ احمد شاکر استاذی المکرّم حضرت مولانا محمد عطاء اللہ حنیف بھوجیانی کے فرزند ارجمند ہیں۔ ان کا حلیہ یہ ہے: پورا قد، چوڑا چہرہ، کشادہ پیشانی، موٹی آنکھیں، کھلا سینہ، گندمی رنگ، خوش کلام، خوش مزاج اور خوش خوراک، ملنسار، حسن اخلاق کے مالک، دوستوں کے دوست، مہمان نواز، سادہ مگر اچھا لباس۔ بہت عرصے سے ہفت روزہ ''الاعتصام'' کی زمام ادارت ان کے ہاتھ میں ہے۔ اخبار جاری رکھنا نہایت مشکل کام ہے۔ لیکن یہ نہایت مشکل کام وہ کسی نہ کسی طرح باقاعدگی سے کر رہے ہیں۔ قلم رواں ہے اور اداریے میں خوب صورت انداز میں اپنے نقطہ نظر کی وضاحت کرتے ہیں۔ اخبار کے علاوہ مصباح القرآن کے نام سے حفظ قرآن کا مدرسہ بھی جاری ہے، جس میں کتنے ہی بچے قرآن مجید حفظ کر چکے ہیں۔

حافظ صاحب کی ولادت ستمبر ۱۹۴۴ء میں ہمارے شہر کوٹ کپورہ میں ہوئی تھی۔ اس زمانے میں حضرت مولانا عطاء اللہ حنیف بھوجیانی فیروز پور میں اقامت گزیں تھے اور وہاں کی جامع مسجد اہل حدیث گنبداں والی میں خطابت وتدریس کا فریضہ انجام دیتے تھے۔ میری درخواست پر حافظ صاحب نے اپنے حالات میں یہ مضمون خود ہی لکھا ہے اور اس کا عنوان رکھا ہے۔ ''حرف شناسی سے لفظ شناسی تک'' مضمون اگرچہ مختصر ہے، تاہم اس اختصار میں بہت سی تفصیلات پنہاں ہیں جن سے یہ فقیر کافی حد تک آگاہ ہے۔ آیئے اس خوب صورت عنوان کے خوب صورت مضمون کا مطالعہ کرتے ہیں۔

(محمد اسحاق بھٹی)

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

حضرت والد صاحبؒ کے بتانے کے مطابق میری ولادت ۱۳۶۳ھ رمضان المبارک کو کوٹ کپورہ ریاست فرید کوٹ میں ہوئی جو اندازے کے مطابق ستمبر ۱۹۴۴ء بنتی ہے۔ ولادت کے بعد چھے ماہ تک میری صحت بہت اچھی رہی، پھر اس کے بعد میں دق الاطفال (سوکڑا) کی بیماری میں مبتلا ہوگیا جو دو سال تک رہی جس نے عمر بھر کے لیے اعضائے رئیسہ کمزور کر دیے۔ اس حساب سے قیام پاکستان ۱۹۴۷ء کے وقت میری عمر تین سال تھی۔ فیروز پور سے ہجرت کرنے کے بعد والد صاحبؒ گوندلاں والا منتقل ہوگئے۔ یہاں کے مختصر عرصے کی رہائش اور میرے چھوٹے بھائی محمد کی وفات مجھے یاد ہے۔ بعدازاں ہم لاہور چینیاں والی مسجد میں منتقل ہوگئے، جہاں اس وقت قاری فضل کریم صاحب مرحوم پڑھاتے تھے۔ نیز ان کے ساتھ قاری محمد اسماعیلؒ بھی فریضہ تدریس ادا کرتے تھے۔ وہاں قیام کا عرصہ میرے ذہن میں نہیں، غالباً چند ماہ ہی ہوگا۔ بعدازاں حضرت مولانا محمد داؤد غزنویؒ کے حسب ارشاد والد صاحب شیش محل روڈ لاہور کے مکان میں منتقل ہوگئے کیوں کہ وہ اس وقت دارالعلوم تقویۃ الاسلام کی مسند صدر المدرسین پر فائز تھے۔ ہم اب تک جہاں آئے تھے، وہیں رہ رہے ہیں۔

ابتدائی قاعدہ اور ناظرہ قرآن مجید کا اکثر حصہ والدہ مرحومہ سے پڑھا اور کچھ والد صاحب سے بھی۔ صحت کمزور تھی اس لیے ناظرہ پڑھتے پڑھتے دیر ہوگئی۔ ان دنوں دارالعلوم تقویۃ الاسلام میں حضرت والد صاحب سے مولانا ابوبکر صدیق سلفی پڑھا کرتے تھے۔ انھوں نے اردو لکھائی پڑھائی اور حساب کی شد بہ کے لیے مجھے ان کے پاس بھیجنا شروع کر دیا۔ اس دوران ناظرہ پڑھتا رہا۔ قرآن کریم جب نصف ہوا تو والدین رحمۃ اللہ علیہم نے شیرینی تقسیم کی اور ختم قرآن پر بھی اپنی حیثیت کے مطابق گھر میں زردہ پکا کر ان حالات کے مطابق پرتکلف دعوت کا اہتمام کیا۔

والدہ مرحومہ کی خواہش تھی کہ میں حفظ قرآن قاری فضل کریم سے کروں، لیکن عمر چھوٹی، صحت کمزور اور فاصلہ زیادہ ہونے کے باعث یہ نہ ہوسکا۔ شیش محل روڈ کے آس پاس بھی کوئی مدرسہ نہ تھا اس لیے شیش محل روڈ کے مغربی جانب ارائیں بلڈنگ کے قریب کی مسجد

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

میں قاری غلام محی الدین امام مسجد تھے جو بچوں کو حفظ بھی کراتے تھے۔ والد صاحبؒ نے مجھے وہاں داخل کرا دیا۔ میرے ساتھ میرے محلے کے گجر برادری کے دو ہم عمر ساتھی محمد یونس اور محمد اسماعیل بھی تھے۔ انھوں نے غالباً پانچ چھے پارے حفظ کر کے چھوڑ دیا تھا لیکن میری پڑھائی جاری رہی۔ سوہ کہف پر میرا سبق تھا کہ مجھے شدید قسم کا ٹائیفائیڈ ہوگیا جو ۲۱ دن بعد ٹوٹا۔ میں چوں کہ پہلے ہی کمزور تھا اس لیے مزید کمزور ہوگیا۔ اس کے بعد والدہ رحمہا اللہ اکتوبر ۱۹۵۶ء کی گوجراں والا میں منعقدہ مرکزی جمعیت اہل حدیث کانفرنس کے بعد بیمار ہوگئیں جو چھے ماہ تک بیماری میں مبتلا رہ کر ۱۹۔اپریل ۱۹۵۷ء کو وفات پا گئیں۔

انا للہ وانا الیہ راجعون۔

ان کی بیماری کے آخری ایام یعنی شعبان ۱۳۷۷ھ میں میرے حفظ قرآن کے اختتام کی تقریب کا گھر ہی میں اہتمام کیا گیا جس میں میرے استاد گرامی قاری غلام محی الدین مرحوم اور تایا جی حافظ قاری محمد عبداللہ، مولانا محمد داؤد غزنوی اور مولانا محمد اسماعیل رحم اللہ کی شرکت یاد ہے۔ ان کے علاوہ بھی بہت سے بزرگ تھے جن کے نام مجھے یاد نہیں۔ مہمانوں کی تواضع آب زم زم اور مدینہ منورہ کی ان کھجوروں سے کی گئی جو تایا جان حافظ قاری محمد عبداللہ بھوجیانی ایک سال قبل حج سے واپسی پر لائے تھے اور غالباً دیگر مٹھائیاں بھی تھیں۔ والدہ کا شوق تو بڑی دعوت کا تھا لیکن ان کی طویل بیماری اور حالات کی ناسازگاری کے باعث ان کی یہ آرزو تشنہ تکمیل ہی رہی۔

مولانا محمد داؤد غزنوی دارالعلوم تقویۃ الاسلام میں والد صاحب کو بطور شیخ الحدیث لائے تھے لیکن (والد صاحب نے خود کو شیخ الحدیث کبھی کہا نہ سمجھا بلکہ مجھے بطور وصیت اپنے نام کے ساتھ لفظ شیخ الحدیث لکھنے سے منع کر دیا تھا) وہ خود کو صدر المدرسین کہلاتے تھے۔ لیکن کچھ عرصے بعد مولانا غزنویؒ نے تحشیہ حدیث کی طرف ان کی توجہ مبذول کرائی جس کو انھوں نے فوراً قبول کر لیا کہ یہ ان کی زندگی کا مقصد بھی تھا۔ مولانا غزنوی نے اعزازیہ برقرار رکھنے کا فرمایا لیکن کچھ ہی عرصے کے بعد اعزازیہ دینے سے بوجوہ معذرت فرمالی۔ ان حالات میں

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اس وقت والد صاحب کا کوئی باقاعدہ ذریعہ معاش نہ رہا جب کہ اس عالم میں انھوں نے التعلیقات السلفیہ علی سنن النسائی کا تحشیہ ترتیب دیا اور کتابت بھی شروع کرادی تھی، نیز اس عرصے میں انھوں نے المکتبۃ السلفیۃ بھی باقاعدہ شروع کر دیا تھا جس کی پہلی کتاب شاہ ولی اللہؒ کی الفوز الکبیر فی اصول التفسیر مختصر حواشی کے ساتھ مولانا عبدالقادر ندوی مرحوم کے تعاون سے شائع بھی ہو چکی تھی۔ اس کے بعد حیات ولی، پیارے رسول کی پیاری دعائیں جیسی کتابیں منظر عام پر آئیں۔ یہ سب اشاعتی کام قرض حسنہ یا مضاربت کی بنیاد پر ہوئے تھے۔ جہاں تک مجھے یاد پڑتا ہے ہمارے گھر میں صرف وہ پیسے آتے تھے جو حافظ عبدالرحمان گوہڑویؒ احاطہ تھانیدار خان بہادر نجم الدین کے گھر سے جزوقتی تدریس کے عوض لے کر آتے تھے۔ اس عرصے، یعنی اکتوبر ۱۹۵۶ء میں والدہ علیل ہوگئیں، ان کا علاج بھی قرض پر چلتا رہا۔ ساتھ ہی ساتھ سنن نسائی کی طباعت بھی شروع ہو چکی تھی اور ان کی وفات سے پہلے یا اس سے کچھ بعد سنن نسائی کی طباعت بھی مکمل ہوگئی تھی۔

رمضان المبارک ۱۳۷۷ھ میں والدہ کی وفات ہوئی تھی۔ اسی شوال ۱۳۷۷ھ میں والد صاحب مجھے مدرسہ تجوید القرآن کوچہ کندیگراں موتی بازار لاہور میں قاری فضل کریم صاحب کی خدمت میں منزل کی دہرائی کے لیے چھوڑ آئے تھے۔ ایک سال مدرسہ تجوید القرآن میں دونوں وقت جاتا رہا اور پہلا رمضان ۱۳۷۸ھ کا میں نے مسجد عزیز یہ مصری شاہ میں تراویح میں سنایا۔ محراب پہلا تھا، منزل بھی کچی پکی تھی اور زبان میں لکنت بھی بہت زیادہ تھی۔ میاں عبدالمجید مالواڈاؒ مسجد کے متولی تھے، وہ تراویح وہیں پڑھتے تھے۔ مسجد کے نمازیوں نے بڑی برداشت اور حوصلے سے میرا قرآن سنا جس کے لیے میں ان کا ہمیشہ شکرگزار رہا ہوں۔

۱۳۷۸ھ کے شوال سے میں نے مدرسہ تجوید القرآن ایک وقت جانا شروع کر دیا اور مدرسے سے واپسی پر انارکلی میں سید انور حسین نفیس رقم کی خدمت میں خوش خطی اور فارسی پڑھنے کے لیے حاضر ہونے لگا۔ خطاطی الف، ب، ج، د، ر سے آگے نہ بڑھی اور فارسی کے بھی چند ہی سبق پڑھ سکا اور پھر افسوس کہ یہ سلسلہ جاری نہ رہ سکا۔ ظہر کے بعد حضرت حافظ

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

محمد اسحاق صاحبؒ کو ابواب الصرف یاد کر کے سنانا شروع کر دی اور بعد عصر حافظ عبدالرحمٰن گوہڑویؒ سے عربی کا معلم پڑھنے لگا۔ اسی سال یعنی ۱۳۷۸ھ میں مدرسہ تجوید القرآن میں مولانا قاری سید حسن شاہ صاحب مرحوم بطور مدرس تجوید تشریف لائے۔ جن چند طلباء نے ان سے ترتیل قرآن کی مشق شروع کی ان میں سے یہ احقر بھی تھا۔ شاہ صاحبؒ نے سورہ فاتحہ کی مشق شروع کرائی۔ سورہ فاتحہ ابھی آدھی ہوئی تھی کہ سال ختم ہوگیا اور مدرسہ تجوید القرآن میں میری باقاعدہ حاضری بھی ختم ہوگئی لیکن حضرت شاہ صاحب کی توجہ، شفقت اور محنت سے نصف سورہ فاتحہ سے قرآن مجید کی مکمل صحت لفظی یعنی مخارج وصفات کی ادائیگی کی راہنمائی مل گئی۔

غفرلهم الله تعالیٰ اجمعین

رمضان ۱۳۷۹ھ میں دوسرا محراب سنانے کے لیے مجھے پتوکی اس وقت ضلع لاہور (اب ضلع قصور) شیخاں والی مسجد میں بھیجا گیا جس کے خطیب وامام مولوی محمد بشیر صاحب تھے۔ انھوں نے بڑی محبت اور شفقت سے رہائش اور کھانے کا اپنے گھر میں اہتمام کیا۔ وہاں ختم قرآن کے دن آندھی اور بارش کے باوجود سائیکل پر ۸ کلومیٹر کا سفر کر کے گوہڑ سے حافظ عبدالرحمٰن گوہڑویؒ کے والد مرحوم حاجی باماں تشریف لائے جس سے مجھے بڑا حوصلہ ملا۔ ان کی یہ شفقت مجھے ہمیشہ یاد رہی۔

شوال ۱۳۷۹ ہجری میں درس نظامی کی تعلیم کے لیے حضرت والد صاحب سامان وغیرہ لے کر اوکاڑہ کے کسی دینی مدرسے میں داخلے کے لیے لے گئے۔ وہاں جامعہ محمدیہ میں ان دنوں حافظ محمد بھٹوی مرحوم شیخ الحدیث تھے اور مولانا معین الدین لکھوی مرحوم ومغفور ناظم۔ ان دونوں بزرگوں نے والد صاحب کو مشورہ دیا کہ احمد کو آپ لاہور اپنے پاس ہی پڑھائیں۔ لیکن والد صاحب کی یہ شدید خواہش تھی بلکہ ایک بنیادی نکتہ تھا کہ دینی تعلیم گھر سے باہر رہ کر مدارس میں داخل ہو کر ہی صحیح طور سے حاصل ہو سکتی ہے، اس لیے وہ مجھے اپنے استاد گرامی حضرت مولانا عبدالجبار کھنڈیلویؒ کی خدمت میں لے کر گئے تو انھوں نے حکماً فرمایا کہ احمد کو

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کافیہ تک وہیں لاہور میں پڑھائیں۔ پھر حدیث پڑھنے کے لیے میرے پاس بھیج دینا۔ اس کے بعد والد صاحب مجھے واپس لاہور لے آئے اور دارالعلوم تقویۃ الاسلام میں داخل کرا دیا جہاں اس وقت مولانا حافظ محمد اسحاق شیخ الحدیث، مولانا حافظ عبدالرشید گوہڑوی، مولانا عبدالرشید صاحب مجاہد آبادی اور مولانا محمد خان جیسے اکابر تدریس کی مسندوں پر رونق افروز تھے۔ میں نے پہلے سال میں نحومیر، صرف میر، بلوغ المرام، الطریقۃ السہلہ حافظ عبدالرشید صاحب گوہڑویؒ سے، ترجمہ قرآن مولانا عبدالرشید مجاہد آبادی سے، ابواب الصرف حافظ محمد اسحاقؒ سے پڑھیں۔ حافظ عبدالرحمٰن گوہڑویؒ سے بعد نماز عصر عربی کا معلم کے بعض حصے پڑھے۔ تیسرا محراب ۱۳۸۰ھ کا میں نے حاجی محمد ادریس بھوجیانی کی خواہش پر ٹوبہ ٹیک سنگھ میں سنایا۔ اس دوران المکتبۃ السلفیہ کو والد صاحب اور حافظ عبدالرحمٰن چلاتے رہے۔ مجھے ان کی شراکت کی تفصیلات کا کوئی علم نہیں۔ شوال ۱۳۸۰ھ میں دارالعلوم تقویۃ الاسلام ہی میں پڑھائی شروع کر دی اور مشکوٰۃ شریف اول، ہدایۃ النحو، القرأۃ الرشیدہ حافظ عبدالرشید صاحب گوہڑوی سے اور شرح مائۃ عامل، ترجمہ قرآن مجید اور بعض دیگر کتابیں مولانا عبدالرشید مجاہد آبادی سے پڑھیں۔ رمضان ۱۳۸۱ھ میں میرا چوتھا محراب تھا جو میں نے لاہور آؤٹ فال روڈ میں میاں دین محمد مرحوم کی کوٹھی میں سنایا اور اگلے سال پھر دارالعلوم تقویۃ الاسلام میں داخل ہوا اور اس سال مدرسے میں حافظ محمد اسحاق صاحب مرحوم سے مشکوٰۃ نصف ثانی اور مولانا عبدالرشید صاحب سے تفسیر جامع البیان، فصول اکبری، حافظ عبدالرشید صاحب سے کافیہ، القرأۃ الرشیدہ، ترجمتین اور ظہر کے بعد والد صاحب سے سنن نسائی، اور شرح نخبۃ الفکر پڑھنا شروع کر دیا۔ ۱۳۸۲ھ میں پھر دارالعلوم تقویۃ الاسلام میں اصول الشاشی، مقامات حریری وغیرہ مولانا عبدالرشید صاحب سے اور القرأۃ الرشیدہ، ترجمتین وغیرہ حافظ عبدالرشید گوہڑوی سے اور سنن ترمذی حضرت مولانا حافظ محمد اسحاق صاحب سے پڑھنا شروع کر دیں اور ظہر کے بعد گھر میں والد صاحب سے موطا امام مالک اور سنن ابن ماجہ پڑھنے لگا۔ مشکوٰۃ جلد ثانی اور سنن ترمذی میں ہماری جماعت کم وبیش پندرہ ساتھیوں پر

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مشتمل تھی جن میں حافظ صلاح الدین یوسف، مولوی عطاء اللہ بمبو چک (فیصل آباد)، حافظ محمد اشرف سعید، مولوی عطاء الرحمان مرحوم، حافظ عبدالمجید کرولوی، مولوی عبداللطیف کرولوی مرحوم، مولوی محمد لقمان، حکیم محمد جمیل مرحوم، مولوی عبدالواحد سلفی بیروی، مولوی نذیر احمد بیروی، امان اللہ گل، مولوی سعد اللہ مرحوم، مولوی امین گوہڑوی مرحوم وغیرہ شامل تھے۔ حافظ صاحب کا اندازِ تدریس تو کامل و مدلل ہوتا ہی تھا لیکن حافظ صاحب کی طلباء سے شفقت ایک گراں مایہ نعمت تھی اور تربیت ونگرانی اس پر مستزاد۔

۱۳۸۳ھ کا محراب میں نے اپنے خالو مولوی عبدالکریم مرحوم کی خواہش پر سنجھورو (ضلع سانگڑھ سندھ) میں سنایا جہاں میری سگی خالہ تھیں جن کی شادی اپنی خالہ کے گھر ہوئی تھی جو رشتے میں میری نانی تھیں۔ یہاں میں ایک دو ناغوں کے ساتھ کم وبیش دس سال تراویح سنانے کے لیے جاتا رہا۔ اس وقت میری نانی مرحومہ کے سات بیٹے عبدالکریم، عبدالرحمٰن، عبدالواحد، محمد یوسف، محمد علی، عبداللطیف اور عبدالشکور حیات تھے اور ایک بیٹا عبدالغفور وفات پا چکا تھا۔ اب ان میں سے صرف آخر الذکر دو بھائی عبداللطیف اور عبدالشکور بقید حیات ہیں۔ ان کے والد میاں محمد عبداللہ، حضرت شاہ محمد شریف گھڑیالوی کے مرید اور مولانا عبدالواحد غزنویؒ سے فیض یافتہ تھے۔ وہ بہت متدین اور مزاج کے سخت تھے لیکن اتنے ہی عابد وزاہد بھی تھے۔

شوال ۱۳۸۳ھ کو دارالعلوم تقویۃ الاسلام میں داخل ہو کر سنن ابی داؤد وغیرہ شروع کی ہی تھیں کہ بعض وجوہ کی بنا پر دارالعلوم سے مجھے تعلیم ترک کرنی پڑی تو والد صاحب مجھے جامعہ مدنیہ لے گئے جس کا دفتر تو مسلم مسجد بیرون لوہاری گیٹ تھا لیکن اس کی تعلیم جامع مسجد نیلا گنبد میں تھی۔ مولانا حامد میاں مرحوم نے داخلے کے حکم کے ساتھ نیلا گنبد میں جماعت کی تعیین کے لیے مولانا محمد اسلم کی خدمت میں بھیج دیا۔

شرح وقایہ مولانا حامد میاں خود پڑھاتے تھے۔ نورالانوار مولانا دین محمد سے، شرح جامی مولانا حکیم عبدالحکیم سے اور مرقات مفتی عبدالحمید سے پڑھنا شروع کر دیں۔ مرقات کے بعد

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مولانا نے شرح تہذیب بھی پڑھا دی۔ منطق میں مولانا کے صاحب زادے مفتی عبدالرشید میرے ہم سبق تھے۔ اس احقر پر مولانا حامد میاں کی شفقت اس قدر تھی کہ مجھے صبح اپنے گھر (تکیہ جانی شاہ مزنگ) حاضر ہو کر سبق کی تکرار کا حکم فرماتے اور اپنے اس ناکارہ شاگرد کو ناشتہ بھی اپنے گھر سے کرواتے۔ رحمہ اللہ رحمتہ واسعتہ۔

۱۹۶۴ء یعنی ۱۳۸۲ھ شوال تا ۱۳۸۵ھ شعبان جامعہ مدنیہ میں قطبی مفتی عبدالحمید صاحب سے، میبذی (کا کچھ حصہ) مولانا ظہور الحق صاحب سے، ہدایہ اولین اور مختصر المعانی مولانا کریم اللہ سے، مختصر المعانی کے کچھ اسباق حکیم محبوب الٰہی سے پڑھے۔ ہدایہ اولین اور مختصر المعانی میں مولانا عبدالسلام کیلانی اور شیخ الحدیث مولانا حافظ ثناء اللہ مدنی حفظہ اللہ میرے ہم سبق تھے۔ پھر ۱۹۶۵ء میں جامعہ اسلامیہ گوجراں والا میں داخلہ لے کر مولانا ابوالبرکات احمد ؒ سے صحیح بخاری، شرح نخبۃ الفکر (مکمل) سراجی..... ذوی الارحام تک..... مختصر المعانی کے تینوں فن، حسامی اور مولانا نذیر احمدؒ آف کھوکھر کے سے صحیح مسلم پڑھی۔ اسی سال (۱۹۶۵ء) میں پاک بھارت جنگ ہوئی جس کا پہلا ہفتہ میں نے لاہور میں گزارا۔

۱۹۶۵ء میں قیام گوجراں والا کے زمانے میں جامع مسجد اہل حدیث چوک نیائیں میں تجوید وقرأت کی جماعت کا آغاز ہوا جسے قاری محمد اسلم صاحب مرحوم پڑھاتے تھے۔ قاری صاحب سے مدرسہ تجوید القرآن کوچہ کندیگراں میں ہم مسلک ہونے کی وجہ سے تعارف تھا۔ وہاں ملاقات ہوئی تو روایت حفص پڑھنے کا مشورہ دیا بلکہ اصرار کیا تو والد صاحبؒ سے اجازت لے کر نماز ظہر کے بعد قرأت کے اسباق میں حاضر ہونا شروع کر دیا، جس میں قاری عبدالرحیم طور، قاری محمد اکرام اور قاری محمد شفیق میرے شریک سبق تھے۔ آخر الذکر دونوں رفقاء نابینا تھے۔ اس جماعت کا امتحان محترم المقام قاری فضل کریم صاحب مرحوم نے لیا تھا اور مدرسہ محمدیہ شعبہ تجوید کی پہلی سند بھی اس احقر کے نام جاری ہوئی تھی، جس پر استاد گرامی کے علاوہ محترم المقام ممتحن قاری فضل کریم کی مہر اور مخدومنا المکرم مولانا محمد اسماعیل سلفیؒ کے دستخط ثبت ہیں۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مروجہ تعلیم سے فراغت (جو دراصل علوم سے تعارف ہوتا ہے) کے بعد والد صاحبؒ کی خواہش تھی کہ میں حفظ قرآن کی تعلیم دوں۔ گوجراں والا میں تعلیم کے دوران ذی القعدہ میں گوندلاں والا میں اپنے عزیزوں کے ہاں میری شادی ہو چکی تھی اور رمضان المبارک ۱۳۸۶ھ جنوری ۱۹۶۶ء میں عزیزم حماد کی ولادت بھی ہو چکی تھی۔ والد صاحب نے شاد باغ شمالی لاہور کی ایک مسجد میں بات بھی کر لی تھی لیکن (ماشاء اللہ کان و مالم یشا لم یکن) کے تحت نہ ہو سکا۔ پھر مجھے المکتبۃ السلفیہ میں حافظ عبدالرحمٰن گوہڑوی کی نگرانی میں بٹھا دیا گیا۔ یہاں یہ عرض کر دوں کہ والد صاحبؒ نے ۱۹۶۴ء میں المکتبۃ السلفیہ کے سامنے کرائے کا مکان لے کر اہل محلّہ کے بچوں کے لیے حفظ قرآن کی تعلیم کا اہتمام کر لیا تھا جس کے پہلے مدرس قاری فضل الرحمٰن تھے۔ بعد میں پنڈی گھیپ کے ایک بزرگ استاد قاری محمد نواب صاحب تشریف لائے جن کی تدریس اتنی نتیجہ خیز تھی کہ اس کے بعد کسی اور استاد کی تدریس کا ایسا نتیجہ نہ نکل سکا۔ ان کی شفقت اور ترغیب سے علی الصبح حفظ قرآن کے طلبا کا سبق سننے، اور نیا سبق دہرانے کی خدمت کی توفیق رب رحیم وکریم نے مجھے عطا فرمائی جو افسوس کہ چند سالوں سے زیادہ جاری نہ رہ سکی۔ پھر ۱۴۰۱ھ۔۱۴۰۲ھ میں دارالعلوم تقویۃ الاسلام میں علی الصبح دو گھنٹے کی تدریس کا اللہ تعالیٰ نے موقع عطا فرمایا جس میں شرح نخبۃ الفکر (مکمل)، اصول الشاشی (مکمل)، ہدایۃ النحو، ترجمہ قرآن کے علاوہ شاید تلخیص المفتاح یا مختصر المعانی دہرانے کا موقع بھی ملا۔ تیسرے سال میں مقامات حریری جیسے اسباق شروع ہوئے لیکن افسوس کہ تدریس کا تسلسل جاری نہ رہ سکا۔

حافظ احمد شاکر صاحب کی اولاد کا مختصر تعارف:

حافظ احمد شاکر صاحب کو اللہ تعالیٰ نے پانچ بیٹے اور ایک بیٹی کی اولاد سے نواز رکھا ہے۔

سب سے بڑے بیٹے کا نام حافظ حماد شاکر ہے۔ ''شاکرین'' جیسے اشاعتی اور کاروباری فرم کی نگرانی انھی کے ذمے ہے۔ انھوں نے دینی تعلیم پیر محمد محبّ اللہ شاہ راشدی اور پیر سید بدیع الدین شاہ راشدی آف سندھ کے مدرسے سے حاصل کی۔ علاوہ ازیں دارالحدیث

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جلال پور پیروالا ملتان سے بھی تعلیم حاصل کی ہے۔

دوسرے بیٹے کا نام عباد شاکر ہے۔ یہ بھی مکتبہ سلفیہ سے منسلک ہیں۔ ایف۔ایس سی تک تعلیم حاصل کی ہے۔

تیسرے بیٹے خلاد شاکر صاحب ہیں۔ حفظ قرآن کی تعلیم حاصل کی ہے۔ اپنا کاروبار کرتے ہیں۔

چوتھے بیٹے کا نام ہناد شاکر ہے۔ یہ بھی اپنا کاروبار کرتے ہیں اور دارالکتب السّلفیہ اردو بازار چلا رہے ہیں، اس کے علاوہ برڈز ایسوسی ایشن لاہور کے عہدے دار بھی ہیں۔

پانچویں بیٹے کا نام جواد شاکر ہے مکتبہ سلفیہ ہی میں اپنے آبائی کام میں مشغول ہیں۔

☆☆☆☆☆

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سال بیت گیا!

لمحے، منٹ، دن، ہفتے، مہینے اور پھر۔۔۔ سال بیت گیا۔ محمود غزنوی نے اپنے غلام ایاز سے کہا کہ کوئی ایسا جملہ لکھو جسے پڑھ کر اگر میں خوش ہوں تو غم زدہ ہو جاؤں اور اگر غم زدہ ہوں تو خوش ہو جاؤں۔ ایاز، جو اپنی ذہانت و فطانت میں ید طولیٰ رکھتا تھا، نے لکھا

''یہ وقت بھی گزر جائے گا''

وقت، وقت تو گزر ہی جاتا ہے کہ

شمع ہر رنگ میں جلتی ہے سحر ہونے تک

جہاں وقت کو زخموں کا مرہم گردانا جاتا ہے، وہاں وقت ایک بہت بڑے انقلاب کا پیش خیمہ بھی ہے، وہ انقلاب ذہنی، جسمانی، معاشی اور معاشرتی سبھی پہلوؤں پر اثرات مرتب کرتا ہے۔

ابو جی کے جانے سے جہاں ادبی و مذہبی دنیا کا ایک ادیب، ایک عالم، ایک ادارہ، ایک انسائیکلو پیڈیا، تاریخ کا ایک روشن باب بند ہو گیا ہے۔ وہاں ایک مشفق، ملنسار، منکسر المزاج، عجز و عاجزی کا پیکر۔۔۔ اور رعب و دبدبے کا مالک، یتیم، بیوہ اور غریبوں کی امید اور آسرا۔۔۔ بھی رخصت ہو گیا۔ جہاں ادبی حلقہ اور بالخصوص اہل حدیث طبقہ ان کی کمی کو محسوس کر رہا ہے وہاں ان کے اہل خانہ، محلے دار، رشتے دار اور تعلق دار بھی اپنی زندگیوں میں ایک خلا کا احساس رکھتے ہیں۔ ایک طرف تو ان کی ذات اور خدمات پر مضامین لکھے جا رہے ہیں، رسائل و جرائد خصوصی نمبر شائع کر رہے ہیں۔ محفلوں، مجلسوں، بزموں اور میٹنگوں میں ان کا ذکر ہو رہا ہے، مغفرت کی دعائیں کی جا رہی ہیں تو دوسری طرف ہر خوشی اور غم کے موقع پر بھی ان کا تذکرہ ہو رہا ہے۔

ابو جی کی وفات کے بعد ۷۔ جنوری ۲۰۱۶ء کو والد محترم (سعید احمد بھٹی) اور والدہ

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

محترمہ (اہلیہ سعید احمد بھٹی) نے عمرے کی ادائیگی کے لیے سعودی عرب روانہ ہونا تھا۔ ان کا عمرے پہ جانا خوشی کا باعث تھا۔ لیکن سب رو رہے تھے۔ حسان نے گورنمنٹ اسلامیہ کالج سول لائنز، لاہور میں بطور C.T.I کام کر کے جو معاوضہ وصول کیا تھا وہ لا کر ابو جی کو پکڑا دیا تھا۔ حسان کو ملنے والی اس رقم سے ابو جی بہت خوش ہوئے اور از راہ مزاح پوچھا کہ تم اتنے پیسوں کا کیا کرو گے؟ تو حسان نے کہا: ہم (یعنی ابو جی اور حسان) عمرہ کر آتے ہیں۔ حسان کی اس تجویز پر خوش تو ہوئے لیکن معذرت کر لی اور "پھر کبھی" جانے کا وعدہ کر لیا (لیکن وہ پھر کبھی نہ آسکی)۔ حسان کے ذہن میں والدین کو عمرہ ادا کروانے کا خیال سوجھا اور اس نے ابو جی کے سامنے پیش کر دیا تو وہ مزید خوش ہوئے ..... اور ان دونوں کو فوراً تیاری کا حکم بھی صادر فرما دیا۔ سب کام مستعدی سے ہو رہے تھے اور اب وہاں کی باتیں کرتے، ساتھ لے جانے والا ضروری سامان بتاتے، ذکر و اذکار یاد کرنے کی تلقین کرتے ..... سب جاری تھا۔۔۔ لیکن جب عمرے پر روانگی کا وقت آیا تو اس وقت ابو جی نہیں تھے۔

قدرت کے فیصلے دیکھیے ۷۔ جنوری کو والدین کے عمرے پر چلے جانے کے بعد بھی ریان کا ڈائیریا ٹھیک نہیں ہوا تھا۔ اس لیے ۸۔ جنوری کو ایک پرائیویٹ ڈاکٹر کے کہنے پر میو ہسپتال لے گئی۔ انھوں نے آؤٹ ڈور ایمرجنسی میں دو ڈرپس لگانے کے بعد کہا کہ ابھی یہ بچہ مکمل صحت یاب نہیں ہوا۔ اگر آپ چاہتی ہیں کہ مکمل ٹھیک ہو جائے تو پھر داخل ہو جائیں، میں اس گمان میں کہ ایک آدھ دن یہاں رہنے کے بعد جب ریان بالکل ٹھیک ہو جائے گا تو ہم گھر چلے جائیں گے لیکن خدا کو کچھ اور ہی منظور تھا۔ اسے رات ایک، ڈیڑھ بجے I.C.U میں داخل کر لیا گیا اور وہ ۱۳۔ جنوری کو میو ہسپتال کے I.C.U ہی سے ابو جی کے پاس چلا گیا۔ اس سے ۲۱ دن پہلے ۲۲۔ دسمبر کو ابو جی بھی میو ہسپتال کے I.C.U ہی سے ہمیں چھوڑ گئے تھے۔ ابو جی محمد ریان کو دیکھنے کے بہت خواہش مند تھے اور میں ان سے محمد ریان کے کان میں اذان دلوانے کی تمنائی، لیکن ایسا نہیں ہو سکا۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کہوں کس سے میں کہ کیا ہے، شبِ غم بری بلا ہے
مجھے کیا برا تھا مرنا، اگر ایک بار ہوتا

جب قرآن نے کہہ دیا:

کل نفس ذائقة الموت

تو پھر اللہ کا اختیار ہے کہ جس کو جس عمر میں چاہے واپس بلا لے کہ

انا لله وانا اليه راجعون .

اسی دن ہمارے ہمسائے خالو جی محمود الحسن گیلانی جو شاہ صاحب کے نام سے جانے جاتے تھے۔ ۱۳ دن ہسپتال داخل رہنے کے بعد اپنے خالق حقیقی سے جا ملے۔ ابو جی کا شاہ صاحب سے کم وبیش ۵۰ سال کا ساتھ تھا۔ انھوں نے اب بھی ساتھ نبھا دیا اور ۲۱ دن بعد دونوں پھر ساتھ ہو گئے۔ ۳۱۔ دسمبر کو گھر آئے تو والد محترم نے انھیں کہا کہ آپ بھی ابو جی کے متعلق اپنے تاثرات درج کر دیں، تو انھوں نے یہ الفاظ تحریر کیے۔

بسم الله الرحمن الرحيم

اللہ تعالیٰ کے خاص بندے، عالم دین، دنیا کے لیے، عوام الناس کے لیے اللہ تعالیٰ نے خاص الخاص آدمی بھیجا، جس کا نام تھا محمد اسحاق بھٹی صاحب۔ ہم ۱۹۶۷ء سے ہمسائے رہے ہیں۔ میرا نام سید محمود الحسن گیلانی ہے۔ ہمسائے ہونے کے ناطے زندگی بھر خوش اسلوبی، محبت پیار سے دن گزرے ہیں۔ تمام اہل خانہ، بھائی، بھتیجے ہم سب ایک دوسرے سے شفقت اور محبت سے رہے ہیں۔ نبی پاک ﷺ کی حدیث مبارکہ کے عین مطابق ہمسائے اور اہل علاقہ سے جس وقت بھی اور جہاں بھی ملاقات ہوئی نہایت ہی خندہ پیشانی سے ملے۔ آج مورخہ ۳۱۔ دسمبر ۲۰۱۵ء کا دن ہے آج سے ۱۰ دن پہلے مورخہ ۲۲۔ دسمبر ۲۰۱۵ء کو وہ قضائے الٰہی سے اپنے مالک حقیقی سے جا ملے ہیں۔ دنیاوی لحاظ سے دکھ تو ہے کہ نیک سیرت عالم دین، محبت پیار کرنے والا، دکھ

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سکھ میں ساتھ دینے والا دنیا فانی سے جا چکا ہے۔ مگر اصل مکان یہی ہے۔

جھوٹے گھر کو گھر کہیں سچے گھر کو گور
ہم چلے گھر اپنے لوگ مچاندے شور

میں ان کے لیے ان کے حق میں دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ ان کو جنت الفردوس میں جگہ دے، قبر کی منزلیں آسان کرے اور نبی پاک ﷺ کی زیارت نصیب ہو۔ (آمین۔ ثم آمین)

دعا گو
سید محمود الحسن گیلانی
۳۱۔ دسمبر ۲۰۱۵ء

مندرجہ بالا تحریر سے ان کی ذات کا یہ گوشہ منکشف ہوا کہ خالو جی حکمت اور پیری مریدی کے ساتھ ادبی ذوق بھی رکھتے تھے۔

کسی کے جانے سے دنیا کا نظام رک نہیں جاتا لیکن چاہنے والوں کو بدلتا ہوا ضرور محسوس ہوتا ہے۔ ڈاک اب بھی آتی ہے لیکن نام میں ترمیم کے ساتھ۔ کوئی صاحب برادر محمد اسحاق بھٹی لکھتے ہیں تو کوئی سعید احمد بھٹی معرفت محمد اسحاق بھٹی۔ حفظ اللہ کے بجائے رحمۃ اللہ کے الفاظ رقم ہوتے ہیں، اب فون کرنے والے حضرات بھٹی صاحب سے بات کرنے کے بجائے بھٹی صاحب کی بات کرتے ہیں۔ گھر تشریف لانے والے احباب ان کی زیارت نہیں تعزیت کرتے ہیں۔

سنا ہے ہر کامیاب مرد کی کامیابی عورت کی مرہون منت ہوتی ہے۔ میری دانست میں ابو جی کو بھی امی جی اور پھر والدہ کی گھر میں موجودگی راس رہی، کہ ابو جی نے چائے، پانی یا کھانے کی فرمائش کر دی اور فوراً فوراً تعمیل شروع..... یہ ہی وہ راز بھی ہے جس نے مہمان نوازی کی صفت کو مزید تقویت بخشی۔

والد گرامی..... جنھوں نے تقریباً ۶۰ سال ابو جی کے ساتھ گزارے اور ابو جی کی ہر آواز پر سولہ سالہ نوجوان کی طرح لبیک کہا، اپنی ہر تکلیف کو نظر انداز کیا۔ اپنی ہر رائے کو

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

پس پشت ڈالا۔ اب یک دم بڑے اور بوڑھے ہو گئے ہیں۔

کہا گیا ہے کہ اگر تم عمر میں اضافے کے خواہشمند ہو تو صلہ رحمی اختیار کرو۔ صلہ رحمی کی یہ صفت ابو جی میں بدرجہ اتم موجود تھی اور ماشاء اللہ انھوں نے صحت مندانہ عمر دراز بھی پائی۔ ۹۱ میں قدم تھا لیکن ان کے حوصلے اور ولولے ۱۹ سال کے نوجوان کی مانند تھے۔ ارادے اور امنگیں جوان تھیں۔

ابو جی بذلہ سنج اور حاضر گو شخصیت کے مالک، بات سے بات نکالنے کے ماہر، لطیفہ گو..... ٹیلی فون پہ کہے جانے والے چند جملے ملاحظہ کیجیے:۔

☆ جناب! آپ تو استاد ہیں اور اکثر استادی کر جاتے ہیں۔

☆ عامر صاحب! آپ تو آمر ہو گئے ہیں۔

☆ عالم صاحب! آپ سے تو ایک عالم واقف ہے۔

☆ ناشر اور پبلی شر دونوں زبانوں میں ''شر'' قدرے مشترک ہے۔

ابو جی حافظ قرآن تو نہ تھے لیکن کثرت تلاوت کے باعث قرآن مجید کا ایک حصہ انھیں ازبر تھا۔ ۱۹۶۷ء سے ہر سال گھر میں نماز تراویح کا اہتمام کرواتے۔ پروفیسر حافظ محمد ایوب (سابق چیئرمین شعبہ اسلامیات، یونیورسٹی آف انجینئرنگ اینڈ ٹیکنالوجی، لاہور)، حافظ محمد زکریا انصاری بن مولانا سلیمان انصاری، قاری جاوید صاحب (مصری شاہ، لاہور)، حافظ عباس انجم (گوجراں والا)، حافظ حماد شاکر، حافظ خلاد شاکر، حافظ یاسر حسین، حافظ عمران محمد علی اور حافظ انیس الرحمٰن بشیر سمیت کئی حفاظ نے گھر میں قرآن مجید سنانے کی سعادت حاصل کی۔ ۲۰۰۲ء سے حسان نماز تراویح پڑھا رہا ہے۔ بیٹھک کے ساتھ والا کمرہ جس میں کتابیں رکھنے والی تین عدد دیواری الماریاں، ایک پلنگ، چند کرسیاں، ایک میز اور ایک ٹیلی فون رکھا ہے۔ یہ ابو جی کا کمرہ ہے جہاں وہ ہمہ وقت کام کام اور کام کرتے رہے۔ افطاری کے وقت کرسیاں اور میز ہٹا کر چٹائی بچھ جاتی اور افطاری کا سامان چن دیا جاتا اور افطاری کے بعد نماز تراویح کے لیے پلنگ بھی کھڑا کر دیا جاتا، اور چٹائی، چادریں، جائے نماز بچھا دیے جاتے..... اس طرح ابو جی کا کمرہ نماز تراویح کی ادئیگی کے لیے تیار ہو جاتا۔..... اللہ اللہ!!

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اس سال بھی ایسا سب ہوا لیکن پہلے سی وہ بات نہیں۔ اگرچہ قاری، سامع اور نمازی سب نم دار آنکھوں اور بھری آوازوں میں ابو جی کا اور امی جی کا ذکر کرتے اور ان کی مغفرت کے لیے دعا کرتے رہے۔ ابو جی نماز تراویح کے بعد یا کسی بھی فرض نماز کی باجماعت ادائیگی کے بعد درس بھی دیتے اس میں انداز اور تاثیر سب دیدنی ہوتا گویا

وہ کہیں اور سنا کرے کوئی

عید اب بھی آئے گی لیکن کیا وہ واقعی عید ہوگی!! ذہن ابھی اس کشمکش میں تھا کہ قدرت حق نے ایک بار پھر کروٹ لی۔ ۳۱۔ جولائی اور یکم اگست کی درمیانی رات بمطابق ۲۵۔ رمضان المبارک کو میرے چھوٹے چاچو، حکیم حامد محمود بھٹی حرکت قلب بند ہونے سے خالق حقیقی سے جا ملے۔ گویا ان کی وفات طاق رات کو ہوئی اور تدفین جمعۃ الوداع کو۔ اللہ اکبر! چاچو ابو جی سے تقریباً ۳۲ سال چھوٹے تھے لیکن انھوں نے یہ فاصلہ ۶ ماہ اور ۸ دن میں طے کر لیا۔ چاچو سول ہسپتال جڑاں والا میں سرکاری طبیب تھے۔ اس ہسپتال میں دوسروں کے لیے زندگی کا وسیلہ بننے والے چند ساعتوں میں اپنی موت کی تصدیق کروا کے گھر آ گئے۔

اللھم اغفرلہ وارحمہ

موت سے کس کو رستگاری ہے
آج وہ، کل ہماری باری ہے

اللہ تعالیٰ نے مجھے دو ابو (ابو جی اور ابی) دو تایا (تایا جی محمد حسین اور تایا جی محمد حنیف) اور دو چاچو (چاچو طارق اور چاچو حامد) عطا کیے تھے لیکن اب سب جوڑیاں ٹوٹ گئیں ہیں۔ تایا جی محمد حسین ۲۷۔ اگست ۲۰۰۷ء کو، ابو جی ۲۲۔ دسمبر ۲۰۱۵ء کو اور چاچو حامد یکم اگست ۲۰۱۶ء کو ہم سے جدا ہو گئے۔ اللہ تعالیٰ مرحومین کی مغفرت کرے اور انہیں اپنی جوار رحمت میں خاص جگہ دے اور موجودین کو شفائے کاملہ اور عاجلہ سے نوازے آمین۔

ابو جی کے جانے کے بعد ان کی پہلی کتاب ''محفل دانش منداں'' اکتوبر کے آخری ہفتے میں شائع ہوگئی ہے یہ کتاب ۲۳ شخصیات کے اذکار پر مشتمل ہے۔ ۳۲۰ صفحات پر مشتمل

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

دانش مندوں کی یہ محفل ابو جی نے خود مرتب کی تھی۔ سر ڈاکٹر زاہد منیر عامر نے ''پیش گفتار'' کے عنوان سے سیر حاصل مقدمہ تحریر کیا ہے جس پر ہم ان کے تہہ دل سے ممنون ہیں۔ محفل دانش منداں کو محمد اسحاق بھٹی ریسرچ انسٹی ٹیوٹ کی جانب سے شائع کیا گیا ہے۔

ابو جی کے ایک بہت پیارے اور محبت کرنے والے دوست مولانا محمد رمضان یوسف سلفی ۷۔دسمبر ۲۰۱۶ء کو اللہ کو پیارے ہوگئے۔ انھوں نے فروری ۲۰۱۱ء میں ''مولانا محمد اسحاق بھٹی۔ حیات وخدمات'' مرتب کی۔ جو ان کی ابو جی سے عقیدت کا منہ بولتا ثبوت ہے۔ اس میں ۱۶ اصحاب کے مضامین اور ۳ نظمیں شامل ہیں۔ رمضان سلفی صاحب نے ابو جی کے چلے جانے کے بعد بھی تفصیلی مضمون لکھا جو جامعہ سلفیہ سے شائع ہونے والے ''ترجمان الحدیث'' کے ''مولانا محمد اسحاق بھٹیؒ'' کے خصوصی نمبر سمیت متعدد رسائل میں شائع ہوا۔

اس سال میں حسان نے شیخ زاید اسلامک سنٹر، پنجاب یونیورسٹی سے اسلامک سٹڈیز میں ''اعجاز قرآن اور فکر استشراق'' پر مقالہ لکھ کر ایم فل کی ڈگری مکمل کر لی۔ نعمان کی کرائم سین انویسٹیگیشن کے محکمے میں Punjab Forensic Science Agency as a Junior Scientist ملازمت ہوگئی۔ ثوبان نے سکول جانا شروع کر دیا اور عمران شادی کے بندھن میں بندھ گیا۔ زندگی ایسے ہی چلتی رہے گی کہ یہ خوشی اور غم کا مرقع ہے۔ لیکن جانے والوں کی واپسی نہ کبھی ہوئی نہ ہوگی۔

ابو جی نے ۲۲۔دسمبر ۲۰۰۷ء کو ''گزر گئی گزران'' کا آغاز کیا (بحوالہ ''گزر گئی گزران'' ص: س) اور ۲۲۔دسمبر ۲۰۱۵ء کو زندگی کی گزران سے گزر گئے۔

۱۳۔جنوری ۲۰۱۷ء

قدیسہ سعید (لیکچرار اردو)
گورنمنٹ پوسٹ گریجویٹ کالج برائے خواتین
جڑاں والا، فیصل آباد۔

☆.....☆.....☆

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مولانا بھوجیانیؒ کا مولانا بھٹی صاحبؒ کے نام ایک مراسلہ بمعہ عکس

(۱۹۶۵ء میں بھتیجے ناصر محمود بھٹیؒ بن محمد حسینؒ کی ولادت پر)

بعزیزم مولوی محمد اسحاق صاحب چک ۵۳/ گ ب، ڈاک خانہ خاص، براستہ جڑاں والا، ضلع لائل پور

لاہور/۲۶ ستمبر ۱۹۶۵ء

عزیزم! وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

فون تار سے کہ بچے کی ولادت کی خبر سے بہت مسرت ہوئی، اپنے والد صاحب کی خدمت میں بعد سلام بہت بہت مبارک باد پیش کر دیں۔ اللہ تعالیٰ برخوردار کی عمر طویل اور بابرکت فرمائے اور اسم بامسمّٰی کرے آمین۔ گھر میں سب کو درجہ بدرجہ مبارک باد اور سلام۔ بچوں کے دعوات

رابعہ ورقیہ کی طرف سے بعد سلام مضمون واحد

محمد عطاء اللہ حنیف

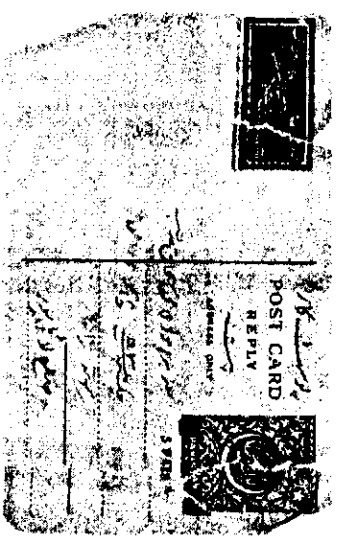

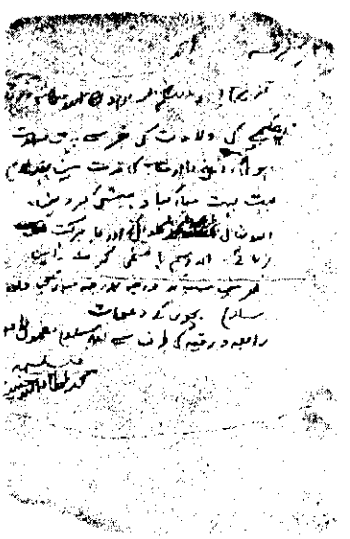

www.KitaboSunnat.com

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

مولانا محمد اسحاق بھٹی صاحب کی تصنیفات

برصغیر میں علم فقہ
لسان القرآن (جلد سوم)
ارمغان حنیف
قصوری خاندان
صوفی محمد عبداللہؒ (حالات۔خدمات۔آثار)
میاں عبدالعزیز مالواڈہ
بزم ارجمنداں
قافلہ حدیث
برصغیر میں اہل حدیث کی آمد
دبستانِ حدیث
چمنستانِ حدیث
ارمغانِ حدیث
تذکرہ مولانا غلام رسول قلعویؒ
تذکرہ مولانا محی الدین لکھویؒ
صدارتی اور استقبالیہ خطبات

برصغیر میں اسلام کے اولین نقوش
چہرہ نبوت قرآن کے آئینے میں
میاں فضل حق اور ان کی خدمات
اسلام کی بیٹیاں
تذکرہ قاضی محمد سلیمان منصور پوریؒ
کاروانِ سلف
نقوش عظمت رفتہ
ہفت اقلیم
برصغیر میں اہل حدیث خدام قرآن
گلستان حدیث
برصغیر میں اہل حدیث کی اولیات
مولانا احمد دین گکھڑوی
روپڑی علمائے حدیث
گزر گئی گزران (آپ بیتی)
محفل دانش منداں

فقہائے ہند پہلی صدی ہجری سے تیرھویں صدی ہجری تک (دس جلدیں)

برصغیر میں اہل حدیث کی تدریسی و تنظیمی سرگزشت

عربی سے اردو

الفہرست / ابن ندیم
حضرت ابوبکر صدیقؓ / محمد حسین ہیکل
ریاض الصالحین / ابوزکریا یحییٰ بن شرف النووی الدمشقی

محمد اسحاق بھٹی ریسرچ انسٹی ٹیوٹ
20S13 جناح سٹریٹ، اسلامیہ کالونی ساندہ، لاہور
Ph 0301-4768918, 042-37143677
mishaqbhattiri2002@gmail.com